محمود المواعظ

جلد دوازدہم

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

محمود المواعظ

(جلد دوازدہم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی
استاذِ حدیث وتفسیر مدرسہ مفتاح العلوم تراج

ناشر

مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:...................محمود المواعظ (جلد دوازدہم)

افادات:.........حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:......مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذِ حدیث وتفسیر مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:...............................۴۴۱

ناشر:..........مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرت اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق، نزد خانقاہِ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، mo:99133،19190
- مکتبہ انور، ڈابھیل (مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی) mo:99246،93470
- مکتبۂ اتحاد دیوبند، mo:98972،96985
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) mo:99256،52499
- مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم اُدگاؤں، کولہاپور) mo:99220،98249

اجمالی فہرست مضامین ...... جلد دوازدہم

تفصیلی فہرست مضامین...... جلد دوازدہم

حصولِ نجات کا مختصر نبوی نسخہ

والدین کے حقوق، ان کو ادا کرنے کے برکات وثمرات

اور

ان کو ضائع کرنے کے خطرناک نتائج

صلہ رحمی کی برکات اور قطع رحمی کی نحوستیں

پڑوسیوں کے حقوق

سلام کیجیے عام

تعزیتی بیان

ہمارے حالات ہماری ہی بدعملی کا نتیجہ ہیں

بہ مقام: ملا مسجد (سورت)

بہ وقت: ۱۱/ ۹/ ۲۰۰۰ء

اقتباس

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے، اصلاح اسی طرح ہوگی، پہلے اپنی ذات پر نظر کرے پھر اپنے ماتحتوں، اپنے گھر، اپنے خاندان کے متعلق فکر کرے، یہ ساری چیزیں عملی طور پر جاری کرنے کی کوشش کرے اور یہ سلسلہ آگے بڑھائے تو ان شاء اللہ تعالی امید ہے کہ اللہ تعالی حالات کو درست کریں اور اس کے نتیجے میں یہ سارے مصائب، یہ سارے آلام جن کی ہم شکایتیں کرتے رہتے ہیں، ان سے نجات مل سکتی ہے، ورنہ اس تبدیلی کے بغیر اگر ہم شکایتیں کرتے بھی رہیں تو کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا،ونعوذباللّٰه من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذباللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ، ومن يضلله فلا هادي له ، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانامحمداعبده ورسوله،أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا،وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجامنيرا،صلى اللّٰه تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾﴾ [الروم] وقال تعالى: ﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾﴾ [الشورى] وقال تعالى: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾﴾ [النحل]

اسلام کسی برادری کا نام نہیں ہے

محترم حضرات! ہم اور آپ سبھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اسلام کسی ذات پات یا برادری کا نام نہیں ہے، جیسے مختلف برادریاں ہوتی ہیں: سید، شیخ، پٹھان، پٹنی، میمن وغیرہ، یہ برادریوں کے مختلف نام ہیں، اسلام کسی برادری کا نام نہیں ہے۔

اسلام اور برادری میں فرق

برادری کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ سید کے یہاں پیدا ہوا تو اس کا سید کے یہاں پیدا ہو جانا اس کے سید ہونے کے لیے کافی ہے، کسی کا شیخ کے یہاں پیدا ہو جانا اس کے شیخ ہونے کے لیے کافی ہے، کسی کا پٹھان کے یہاں پیدا ہو جانا اس کے پٹھان ہونے کے لیے کافی ہے، کسی کا پٹنی کے یہاں پیدا ہو جانا اس کے پٹنی ہونے کے لیے کافی ہے یا میمن کے یہاں پیدا ہو جانا اس کے میمن ہونے کے لیے کافی ہے، اس کے لیے اب آگے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے کہ اور بھی کچھ کرو، تب آپ کا یہ لقب باقی رہے گا۔

اسلام کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کوئی بچہ اگر کسی مسلمان کے یہاں پیدا ہو جائے یا کسی کا نام مسلمانوں والا رکھ دیا جائے، اتنی بات اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اسلام اپنی ذات کے متعلق اور اپنی زندگی گذارنے کے طریقے کے متعلق ایک بہت بڑے فیصلے اور ایک عہد و پیمان کا نام ہے۔

کلمۂ طیبہ کے پہلے جزء کا مطلب

یہ کلمۂ طیبہ جو ہم پڑھتے ہیں: لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، اس کے دو حصے ہیں: ایک تو ہے: لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اس کے ذریعہ سے اس کلمے کو پڑھنے والا اپنے اس عہد و پیمان اور اپنے اِس یقین کا اقرار اور اعلان کرتا ہے کہ میرا اور اِس ساری کائنات کا مالک اور اُس کا پیدا کرنے والا، اُس کا پالنے والا اور اس کا معبود اللہ ہے، اسی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے، وہی تن درستی اور بیماری کا مالک ہے، وہی دولت اور ثروت بھی

دیتا ہے، وہی فقر وفاقے میں بھی مبتلا کرتا ہے، جو کچھ ہے، وہ سب اسی کے قبضۂ قدرت اور اسی کے ارادے واختیار میں ہے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام بندگی میں اللہ تعالی کے دوسرے بندوں سے بڑھے ہوئے ہیں، ان کا اللہ تبارک وتعالی کے یہاں ایک خاص مقام ہے، ورنہ مالک ومختار تو بس اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے۔

کلمۂ طیبہ کے دوسرے جزء کا مطلب

دوسرا حصہ ہے: **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ**، اس کے ذریعہ سے اس کا پڑھنے والا اپنے اس یقین اور ایمان اور اپنے اس عہد و پیمان کا اقرار اور اعلان کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللہ تعالی کے آخری پیغمبر ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا، آپ نے جو شریعت اور ہدایت انسانوں کو عطا فرمائی، وہ اللہ تعالی کی شریعت اور اللہ تعالی کی ہدایت ہے، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری ہے، اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء:۸۰]، اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نافرمانی اور آپ کی معصیت یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی معصیت ہے، یہ ہے کلمے کی حقیقت۔

مسلمان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے

جب کوئی آدمی ان دو چیزوں کا عہد و پیمان اللہ تبارک وتعالی سے کرتا ہے، اپنی زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اعلان کرتا ہے، تب وہ آدمی مسلمان کہلاتا

ہے، خالی کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوجانا یا کسی مسلمان کا سا نام رکھ دیا جانا یہ اسلام اور مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، یہ حقیقت ہے۔

اپنے حالات کا رونا رونے والی قوم

آج ہم اپنے حالات کا تذکرہ تو کرتے رہتے ہیں اور اس میں گھنٹوں سر پکڑتے ہیں، اپنے اوقات کا بڑا حصہ ہم اس میں لگا دیتے ہیں کہ یہ حالات ہیں، یہ مسائل ہیں، یہ آلام ہیں، یہ مصائب اور تکالیف ہیں، یہ ظلم اور زیادتی ہے، یہ مظالم ہیں، ہم بار بار ان ساری چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن اپنے اعمال کا تذکرہ کرنے سے ہمیں الجھن ہوتی ہے، اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔

ہر کہ بر ماست، از ماست

حقیقت یہ ہے کہ یہ حالات تو اعمال کے تابع ہیں، ایک فارسی شاعر نے کہا ہے: ؎

ہر کہ بر ماست، از ماست	۞	خود کردہ را علاجے نیست

جو کچھ مصیبتیں ہم پر ہیں، جو حالات ہم پر آتے ہیں، وہ ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں، اپنے کیے ہوئے کا کیا علاج؟ اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔

تو ہم عام طور پر اپنے حالات کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں لیکن اعمال کے تذکرے سے ہمیں وحشت ہوتی ہے، الجھن ہوتی ہے، پریشانی لاحق ہوتی ہے، ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے، آج کی اس مجلس میں اگر ہم مختصر طور پر اس

کام کو کرلیں، اجمالی طور پر اس کا جائزہ لے لیں تو زیادہ مناسب ہے۔

اسلام کے پانچ بنیادی احکام

اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں جن چیزوں کے احکام دئے ہیں اور اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر قائم کی گئی ہے، اس کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ [۱] أو كما قال علیہ الصلوۃ والسلام کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک تو کلمۂ شہادت ہے، اس کا تذکرہ تو ہوگیا، دوسرا نماز کو قائم کرنا، تیسرا زکوۃ کو ادا کرنا، چوتھا بیت اللہ کا حج کرنا اور پانچواں رمضان کے روزے۔ یہ تو اسلام کی بنیادی چیزیں اور بنیادی اعمال ہیں۔

نماز کی اہمیت شریعت کی نظر میں

نماز ہی کو لے لیجیے، نماز کی کتنی اہمیت ہے، قرآنِ پاک میں ۷۳ کے قریب جگہیں ایسی ہیں جہاں نماز کا تذکرہ کیا گیا ہے، نماز کو قائم کرنے کی تاکید اور تلقین کی گئی ہے، نماز کے قائم کرنے پر اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ دیا گیا ہے اور اس کے چھوڑنے پر وعیدیں سنائی گئی ہیں، قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی اس کا کثرت

---

[۱] صحيح البخاري، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ»، رقم الحديث: ۸.

سے ذکر ہے۔

مرض الوفات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو نماز کی طرف متوجہ فرمانا

اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس کا کتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے، مرض الوفات میں جب آپ کی آخری گھڑی ہے اور اپنی امت کو خاص خاص چیزوں کی طرف آپ متوجہ فرما رہے ہیں، اس میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی: الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کہ نماز کی طرف توجہ رکھو، نماز کا خیال رکھو اور جن غلاموں کے تم مالک ہو، ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرو[۱]۔

مرض الوفات میں باجماعت نماز کا نبوی اہتمام

خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس بیماری کی حالت میں کہ خود اپنے پاؤں پر چلنے کی طاقت نہیں، دو آدمیوں کے سہارے سے، ایسی حالت میں کہ آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے اور آپ مسجد میں نماز کی جماعت کے اندر شرکت فرما رہے ہیں[۲]۔

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ذِكْرُ مَا كَانَ يَقُولُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ، رقم الحدیث: ۷۰۵۷.

(دوسرا حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

میدانِ جنگ ہے، دشمن کا لشکر سامنے ہے، لڑائی چل رہی ہے، ایسی حالت میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ قرآن اور حدیث میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا مخصوص طریقہ بتلایا گیا، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''صلوۃ الخوف'' کہا جاتا ہے، اتنی زیادہ اہمیت ہے نماز کی اور جماعت کی۔

جماعت چھوڑنے پر سخت وعید

جماعت کے متعلق کتنی تاکید ہے؟ حضورِ پاک صلی اله تعالی علیه وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ عشا اور فجر کی نماز میں نہیں آتے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اذان دلوانے کے بعد کسی کو نماز کھڑی کرنے کے لیے کہوں اور پھر ان لوگوں کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں جو اپنے گھروں میں پڑے رہتے ہیں، اگر عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ایسا ضرور کرتا ①۔ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں

(گذشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

②فَوَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ مِنَ الوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَكَانَكَ الحديث.(صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابٌ: حَدُّ المَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الجَمَاعَةَ، رقم الحدیث: ۶۶۴)

①لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ، لَأَقَمْتُ الصَّلَاةَ، صَلَاةَ الْعِشَاءِ، وَأَمَرْتُ فِتْيَانِي يُحْرِقُونَ مَا فِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ.(مسند الإمام احمد بن حنبل، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۸۷۹۶)

جماعت چھوڑنے والوں کے لیے۔

زمانۂ نبوی میں باجماعت نماز کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں کسی بڑے سے بڑے منافق کو بھی جماعت کی نماز چھوڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، وہ بھی جماعت کی نماز میں حاضری دیتے تھے [۱]، وہ بھی اس کی ہمت نہیں کرتے تھے کہ جماعت کی نماز سے غیر حاضر رہیں، اُس زمانے میں نماز کا اور اس کی جماعت کا اتنا زیادہ اہتمام اور تاکید تھی۔

نماز کو ضائع کرنے والا دین کے دوسرے امور کو بھی ضائع کرنے والا ہوتا ہے

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے گورنروں کے نام خط روانہ کیا جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں شروع ہی میں نقل کیا ہے، اس میں خاص تاکید فرمائی: **إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلاَةُ ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا ، حَفِظَ دِينَهُ ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ** کہ: تمھارے سارے کاموں میں اور تمھارے اعمال میں چاہے، وہ دین کے کام ہوں یا دنیا کے کام ہوں، میرے نزدیک سب سے مہتم بالشان، سب سے زیادہ

---

[۱] صحیح مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةَ، بَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، رقم الحدیث: ۶۵۴.

اہم نماز ہے، نماز سے اہم کوئی کام نہیں ہے، جو اپنی نماز کی حفاظت کرے گا، اچھی طرح پابندی کے ساتھ پڑھے گا، وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور جو آدمی نماز کو چھوڑے گا، نماز کو ضائع و برباد کرے گا، وہ دین کے دوسری چیزوں کو بطریقِ اولی ضائع اور برباد کرے گا[۱]۔

باجماعت نماز کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا لوگوں کی نگرانی کرنے کا اہتمام

خود اتنا اہتمام کرتے تھے، باقاعدہ مسجد کے اندر اس کا خیال رکھتے تھے اور نگرانی فرماتے تھے کہ کون مسجد کے اندر حاضر ہے اور کون غیر حاضر ہے، بعض لوگوں کی غیر حاضری پر تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ نہیں آئیں گے تو میں اپنے آدمیوں کو حکم دوں گا کہ اس کی گردن اڑا دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے نہ آنے کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی جماعت چھوڑنے لگیں اور تاکید کرتے تھے کہ اپنے بھائی جماعت کی نماز میں نہ آویں تو جا کر کے ان کی خبر لو، پوچھو کہ کیوں نہیں آئے؟ اگر بیمار ہیں تو ان کی تیمارداری کرو، ان کا خیال کرو اور اگر دوسری کوئی بات ہے تو ان کو تنبیہ کرو اور ان کو نماز کی جماعت میں حاضری کی تاکید کرو۔

---

(۱) باب وقوت الصلوۃ میں چھٹے نمبر پر یہ خط امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله إن أهم أمركم عندي الصلاة الخ۔

رات بھر نماز پڑھ کر فجر کی جماعت چھوڑنے سے رات بھر سو کر فجر کی جماعت میں شرکت بہتر ہے

حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فجر کی جماعت میں نہیں آئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی والدہ سے پوچھا جن کا نام شفا تھا کہ کیا بات ہے کہ آج فجر کی نماز میں سلیمان نظر نہیں آئے؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت! رات بھر عبادت میں مشغول رہے، تھک گئے تھے؛ اس لیے فجر کے قریب جب جماعت کا وقت ہوا تو آنکھ لگ گئی، لہٰذا جماعت میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے با جماعت نماز کے اہتمام کو ظاہر کرتے ہوئے عجیب ارشاد فرمایا: لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً کہ: میں رات بھر سو کر فجر کی نماز کی جماعت میں شرکت کروں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس کے مقابلے میں کہ رات بھر نماز پڑھوں اور فجر کی نماز جماعت سے نہ پڑھوں [1]۔ جماعت کی اتنی تاکید ہے۔

جماعت چھوڑنے والے کا حکم

جماعت چھوڑنے پر بڑی سخت وعیدیں ہیں، فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، فَصْلٌ فِي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي الْجَمَاعَةِ وَمَا فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ عُذْرٍ مِنَ الْكَرَاهة وَمَا فِي تَرْكِهِنَّ مِنَ الْعُقُوبَةِ.

کہ جو آدمی جماعت چھوڑتا ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے ①۔ اور اگر کسی بستی کے لوگ جماعت چھوڑنے لگیں، پوری بستی، پورا علاقہ، پورا محلہ تارکِ جماعت بن جائے تو حاکم وقت کو چاہیے کہ ان کے ساتھ جہاد کرے ②۔ باقاعدہ فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا گیا ہے، اس کی تاکید کی گئی ہے۔

تارک جماعت کو امر بالمعروف کرنا ضروری ہے

شریعت کی نگاہوں میں جماعت کا اتنا زیادہ اہتمام ہے بلکہ شامی میں یہاں تک لکھا ہے کہ جو آدمی جماعت چھوڑتا ہو، پڑوسیوں کو چاہیے کہ اس کے متعلق حاکم کو اطلاع کرے اور پڑوسی اگر اس سے چشم پوشی کریں گے تو وہ بھی قابل گرفت ہیں ③، اتنی

---

①وَذَكَرَ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ مَعْزِيًّا إِلَى الْأَجْنَاسِ أَنَّ تَارِكَ الْجَمَاعَةِ يَسْتَوْجِبُ إِسَاءَةً وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ إِذَا تَرَكَهَا اسْتِخْفَافًا بِذَلِكَ وَمَجَانَةً.(البحر الرائق: ۱/۳۶۵، بَابُ الْإِمَامَةِ، صِفَة الْإِمَامَةِ فِي الصَّلَاة.)

②وَصَرَّحَ فِي الْمُحِيطِ بِأَنَّهُ لَا يُرَخَّصُ لِأَحَدٍ فِي تَرْكِهَا بِغَيْرِ عُذْرٍ حَتَّى لَوْ تَرَكَهَا أَهْلُ مِصْرٍ يُؤْمَرُونَ بِهَا فَإِنْ ائْتَمَرُوا وَإِلَّا يَحِلُّ مُقَاتَلَتُهُمْ.(البحر الرائق: ۱/۳۶۵، بَابُ الْإِمَامَةِ، صِفَة الْإِمَامَةِ فِي الصَّلَاة.)

③وَقَالَ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ: وَالْأَحْكَامُ تَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ، مِنْ أَنَّ تَارِكَهَا بِلَا عُذْرٍ يُعَزَّرُ وَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ، وَيَأْثَمُ الْجِيرَانُ بِالسُّكُوتِ عَنْهُ.(ردالمحتار[الناشر: دار الفكر-بيروت]: ۱/۵۵۲، باب الإمامة)

زیادہ اس کی اہمیت ہے، فقہ کی کتابوں میں بھی اتنی زیادہ اہمیت بتلائی گئی ہے، فضائل تو اپنی جگہ پر ہیں، وہ تو آپ سنتے رہتے ہیں، اتنی زیادہ اس کی اہمیت ہے۔

نماز چھوڑنے والا امام احمدؒ کے نزدیک کافر ومرتد ہے

یہ تو جماعت کا معاملہ ہے اور نماز کا حال کیا ہے؟ اس کے متعلق قرآن اور حدیث میں کتنی زیادہ تاکید ہے؟ یہاں تک کہ نماز کو چھوڑ کے معاملے میں حضراتِ ائمۂ مجتہدین اور چار امام کہ پوری امت ان میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کرتی ہے اور ان حضرات نے قرآن وحدیث کی جو تشریحات کی ہے، امت ان کی ان تشریحات کو عملی طور پر اختیار کرتی ہے، ان میں سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے، وہ کافر ہے، اسلام سے نکل گیا، مرتد ہو گیا اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے واجب القتل ہے، اس کو قتل کر دیا جائے گا[①]۔

---

① وإِنْ تَرَكَهَا تَهَاوُناً، لا جُحُوْداً لِوُجُوبِهَا، دُعِيَ إلى فِعْلِهَا؛ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهَا حَتَّى تَضَايَقَ وَقْتُ التي بَعْدَهَا؛ وَجَبَ قَتْلُهُ، وَعَنْهُ: لا يَجِبُ قَتْلُهُ حَتَّى يَتْرُكَ ثلاث صَلَوَاتٍ وَيَتَضَايَقُ وَقْتُ الرَّابِعَةِ.وإِذَا وَجَبَ قَتْلُهُ؛ لَمْ يُقْتَلْ حَتَّى يُسْتَتَابَ ثَلاثَةَ أيَّامٍ؛ فَإِنْ تَابَ؛ وإلاَّ قُتِلَ بالسَّيْفِ. وَهَلْ وَجَبَ قَتْلُهُ حَدّاً أوْ لِكُفْرِهِ؛ على رِوَايَتَيْنِ: إِحْدَاهُمَا: أنَّهُ لِكُفْرِهِ كالْمُرْتَدِّ. والثَّانِيَة: حَدّاً ، وحُكْمُهُ حُكْمُ أمْوَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ.(الهداية على مذهب الإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني للكلوذاني [الناشر: مؤسسة غراس للنشر والتوزيع]: ۱/۷۱، كِتَابُ الصَّلاةِ)

نماز چھوڑنے والا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب القتل ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جان بوجھ کر جماعت چھوڑنے کی وجہ سے اس کو کافر اور مرتد تو نہیں کہتے لیکن یہ فرماتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے، جیسے کوئی شادی شدہ آدمی زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے کہ پتھر مار کر اس کو ختم کر دیا جاتا ہے یا کوئی آدمی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے تو جیسے اس کی سزا بہ طور قصاص کے قتل ہے، اس کو قتل کیا جائے گا، اسی طرح جو آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے، وہ واجب القتل ہے۔

نماز چھوڑنے والا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دائمی قید کا مستحق ہے

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ وہ نہ کافر و مرتد ہے اور نہ اس کی سزا قتل ہے لیکن تمام کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ جو آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہو، حاکم کو چاہیے کہ اس کو جیل میں ڈال دے، قید میں رکھے اور روزانہ باقاعدہ اس کی پٹائی کی جاتی رہے، یہاں تک کہ نماز کی پابندی کرنے لگے یا اسی حالت میں مر جائے، عمر قید کی

---

(۱) من ترك الصلاة غير جاحد قسمان أحدهما تركها لعذر كنوم ونسيان ونحوهما فعليه القضاء فقط ووقته موسع ولا اثم عليه الثاني تركها بلا عذر تكاسلا وتهاونا فيأثم بلا شك ويجب قتله إذا أصر.(المجموع شرح المهذب للنووي[الناشر: دار الفكر، بيروت]: ۱۴/۳، كِتَابُ الصَّلاَةِ)

سزا ہے[۱]۔

نماز سے امت کی حد سے زیادہ غفلت

یہ نماز کی اتنی زیادہ اہمیت ہے، حضراتِ ائمۂ مجتہدین نے نماز چھوڑنے کی یہ جو سزائیں مقرر کی ہیں، وہ بھی قرآن اور احادیث کی بے شمار دلائل کی بنیاد پر ہے، اتنی زیادہ اہمیت والی چیز! آج اس کا کیا حال ہے؟ ہمارے اندر کتنے ہیں جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں؟ گھر مسجد کے پڑوس میں ہے، دوکان مسجد کے پڑوس میں ہے، اذان کی آواز آرہی ہے، اذان کی آواز سن رہا ہے، اس کے باوجود مسجد میں نہیں آتے، مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

جس نے نماز کو ڈھے دیا، اس نے دین کو ڈھے دیا

نماز پڑھنے والے کتنے ہیں؟ پھر ان نماز پڑھنے والوں میں اس کی پابندی کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور پابندی کرنے والوں میں بھی اس کو دھیان سے اچھے انداز میں پڑھنے والے اور جماعت کا اہتمام کرنے والے کتنے ہیں؟ ذرا غور سے سوچنے کی ضرورت ہے، اتنی زیادہ غفلت!! اسلام کا ایک بنیادی فریضہ اور جس کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ فرمائیں: **الصَّلاةُ عِمَادُ الدِّينِ، مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ**

---

[۱] "وتارك الصلاة عمدا كسلا يضرب ضربا شديدا حتى يسيل منه الدم و" بعده "يحبس" ولا يترك هملا بل يتفقد حاله بالوعظ والزجر والضرب أيضا "حتى يصليها" أو يموت بحبسه وهذا جزاؤه الدنيوي إلخ (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح: ۱/۱۳۸)

أَقَامَ الدِّين وَمَنْ هَدَمَها فَقَدْ هَدَم الدِّينَ کہ: نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جو آدمی نماز کو قائم کرے، اس نے گویا دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ڈھے دیا، گرا دیا، اس نے گویا دین کو ڈھے دیا، دین کو گرا دیا[۱]۔ اتنی زیادہ اہمیت کی چیز کے معاملے میں بھی ہمارا جو حال ہے، ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اس کا کتنا اہتمام کیا جاتا ہے، کتنی توجہ کی جاتی ہے۔ کتنی زیادہ غفلت ہے؟۔

اپنے ماتحتوں کی دنیا کا فکر اور دین و آخرت سے غفلت مسلمانوں کا مزاج بن چکا ہے

گھر میں بیٹا ہے، کبھی نماز نہیں پڑھتا، باپ کبھی بھولے سے بھی اس کو نہیں کہے گا۔ اگر یہی بیٹا پابندی سے دکان پر حاضری نہیں دیتا، تجارت کی طرف توجہ نہیں کرتا، کوئی مالی نقصان کر دیتا ہے تو یہی باپ اس کو برا بھلا کہتا ہے، اس کی جان کو آجاتا ہے، اس کی پٹائی تک کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن اسی بیٹے کو- باپ جانتا ہے کہ نماز نہیں پڑھتا-محبت کے لہجے میں یہ کہنے کے واسطے تیار نہیں کہ بیٹا نماز پڑھو۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

---

[۱] قال العراقي: أخرجه البيهقي في الشعب بسند ضعيف من حديث عمر قال الحاكم عكرمة لم يسمع من عمر قال وأراه ابن عمر ولم يقف عليه ابن الصلاح فقال في مشكل الوسيط إنه غير معروف.(تخريج أحاديث إحياء علوم الدين للعِراقي (۷۲۵-۸۰۶ هـ)، ابن السبكي (۷۲۷-۷۷۱هـ)، الزبيدي (۱۱۴۵-۱۲۰۵هـ)

بیوی نماز نہیں پڑھتی تو ویسے اگر کھانے میں نمک کم ہو جائے، مرچ زیادہ گر جائے، کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف پیش آ جائے تو وہاں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں؛ پٹائی بھی کریں گے، گالیاں بھی دیں گے، گھر سے بھی نکال دیں گے، میکے بھی بھیج دیں گے، سب کچھ کر گذریں گے لیکن یہاں دین کے معاملے میں پوری خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔

ان ساری چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی یہ کیا جاتا ہے، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، جن کے اوپر طاقت نہیں ہے، ان کو تو چھوڑیے لیکن جن کے اوپر ہمارا اختیار ہے، جن پر ہمارا بس چلتا ہے، جن کو ہم دو باتیں کہہ سکتے ہیں، جو ہمارے ماتحت ہیں، جن کو ہم ڈانٹ ڈپٹ سکتے ہیں، جن کو دو طمانچے مار سکتے ہیں، ان کو بھی ہم کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس معاملے میں ہماری غفلت کا یہ عالم ہے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر چھوڑنے پر سخت وعیدیں

حالاں کہ حدیث پاک میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلاَ يُسْتَجَابَ لَكُمْ کہ: بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہا کرو، ورنہ اللہ تعالی اپنا عذاب ڈالے گا اور پھر تم دعائیں کرو گے تو وہ بھی قبول نہیں ہوں گی [1]۔

---

[1] سنن ابن ماجه، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله تعالى عنها، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، رقم الحديث: ۴۰۰۴.

اور پھر حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب کسی قوم میں کوئی برا کام ہورہا ہے، دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اوران سے روکنے پر قدرت ہونے کے باوجود اگر وہ ان کو نہیں روکیں گے تو اللہ تبارک وتعالی ان پر مرنے سے پہلے اپنا عذاب مسلط کردے گا(۱)۔ احادیث کے اندر اس باب میں اتنی زیادہ تاکید ہے، اس کا اہتمام کیا جائے۔

زکوۃ کے معاملے میں امت کی مجرمانہ غفلت

زکوۃ کا حال دیکھئے! جو اسلام کا دوسرا فریضہ ہے، بہت سے وہ ہیں کہ جن پر سالہا سال سے زکوۃ فرض ہوچکی ہے، ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہم پر زکوۃ فرض ہے اور جن

---

(۱) عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَعْدَ أَنْ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ، وَتَضَعُونَهَا عَلَى غَيْرِ مَوَاضِعِهَا: {عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: ۱۰۵]، قَالَ: عَنْ خَالِدٍ، وَإِنَّا سَمِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ» وَقَالَ عَمْرٌو: عَنْ هُشَيْمٍ، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي، ثُمَّ يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا، ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوا، إِلَّا يُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ كَمَا قَالَ خَالِدٌ أَبُو أُسَامَةَ: وَجَمَاعَةٌ، وَقَالَ شُعْبَةُ فِيهِ: «مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَعْمَلُهُ»(سنن أبي داود، كِتَاب الْمَلَاحِمِ، بَابُ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، رقم الحديث: ۴۳۳۸.)

پر فرض ہے اور جانتے ہیں کہ زکوۃ ہم پر فرض ہے تو وہ زکوۃ کی ادائیگی کا کتنا اہتمام اور خیال کرتے ہیں؟، بعض وہ بھی ہیں جو اپنے مال میں سے تھوڑا بہت نکال دیتے ہیں، حالاں کہ اس معاملے میں ضرورت اس بات کی تھی کہ پورے اہتمام کے ساتھ پورا حساب کتاب کر کے، پائی پائی کا حساب کر کے زکوۃ کی ادائیگی کی جاتی، یہ نہیں کہ ایسے ہی اندازے سے نکال دی، حساب کے دفتر تو ہوتے ہی ہیں، آپ ہر چیز کا حساب کرتے ہیں، کتنا نفع ہوا، کتنا نقصان ہوا، کہاں سے آیا، کہاں گیا؟ سارے اعداد و شمار آپ کے دفتروں کے اندر موجود ہے، کون سی رکاوٹ ہے؟ لیکن نہیں، زکوۃ کا معاملہ آئے گا تو کہیں گے کہ تھوڑا دے دو: دس ہزار دے دو، بیس ہزار دے دو، پچاس ہزار دے دو۔ نہیں، یہ کافی نہیں ہے، ایک ایک پائی کا حساب کرنا ہے۔

زکوۃ کی عدمِ ادائیگی باقی مال کی ہلاکت کا سبب ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر زکوۃ ادا نہیں کی گئی اور جو روپیہ زکوۃ میں دینا تھا، وہ باقی رہا تو یہ دوسرے مال کو بھی ہلاک اور برباد کر کے رکھ دے گا، وہ مال باقی نہیں رہ سکتا جس میں زکوۃ کا روپیہ موجود ہے یعنی جو زکوۃ ادا کرنی تھی، وہ ادا نہیں کی گئی تو یہ زکوۃ کا روپیہ دوسرے مال کو ہلاک کرے گا[1]۔ یہ حدیث کے اندر موجود ہے۔

زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام کتنے مسلمان کرتے ہیں؟ کتنے مسلمان زکوۃ ادا کرتے

---

(۱) مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا إِلَّا أَهْلَكَتْهُ.(السنن الکبری للبیهقی، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْوَالِي بِسَبَبِ الْوَلَايَةِ، رقم الحدیث:۷۶۶۲.)

ہیں؟ یعنی جو تناسب نماز پڑھنے والوں کا ہے، زکوۃ ادا کرنے والوں کا اتنا بھی تناسب نہیں ہے، اتنے بھی پرسنٹیج نہیں، نماز پڑھنے والوں کا پرسنٹیج تو کچھ زائد بھی ہے لیکن زکوۃ ادا کرنے والوں کا اتنا بھی نہیں ہے۔

روزۂ رمضان اور امت کی بے راہ روی

اور روزوں کا بھی حال دیکھ لیجیے، رمضان کے اندر کیا حال ہوتا ہے، بہت سے لوگ اس کو جانتے ہیں کہ کیا اہتمام کیا جاتا ہے، بعض لوگ تو علی الاعلان روزہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں، روزہ خور ہیں، روزہ نہیں رکھتے اور علی الاعلان ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا روزہ نہیں ہے، دکانیں چل رہیں، ہوٹلیں کھلی ہوئی ہیں۔

رمضان کی مبارک راتوں کے ساتھ کھلواڑ

اور پھر رمضان کی بابرکت راتوں میں عبادتوں کا اہتمام ہونا چاہیے، ان ہی راتوں کو ان کاموں کے لیے وقف کیا جاتا ہے، رات جگا ہوتا ہے لیکن کاہے کے واسطے؟ گناہوں کے واسطے، نیکی کے واسطے نہیں، نوجوان حضرات اس کو ''راتری کرکٹ'' (رات میں کرکٹ کھیلنے) کا موقع بنا لیتے ہیں، آخری عشرے کی مبارک راتیں کہ جن راتوں کے ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھنا چاہیے تھا، جس کو وصول کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی اور خاص اعتکاف کا اہتمام فرمایا کہ اس کے ذریعہ سے ان راتوں کو وصول کیا جائے اور ایک لمحہ بھی عملی طور پر عبادت سے خالی نہ جائے کہ سویا ہوا ہے تو بھی عبادت میں شمار ہو، اس لیے اعتکاف رکھا گیا ہے، ان ہی راتوں کے اندر

یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں، رمضان کی پوری پوری رات ٹی وی دیکھنے میں گذاری جاتی ہے۔

حج فرض ہوجانے کے بعد بھی اس کی ادائیگی میں بہانے بازی

اور حج کو لے لیجیے، بہت سے لوگ وہ ہیں جو صاحبِ استطاعت ہیں، جن کے اوپر حج فرض ہوچکا ہے اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ بیوی کو ساتھ لے کر کے جائیں گے، بچوں کی شادی ہوجائے۔ حالاں کہ ''بچوں کی شادی ہوجائے، تب آپ حج میں جائیں گے'' ایسا مسئلہ کسی کتاب میں نہیں ہے، اس کو یاد رکھیے، حج جہاں فرض ہوا، آدمی کو ادا کرلینا چاہیے، چاہے ابھی ایک بھی بچے کی شادی نہ ہوئی ہو، کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ بچوں کی شادی باقی ہو تو آپ پر حج فرض نہیں ہے، آپ کسی بھی مفتی سے پوچھ لیجیے۔ ''بیوی کو ساتھ لے کر کے جائیں گے'' صاحبِ استطاعت ہونے کی وجہ سے آپ پر حج فرض ہوچکا ہے، پھر بیوی کو ساتھ لے کر جانے کے لیے حج کی ادائیگی میں تاخیر کیوں کر رہے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ باقی رہ جائے۔

قربانی اور صدقۃ الفطر کے معاملے میں امت کا حال

بہر حال! یہ ساری کوتاہیاں عبادات کے اندر ہو رہی ہیں، کرنے کے کاموں کی بات ہے، قربانی کو بھی دیکھ لیجیے کہ قربانی واجب ہوجانے کے باوجود اس کا کتنا اہتمام کیا جاتا ہے؟۔

کسی کو پوچھا جائے کہ آپ صدقۃ الفطر دیتے ہیں؟ تو کہتا ہے کہ ہاں! مجھ

پر واجب ہے، ادا کرتا ہوں، اسی سے پوچھتے ہیں کہ قربانی کرتے ہو یا نہیں؟ تو کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے، حالاں کہ دونوں کا مسئلہ تو ایک ہی ہے، جس پر صدقۃ الفطر واجب ہے، اس پر قربانی واجب ہے اور جس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے، اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

صدقۃ الفطر اور قربانی کا نصاب

آپ کے پاس آپ کی روزمرہ کی ضرورتوں سے زائد اتنا سامان موجود ہے، چاہے اس پر سال نہ گذرا ہو، جس کی قیمت ۶۱۲ رگرام اور ۳۵ رملی گرام چاندی کے برابر ہے تو آپ پر صدقۃ الفطر واجب ہے، قربانی واجب ہے، زکوۃ نہیں لے سکتے، یہ مسئلہ ہے۔ آج کل تو شوکیس میں ہی اتنا سب کچھ ہوتا ہے کہ اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے اور زکوۃ کا حق دار ہی نہیں بنتا۔

کسی کے یہاں جھونپڑا ہے لیکن اس میں ٹی وی ہے، ٹی وی ہی قیمت اتنی ہے جو صدقہ اور قربانی کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے، اس کو زکوۃ لینے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اتنی زیادہ ضرورت سے زائد چیزیں گھر میں ہیں اور قربانی ادا نہیں کی جارہی ہے تو اس کا گناہ ہوتا ہے۔ یہ عبادات کا حال ہے۔

شراب کی حرمت

اور جن چیزوں سے اللہ تبارک وتعالی نے منع فرمایا، گناہ قرار دیا کہ یہ گناہ کے کام ہیں، ایک نظر ذرا ان پر بھی کرلیں! شراب کے متعلق قرآن اور حدیث میں دیکھئے!

شراب کی حرمت کے سلسلے میں درجہ بہ درجہ، موقع بہ موقع مختلف آیتیں نازل ہوئیں اور آخر میں جب صریح حرمت آئی تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝٩١﴾ [المائدة] کہ: شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمھارے اندر آپس میں عداوت اور دشمنیاں پیدا کرے۔ یہ دشمنیاں اسی کے نتیجے میں ہوتی ہیں، قرآن نے بتلایا، ﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ﴾: اور تم کو اللہ کی یاد سے روکے، نماز سے روکے۔ یہ ان کا خاصہ بتلایا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں مبتلا ہوگا یا جوئے بازی میں مبتلا ہوگا، اس کے نتیجے میں اللہ کے ذکر سے غفلت ہوگی اور نمازیں چھوٹیں گی، آپس میں دشمناوٹیں قائم ہوں گی۔

شراب کے بارے میں لعنتیں

اور شراب کے بارے میں احادیث بھی دیکھیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کتنی لعنتیں فرمائیں کہ شراب بنانے والے پر لعنت، شراب بیچنے والے پر لعنت، شراب خریدنے والے پر لعنت، شراب کی تجارت کرنے والے پر لعنت، شراب بنوانے والے پر لعنت، شراب پینے والے پر لعنت، پلانے والے پر لعنت، پلوانے پر لعنت[1]۔

(حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

جیسے کھانے کے واسطے ٹیبل پر بلایا، اب سیٹھ نے نوکروں سے کہا کہ ان کو شراب دو تو سیٹھ ہوا پلوانے والا اور نوکر ہوا پلانے والا اور ٹیبل پر بیٹھے ہوئے لوگ ہوئے پینے والے، ان سب پر لعنت ہے، اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت ہے۔

پوری امت کو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں مبتلا کرنے والے

اپنے معاشرے اور سوسائٹی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سے لوگوں کا ذریعۂ معاش ہی یہ ہوگیا ہے اور تن تنہا وہی برباد نہیں ہو رہے ہیں بلکہ پورے معاشرے میں اس برائی کو پھیلا رکھا ہے، مرد اس میں لگے ہوئے ہیں، عورتیں اس میں لگی ہوئی ہیں، جوان اس میں لگے ہوئے ہیں، بچے اس میں لگے ہوئے ہیں، بوڑھے اس میں لگے ہوئے ہیں، ان کے ذریعہ دوسری جگہ شراب کی سپلائی کا کام لے رہا ہے یعنی وہ اکیلا برباد نہیں ہو رہا ہے بلکہ پورے سماج کو آفت میں گرفتار کر رہا ہے، کیوں کہ ان پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، وہ اللہ کا رسول جو اپنی امت کے لیے راتوں کو رویا کرتا تھا، ان کی زبان سے جن پر لعنت کی گئی ہو اور جن پر اللہ تعالی کی لعنت اور پھٹکار ہو، اس کا نتیجہ اور انجام کیا ہوگا؟۔

(گذشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ. (سنن أبي داود، كِتَاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ الْعِنَبِ يُعْصَرُ لِلْخَمْرِ، رقم الحديث: ۳۶۷۴)

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

آج آپ کہیں بھی جاؤ اور دیکھو کہ یہ بُٹ لیگر (شراب کا تاجر) کون ہے؟ پوچھو کہ یہاں کون شراب کی تجارت کرتا ہے؟ تو وہاں آپ کو مسلمان کا نام ہی سرفہرست ملے گا، کسی بھی جگہ چلے جاؤ، کسی بھی شہر میں چلے جاؤ اور جہاں یہ سلسلہ جاری ہو، وہاں ہماری یعنی اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کی بڑی تعداد اس میں شامل ہے۔

آج کل یہ وبا اتنی عام ہوتی جارہی ہے کہ اللہ کی پناہ! اس کا پینا اتنا عام ہوتا جا رہا ہے، بہت سی بستیوں کے بارے میں سنتے ہیں کہ نوجوان اس میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں، جہاں دیکھو، ان منشیات کا شکار ہوتے جارہے ہیں، خود بھی برباد ہورہے ہیں، اپنی زندگی کو برباد کررہے ہیں، اپنے گھر والوں کو بھی برباد کررہے ہیں، حکومت بھی نشہ بندی کے نام سے اس کی روک تھام میں لگی ہوئی ہے لیکن کوئی فائدہ نہیں۔

وہ لوگ جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی، جو پیدا ہوتے ہی شراب پیتے چلے آئے تھے لیکن جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوتا ہے تو ان کا حال دیکھیے، اس موقع پر حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیھم أجمعین کا حال دیکھیے:

شراب کی حرمت نازل ہونے پر حضراتِ صحابہؓ کا ایمان افروز انداز

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ جو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے سوتیلے والد ہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سوتیلے ابّا حضرت ابوطلحہؓ کے گھر میں تھا اور اس میں ایک مجلس بیٹھی ہوئی تھی اور میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے سب کو شراب پلا رہا

تھا، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، اتنے میں باہر سے آواز آئی، جیسے کوئی اعلان ہو رہا ہو۔ ان لوگوں کہا کہ دیکھو! کس چیز کی آواز ہے؟ کوئی اعلان ہو رہا ہے۔ گھر میں اس طرح کا اعلان عام طور پر سنائی نہیں دیتا تو آدمی اس کو سننے کے لیے باہر نکلتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے باہر جا کر سنا اور پھر اندر آ کر بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی تو فوراً کہا کہ یہ شراب کے مٹکے توڑ دو، چنانچہ سبھی مٹکے اسی وقت توڑ دئے①۔

موجودہ مسلمانوں کی دوغلی پالیسی

کہتے ہیں کہ مدینے میں اس دن اس کثرت سے شراب بہی ہے، جیسے تیز بارش میں نالیاں پانی سے بھر کر بہنے لگتی ہیں، یہ ان حضرات کا ایمان ویقین تھا، ان کے دلوں میں اسلامی احکام پر عمل کا ایسا جذبہ تھا، آج ہم حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین کے حالات سنتے ہیں، ان کی فتوحات اور غلبے کے واقعات سنتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ جیسی نصرت اللہ تعالی نے ان کی فرمائی، جیسی عزت اللہ تعالی نے ان کو عطا فرمائی، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالی نے ان کو جیسا رعب اور ہیبت عطا فرمایا، وہ ہمیں بھی مل جائے، جب ان چیزوں کی بات ہوتی ہے تو ہم اپنے آپ کو ان کا ہمسر بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ان کی اس عملی زندگی کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہم یوں کہتے ہیں کہ یہ تو چودہویں صدی کا زمانہ ہے، ہم کہاں ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں، یہ

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ قَوْلِهِ {إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ}، رقم الحدیث: ۴۶۱۷.

ہمارے ناپ ہیں، دوغلی پالیسی ہے کہ جب لینے کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم صحابہؓ کے جانشین ہیں اور جب کرنے کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو کمزور ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں، ایسا تو نہیں چلے گا، اللہ تعالی کی مدد تو مشروط ہے۔

سود کے متعلق قرآن میں وعید

یہ تو شراب کی بات کر رہا تھا، سود کے متعلق دیکھیے، قرآن میں سود کھانے والوں کے متعلق کیسی وعیدیں آئی ہیں، ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾[البقرة:۲۷۵]: سود کھانے والا قیامت کے روز پاگل پن کے ساتھ اٹھے گا، میدانِ حشر کے اندر پاگلوں کی طرح آئے گا، یہ قرآن کے اندر موجود ہے۔

سودی معاملات نہ چھوڑنے والوں سے اللہ تعالی کا اعلانِ جنگ

سود کے حرام ہونے کا حکم جب نازل ہوا تو اس سے پہلے تو سودی معاملہ جائز تھا، اس لیے بہت سے لوگوں نے اس وقت سودی معاملات کر رکھے تھے اور ان کا سود وصول کرنا باقی تھا کہ سود کی حرمت نازل ہوگئی تو ایسے لوگوں کو بھی باری تعالی نے حکم دیا کہ جائز ہونے کے زمانے میں جو سودی معاملات کیے تھے اور ان کا سود لینا باقی ہے تو اس سود کو بھی چھوڑ دو، اس کو وصول مت کرنا اور اللہ سے اس معاملے میں ڈرتے رہنا، ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا﴾[البقرة:۲۷۸] اور اگر ایسا نہیں کیا ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾[البقرة:

۲۷۹]: تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔ جائز ہونے کے زمانے کا بقایا وصول کرنے پر قرآن میں اتنی سخت وعید آئی ہے۔

اور حدیث پاک میں اس پر کتنی زیادہ اور سخت وعیدیں آئی ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لعنت کی ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، دینے والے پر، لینے والے پر، اس کا معاملہ لکھنے والے پر، اس میں گواہ بننے والے پر، سبھی پر لعنت ہے [۱]۔

سود کا ادنیٰ درجے کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے جیسا ہے

سود کے جو گناہ ہیں، اس کے ۷۳/درجے بتلائے گئے ہیں، ادنی درجہ ایسا ہے، جیسا کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا [۲]۔

بدترین سود اپنے بھائی کی آبروریزی ہے

اور بدترین سود اپنے بھائی کی آبروریزی ہے، اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی

---

①عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ»، وَقَالَ: «هُمْ سَوَاءٌ». (صحيح مسلم، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ، بَابُ لَعْنِ آكِلِ الرِّبَا وَمُؤْكِلِهِ، رقم الحديث: ۱۵۹۸.)

②الربا أحد وسبعون بابا، أو قال: ثلاثة وسبعون حوبا، أهونها مثل إتيان الرجل أمه، وإن أربى الربا استطالة المرء في عرض أخيه المسلم. (كنز العمال [الناشر: مؤسسة الرسالة]: ۴/ ۱۰۸، عن رجل من الأنصار رضی اللہ تعالی عنه، رقم الحديث: ۹۷۷۵)

کو بنیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بدترین سود فرما رہے ہیں، سود کا ہلکا درجہ ماں کے ساتھ زنا کے برابر بتایا اور مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کو بدترین سود فرمایا①۔

اسلامی معاشرے میں اپنے بھائیوں کی ایذا رسانی کی عام وبا

آج تو اپنے مسلمان بھائیوں کی آبرو ریزی بڑی عام ہوگئی، اس کی کوئی پروا ہی نہیں، حالاں کہ مسلم شریف کی روایت ہے، حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ** کہ: ایک مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے: اس کی جان بھی حرام ہے، اس کا مال بھی حرام ہے اور اس کی عزت و آبرو بھی حرام ہے②۔

ناحق کسی کا مال لینا حرام ہے، ناحق کسی کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ آج تکلیفیں پہنچانا کتنا عام ہوگیا؟، بیٹھے بٹھائے مشغلہ بنا ہوا ہے، ٹھٹھا کرنا، لوگوں کا مذاق اڑانا، دانستہ، نادانستہ، اپنے گھروں کے اندر زور زور سے گانے بجائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ پڑوس میں کوئی بیمار ہے تو رات بھر بے چارے کو نیند بھی نہیں آئے گی، آنکھ لگنے ہی والی تھی اور اِدھر سے شور بلند ہوا اور اس کی ساری راحت غارت ہوگئی۔

مسلمان تو بس یہ ہے

---

① اوپر حاشیے میں مذکور حدیث کے آخری جملے میں یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔

② صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ، وَخَذْلِهِ، وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَالِهِ، رقم الحدیث: ۲۵۶۴.

ہیں۔

تکلیفیں مختلف طریقوں سے پہنچائی جاتی ہیں، بعض لوگ تو قصداً اور بعض لوگ نادانستگی میں پہنچاتے ہیں، قصداً پہنچاؤ یا نادانستگی میں بلاقصد پہنچاؤ، گناہ ہے اور حرام ہے، معمولی تکلیف پہنچانے کی بھی اجازت نہیں ہے، **اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ:** حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ سلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ کی ایذا رسانیوں سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے ①۔

اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں

اور آگے سنئے: ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: **وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ:** تین مرتبہ قسم کھا کر حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: **وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟:** کون اے اللہ کے رسول!؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ:** جس کی ایذا رسانیوں سے، اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو، بے خطر نہ ہو، اس کو اطمینان نہ ہو ②۔

---

① صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، رقم الحدیث: ۱۰۔

② صحیح البخاری، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ، رقم الحدیث: ۶۰۱۶۔

کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلاغت

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلاغت دیکھیے، مامون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اطمینان ہونا چاہیے کہ مجھے میرے پڑوسی کی طرف سے کبھی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ بعض لوگ اپنے مزاج کے اعتبار سے ٹیڑھے ہوتے ہیں کہ اپنے پڑوسی کو آپ نے کبھی مارا نہیں، کبھی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن آپ کا پڑوسی آپ کی طرف سے ہمہ وقت ڈرا سہا رہتا ہے کہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں، معلوم نہیں کب کیا کرڈالے، کب کیا تکلیف پہنچادے۔ چاہے آپ نے کچھ نہیں کیا لیکن آپ کا نیچر (nuture)، آپ کا مزاج، آپ کی طبیعت دیکھ کر کے وہ بے چارہ ڈرا سہا رہتا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین مرتبہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں۔

حضورِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین مرتبہ قسم کھا کر یہ فرما رہے ہیں کہ ایسا آدمی مؤمن نہیں، اس کے باوجود آج ہمارے اندر کتنے ہیں کہ جن کے پڑوسیوں کو ان کی طرف سے اطمینان ہو، ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ہر آدمی دوسرے سے پریشان اور مبتلائے تکلیف ہے

یہ تو پڑوسی کی بات ہے اور یہاں تو گھر میں ماں، باپ، آپ کے بیوی، بچے آپ کے شر سے محفوظ نہیں ہے، سب آدمی پریشان ہیں بلکہ بعض لوگوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ گھر میں آتے ہیں تو گھر کے چھوٹے بڑے سب پناہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی! یہ کب جائے گی!! اس کا وجود اس کے گھر کے لیے

لعنت اور زحمت بن گیا ہے، آج ہمارے بہت سے گھر ایسے بن چکے ہیں، پڑوسی تو اس کے گھر سے باہر جانے کے بعد پریشان ہوتے ہیں، یہاں تو گھروں کے اندر ماں باپ اپنی اولاد کی نافرمانیوں کی وجہ سے، ان کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور ماں باپ کی زیادتیوں کی وجہ سے اولاد بے چین ہے اور شوہر کی زیادتی کی وجہ سے بیوی بے چین ہے، بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے شوہر پریشان ہے، جہاں دیکھو، ایک آگ لگی ہوئی ہے، جہاں دیکھو، ہر ایک پریشان ہے۔ یہ سب ہماری بدعملی کا نتیجہ ہے۔

وہ قوم خود کو عذابِ الٰہی کے لیے تیار کر لے

اسی طرح زنا کاری دیکھیے! کیسی عام ہو چکی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو قوم زنا کاری اور سود خوری کے اندر مبتلا ہو، وہ اپنے آپ کو اللہ تعالی کے عذاب کے لیے تیار رکھے[1]۔

اس زنا کاری کی ممانعت قرآنِ پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اور اس کی سزا کتنی سخت ہے، اگر کوئی شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے، چاہے مرد ہو یا عورت تو اس کی سزا تو یہ ہے کہ اس کو پتھر مار کر ختم کر دیا جائے۔

آج کتنے ایسے ہیں جو اپنے آپ کو اس سے بچاتے ہیں، ان برائیوں کے اندر مبتلا ہیں، دیکھ رہے ہیں، ان کو روکنے کی کسی میں ہمت نہیں، کوئی کچھ کہتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں۔ اس طرح اگر اللہ تعالی کے حدود قائم نہ کیے جائیں تو کیا نتیجہ ہوگا؟ سب

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم: ۳۸۰۹.

جانتے ہیں۔

جو تجھے قطع کرے گا، میں اس کو قطع کروں گا

اس کے علاوہ معاشرے میں کتنی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ قطع رحمی دیکھیے! رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنا کتنا خطرناک ہے؟ اس پر کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس رشتہ داری کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبان عطا فرمائی، اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے خاص درخواست کی کہ جو لوگ میرے حقوق ضائع کریں، ان کے متعلق آپ کا کیا حکم ہوگا؟ تو باری تعالیٰ نے فرمایا: **أَلاَ تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ** کہ: کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھ کو جوڑے گا، میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے قطع کرے گا، میں اس کو قطع کروں گا، تو صلہ رحمی نے کہا: **بَلَى يَا رَبِّ**: ہاں! میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَذَاكِ**: تجھے یہ گارنٹی دی جاتی ہے [۱]۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

اور ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ** [۲]: قطع رحمی کرنے والا، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والا جنت

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ {وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ} [محمد: ۲۲]، رقم الحديث: ۴۸۳۰.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ القَاطِعِ، رقم الحديث: ۵۹۸۴.

میں نہیں جائے گا۔

اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں اترتی

بلکہ حدیث میں یہاں تک آتا ہے: إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَنْزِلُ عَلَىٰ قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ [1]: جس قوم میں، پوری برادری میں ایک آدمی قطع رحمی کرنے والا، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والا ہو تو ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

یہاں تو گھر گھر میں قطع رحمی کرنے والے پڑے ہوئے ہیں، ایک نہیں، کئی کئی ہیں، پھر کیسے رحمت آسکتی ہے؟ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان چیزوں کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔

پندرہ گناہوں پر پندرہ سخت عذاب کی وعید

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت ۱۵/کام کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں گرفتار کی جائے گی، بلاؤں اور مصیبتوں کا اپنے آپ کو حق دار بنالے گی: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً: (۱) جب وہ مالِ غنیمت کو ذاتی ملکت سمجھنے لگے گی، جو اللہ کا مال ہے، اس کو ذاتی ملکت سمجھنے لگے گی۔

---

(۱) الأدب المفرد، عَنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ أَبِي أَوْفَى - رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، بَابُ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ، رقم الحديث: ۶۳.

(۲)وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا: اور جب وہ امانت کو مالِ غنیمت سمجھنے لگے گی۔

(۳)وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: جب زکوۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے گا۔

زکوۃ کی معمولی مقدار کو بھی ٹیکس سمجھنے والے لوگ

آج بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زکوۃ کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں، بھائی! وہ تو اللہ تعالی کا ایک فریضہ ہے، آدمی کو خوشی خوشی رغبت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور کتنی معمولی مقدار ہے؟۔ بھائی! ڈھائی فی صد کوئی زیادہ مقدار ہے؟ انکم ٹیکس اور دوسرے جتنے بھی ٹیکس ہیں، ان میں کوئی ٹیکس ہے جو اتنا کم ہو؟ حکومت کے ٹیکسوں کو دیکھ لیجیے اور ادھر دینے والی ذات اللہ تعالی کی ہے، سارا کچھ اسی نے دیا ہے، بغیر استحقاق کے دیا ہے، وہ بھی سال میں صرف ایک مرتبہ طلب کیا جاتا ہے اور وہ بھی سال پورا ہو تو دینا ہے اور اس میں بھی شرطیں ہیں، وہ شرطیں ہوں تو فرض ہے، اتنی ساری سہولتوں کے بعد بھی اگر آدمی اس کو جبر سمجھے، ٹیکس سمجھے تو یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟، اس کے اندر کتنی کوتاہیاں کی جاتی ہیں؟۔ تو زکوۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے۔

بیوی کی فرماں برداری اور ماں کی نافرمانی کرنے والے

(۴)وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ (۵)وَعَقَّ أُمَّهُ: مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور فرماں برداری کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے۔

آج یہ ہمارے معاشرے میں ہے یا نہیں؟ بیوی کی بات مانی جارہی ہے اور ماں کی بات نہیں مانی جارہی ہے، ماں کی سننے کے لیے تیار نہیں، ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔

دوستوں کو پارٹیاں اور باپ کو جھڑکیاں

(۶) وَبَرَّ صَدِيقَهُ (۷) وَجَفَا أَبَاهُ: اپنے دوست کے ساتھ حسنِ سلوک کرے گا، دوست کا اکرام کرے گا، اس کی دعوتیں ہورہی ہیں، پارٹیاں ہورہی ہیں اور باپ کے ساتھ بدسلوکی ہورہی ہے۔ یہ سب ہورہا ہے، جو خیال اور جتنا اہتمام دوستوں کو راحت پہنچانے کا ہورہا ہے، ان کو کھلانے پلانے کا، ان کو پارٹیاں دینے کا، ان کی دعوتوں کا ہو رہا ہے، اس کے مقابلے میں باپ کا بالکل خیال نہیں ہورہا ہے۔ شریعت ''نا'' نہیں کہتی لیکن یہ نہیں کہ جو اصل ہے، اس کو چھوڑ دو تو باپ کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ کیا جارہا ہے۔

(۸) وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں۔

(۹) وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ: قوم کا سردار ان کا رذیل اور ذلیل آدمی ہو۔ دیکھیے! آج لیڈر کون بنتے جارہے ہیں۔

(۱۰) وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ: اور کسی آدمی کا اکرام کیا جائے، اس کی عزت کی جائے اس کے شر سے بچنے کے لیے۔ یعنی کہیں یہ ہمیں نقصان نہ پہنچادے، اس لیے بھائی! اس کو سلام مارو، ورنہ پتہ نہیں کیا کر ڈالے گا، اس کے لیے اس کا اعزاز واکرام ہونے لگے گا۔

(۱۱) وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ: شرابیں پی جائیں۔

(۱۲) وَلُبِسَ الْحَرِيرُ: ریشمی لباس استعمال کیا جانے لگے۔ مرد ریشمی لباس پہننے لگے، عورتوں کے لیے تو اجازت ہے۔

ٹی وی ساری برائیوں کی جڑ ہے

(۱۳)، (۱۴) وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ: گانے بجانے والیوں کا سلسلہ ہو اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں۔ یہ جو ٹی وی آیا، وہ سبھی برائیاں ساتھ لے کر آیا۔ حدیث میں شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے، ساری برائیوں کی جڑ ہے اور ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہ ٹی وی آج کے زمانے کی ام الخبائث اور ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے بسانے کو، اس کے گھر میں رکھنے کو اپنی عزت سمجھا جاتا ہے، گویا ہمارا اسٹیٹس بلند ہو جائے گا، جس گھر میں ٹی وی ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑا باعزت آدمی ہے، اس کو فخر کی چیز سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ یہ گناہ ہے۔

تصویر کا گناہ اور مسلمانوں کے گھروں کا حال

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے گھر میں تصویر ہو، جس گھر کے اندر کتا ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے [1]۔ آج گھروں کو تصویروں سے سجایا جاتا ہے اور بہت سے مال دار گھرانوں میں کتوں والی مصیبت بھی آنے لگی ہے اور یہ ٹی وی تو ہے ہی ان کے گھروں میں جو ساری برائیوں کی جڑ ہے۔

---

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لاَ تَدْخُلُ المَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ صُورَةٌ». (صحیح البخاری، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ إلخ، رقم الحدیث: ۳۳۲۲.)

تصویر والے گھر میں حضرت عمرؓ کا کھانا کھانے کے لیے جانے سے انکار

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو اس علاقے کا ایک سردار آپ کو تلاش کرتے ہوئے آیا اور آپ کو دیکھ کر کے آپ کے قدموں میں گر پڑا، سجدہ کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہم اپنے سرداروں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں یعنی ان کو سجدہ کرتے ہیں، ان کے پاؤں میں گرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے بعد اس نے درخواست کی کہ آپ کے لیے میں نے کھانا پکوایا ہے، آپ ہمارے علاقے میں آئے ہیں، میں اس علاقے کا سردار ہوں، میری یہ ذمہ داری ہے کہ آپ کی مہمان نوازی کروں، آپ کے لیے کھانا پکاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ تیرے گھر میں تصویر تو نہیں ہے؟، اس نے کہا کہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ بس! ہم تیرے گھر میں نہیں آئیں گے، کھانا بھیج دو۔

ہمارے اسلاف کا تو یہ حال رہا ہے کہ غیر مسلم کے گھر میں بھی تصویر ہے تو وہاں جانے کے لیے تیار نہیں اور ہم تصویروں کو اپنے ہاتھوں سے لاتے ہیں اور ان سے گھروں کو سجاتے ہیں۔

شادیوں میں بے انتہا فضول خرچیاں

آج شادی بغیر وڈیو کے نہیں ہوتی، ہمارے معاشرے میں شادیوں میں جو

فضول خرچیاں ہوتی ہیں، ان کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ وہ قوم ہے جس کو نبیؐ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سادگی کا درس دیا تھا اور جو ساری دنیا کو سادگی کا درس دینے کے لیے اور فضول خرچی سے بچنے کی تلقین کے لیے بھیجی گئی تھی، اس کا یہ حال ہے کہ فضول خرچی میں سب سے آگے ہے۔

آج شادیوں کے اندر کس قدر فضول خرچیاں ہوتی ہیں اور حدود سے آگے بڑھا جاتا ہے، وڈیو بنایا جاتا ہے اور اس کو باقاعدہ محفوظ رکھا جاتا ہے، دوسرے ملکوں میں رہنے والے رشتہ داروں کو بھی بھیجیں گے، آنے والے دوستوں کو بھی دکھایا جائے گا اور کمال تو یہ ہے کہ یہ وڈیو والا غیر محرم ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ''البلاغ'' کے اندر ایک مضمون آیا تھا: ''سنت کا غیر مشروع طریقہ''، شادی کو سنت کہتے ہیں نا؟ جو شادی کرتا ہے، وہ ایک سنت ادا کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سنت یعنی شادی کی ادائیگی کا ناجائز طریقہ۔

اب یہ جو وڈیو بنانے والا ہوتا ہے، وہ گھر کے ایسے کونے میں بھی پہنچ جاتا ہے، جہاں بے چاری ایسی عورتیں بیٹھی ہوتی ہیں جنھوں نے زندگی بھر پردے اور حجاب کا اہتمام کیا، کسی اجنبی آدمی کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولا، ان کو بھی بے چاریوں کو کیمرے کے اندر قید کر لیا جاتا ہے، اب وہ وڈیو ساری دنیا کے اندر جائے گا اور ان کو بھی لوگ دیکھیں گے، اس طرح باپردہ خواتین کی پردہ دری کی جاتی ہے اور اس کو فخر سمجھا جاتا ہے۔

اس برائی سے روکنے کی کسی میں ہمت ہے؟ اگر روک دے تو اس کا کیا حلیہ

بنایا جاتا ہے، وہ سب جانتے، سمجھتے ہیں، تصویر کے معاملے میں ہمارا یہ حال ہے، جس کے بارے میں حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے۔ ویسے تو مولویوں اور بزرگوں سے دعائیں کراتے ہیں کہ مولوی صاحب! دعا کیجیے کہ گھر میں برکت اور رحمت ہو جائے اور دوسری طرف برکت اور رحمت کو ختم کرنے والے سارے اسباب پوری قوت کے ساتھ اختیار کیے جاتے ہیں۔

رحمت ولعنت میں کشتی کرانے کے شوقین

صاحبِ احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صاحب مجھے اپنے یہاں لے گئے تو دیکھا کہ دیواروں کے اوپر تصویریں بھی ہیں اور اس کے بازو میں قرآنی آیتوں کا کتبہ بھی ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ شاید آپ کو اکھاڑے سے کچھ مناسبت ہے؟، اس نے کہا کہ حضرت! کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ آپ نے ایک طرف تو تصویر رکھی ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں تصویر ہو اور دوسری طرف قرآن کی آیتیں ہیں جو اس لیے رکھی ہیں کہ رحمت آوے، برکت اترے۔

ایک طرف علماء کو، بڑوں کو، اللہ والوں کو دعوت دو کہ مولوی صاحب! نکاح پڑھا دو؛ تا کہ اس میں برکت ہو جائے اور دوسری طرف گھروں میں شادیوں کے اندر وڈیو ہو رہا ہے، یہ سب عام ہوتا جا رہا ہے، اس کے بغیر شادی نہیں ہوتی، تصویریں اتنی عام ہو چکی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصویر والی چادر کو پھاڑ دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تصویر کی ممانعت کا یہ حکم معلوم نہیں تھا، اس لیے نادانستگی میں انھوں نے تصویر والی ایک چادر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے استعمال کے لیے خرید لی، آپ گھر میں داخل ہو رہے تھے، دروازے پر قدم رکھا، چادر پر نظر پڑی تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا؟ تو انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے استعمال کے لیے خریدی ہے تو فرمایا کہ اس میں تصویر ہے، اس کو یہاں سے ہٹاؤ، آپ نے اس کو پھاڑ دیا[1]۔ بخاری شریف اٹھا کر دیکھئے، اس میں تصویر کی قباحت کے متعلق کتنی زیادہ احادیث ہیں اور یہ گناہ بہت عام ہوتا جا رہا ہے۔

ایمان اور حیا کا تعلق

اس ٹی وی کی خرابیوں سے تو اللہ کی پناہ! اس کے نتیجے میں فواحش اور منکرات پھیلتے جا رہے ہیں، حدیث میں ہے: الحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ کہ: حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے، ایمان کی ایک شاخ ہے[2]، بلکہ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كِتَابُ اللِّبَاسِ، بَابُ مَا وُطِئَ مِنَ التَّصَاوِيرِ، رقم الحدیث: ۵۹۵۴.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابُ أُمُورِ الإِيمَانِ، رقم الحدیث: ۹.

إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرِنَا جَمِيعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ[1] کہ: حیا اور ایمان دونوں جڑواچیزیں ہیں، ایک آئے گا تو دوسرا آئے گا، ایک جائے گا تو دوسرا جائے گا، جہاں حیا نہیں، وہاں ایمان نہیں رہ سکتا۔ اور ٹی وی کا پہلا حملہ اسی حیا پر ہوتا ہے۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

اور پھر دلیل بھی کیسی لچر دیتے ہیں کہ مولوی صاحب! کیا کریں؟ گھر کے اندر جو دوسرے نمبر کا بچہ ہے، وہ مانتا نہیں، بہت روتا ہے، دوسروں کے گھروں کے اندر ٹی وی دیکھنے کے لیے جاتا ہے تو اچھا نہیں لگتا، اس لیے گھر میں ٹی وی لانا پڑا۔ پہلے صرف یہ دوسرے نمبر کا بچہ دوسرے کے گھر جاتا تھا تو دن میں ایک دو مرتبہ جاتا تھا، آدھا گھنٹہ دیکھتا تھا، اب آپ نے گھر میں ٹی وی لاکر دوسرے نمبر کے بچے کے ساتھ پہلے اور دسویں نمبر تک کو بھی اس میں شامل کرلیا اور ماں باپ بھی ساتھ میں بیٹھے ہوئے ہیں، شوق اور رغبت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، بیوی ہے، اولاد ہے، نوجوان لڑکیاں ہیں، حیا سوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کیسے حیا باقی رہ سکتی ہے؟، دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ ایسے ایسے مناظر دکھائے جاتے ہیں کہ ان کو دیکھنے کے بعد آدمی اپنے آپ کو گناہ سے بچا ہی نہیں سکتا۔

ٹی وی کے تباہ کاریوں کی ایک جھلکی

اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسے ایسے حیا سوز واقعات پیش آتے ہیں کہ دل لرز جاتا

---

[1] الأدب المفرد، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ الْحَيَاءِ، رقم الحديث: ۱۳۱۳.

ہے، بھائی بہن آپس میں ملوث ہو گئے، باپ بیٹی کے ساتھ ملوث ہو گیا، ان سب کی جڑ یہ ٹی وی ہے جس کو ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں میں لا رہے ہیں اور پھر جب اس کے نتیجے میں مصیبت آتی ہے تو روتے ہیں، شکایتیں کرتے ہیں۔ بھائی! جب اللہ کے پاک رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ فلانا دروازہ کھولو گے تو اندر سے بھیڑیا نکلے گا، سانپ نکلے گا، اژدہا نکلے گا، اب اس دروازے کو کھولنے پر بھیڑیا اور اژدہا نکلا تو رونا کس بات کا؟ بتادیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔

تمھارا کیا حال ہوگا، جب تم بھلی باتوں کو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھو گے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاعتدال'' میں ذکر کی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا، جب تمھارے نوجوان فاسق اور تمھاری عورتیں سرکش اور نافرمان بن جائیں گی؟، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ایسا ہوگا؟ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہوگا بلکہ اس سے زیادہ سخت ہوگا پھر فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا، جب تم بھلی باتوں کا حکم نہیں کرو گے اور بری باتوں سے نہیں روکو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ایسا ہوگا؟ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ایسا ہوگا بلکہ اس سے زیادہ سخت ہوگا پھر فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا، جب تم بھلی باتوں سے روکو گے اور بری باتوں

کا حکم کرو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ایسا ہوگا؟ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ایسا ہوگا اور اس سے زیادہ سخت ہوگا پھر فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا، جب تم بھلی باتوں کو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ایسا ہوگا؟ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ایسا ہوگا اور اس سے زیادہ سخت ہوگا[①]۔

یہ سب سے خطرناک درجہ ہے، بری باتوں کا حکم کرنا اور بھلی باتوں سے روکنا، اس کے بعد کا یہ آخری درجہ ہے جو بہت زیادہ خطرناک ہے۔ آج بہت سے گناہ وہ ہیں جن کو نیکی سمجھ کر کیا جا رہا ہے، کرکٹ کو دیکھ لیجیے، کرکٹ کے اندر کھیلنے والے کون ہیں؟ کوئی نیک اور صالح لوگ ہیں؟ فساق وفجار ہیں، ان کے لیے دعائیں کی جارہی ہیں، مٹھائیاں تقسیم کی جارہی ہیں اور اس کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ کوئی نیکی کا کام کر رہے ہیں۔

کرکٹ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے

کرکٹ کی محبت اتنی سرایت اور پیوست ہوچکی ہے کہ اس کو نیکی سمجھا جانے لگا اور اس کی وجہ سے دوسری برائیوں بھی عام ہوتی چلی جارہی ہیں، اس کی بنیاد پر کتنے

---

① إحياء علوم الدين: ۲ / ۳۰۸ وقال زين الدين العراقي: أخرجه ابن أبي الدنيا بإسناد ضعيف دون قوله «كيف بكم إذا أمرتم بالمنكر ونهيتم عن المعروف" ورواه أبو يعلى من حديث أبي هريرة مقتصرا على الأسئلة الثلاثة الأول وأجوبتها دون الأخيرين، وإسناده ضعيف. (المغني عن حمل الأسفار في الأسفار، في تخريج ما في الإحياء من الأخبار: ۱ / ۷۸۴)

جوئے اور سٹے کھیلے جاتے ہیں، اس کی وجہ سے زنا کاری اور بدکاری میں مبتلا ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اس میں سنیما میں کام کرنے والیوں کے ساتھ بھی اختلاط بڑھ جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نمازوں کا اہتمام بھی نہیں ہوتا، یہ جو کھیلنے والے ہیں، وہ کوئی تقوی والے ہیں؟۔ آج یہ پاگل پن اتنا زیادہ سرایت کر گیا ہے کہ اپنے بچوں کے نام بھی ان کے اوپر رکھے جاتے ہیں۔

فساق وفجار کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنا لوگ باعث سعادت سمجھنے لگے ہیں

پہلے ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ اپنی اولاد کے نام صلحاء کے ناموں پر رکھتے تھے، آج اپنی اولاد کے نام فساق وفجار کے ناموں پر رکھنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں، ہماری ذہنوں میں کتنی تبدیلی آ گئی؟، سوچنے کی ضرورت ہے، اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

میں یہ حدیث بیان کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت جب ۱۵؍کام کرے گی تو ان پر عذاب آئے گا، اس میں اس پر بات چل رہی تھی کہ گانے والیاں اور گانے بجانے کی آلات کی کثرت ہو جائے گی، یہ چودھواں گناہ تھا اور آخری بات فرمائی:

امت کے پچھلوں کا اپنے اگلوں کی برائی میں مبتلا ہونا

(۱۵) وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا: اس امت کے آخر کے لوگ اگلوں پر

لعنت کریں گے، پیچھے آنے والے آگے گذر جانے والوں کو برا بھلا کہیں گے [۱]۔

آج دیکھیے! حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو نشانۂ تنقید بنایا جارہا ہے، ان کے متعلق جو چاہا، بول دیا، ائمۂ مجتہدین کے متعلق جس کے دل میں جو آیا، بولتا جارہا ہے، جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نماز میں کتنے فرض ہیں، وہ ان اکابر امت کے متعلق جو جی میں آیا، بولتے جارہے ہیں۔

تو سرخ آندھی کا انتظا کرو

یہ ۱۵ر کام ہیں، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت جب یہ ۱۵ر کام کرے گی تو فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا: وہ انتظار کرے سرخ آندھی کا جو آگ سے بھری ہوئی ہوگی، زمین میں دھنسا دئے جانے کا، صورتوں کے مسخ کردئے جانے کا انتظار کرے۔

اللہ تعالی کے ساتھ کسی کی رشتہ داری نہیں ہے

بھائی، دیکھو! اللہ تعالی کے ساتھ کسی کی رشتہ داری نہیں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو لشکر کا سپہ سالار بنایا اور وصیت کی کہ تم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ماموں ہو- کیوں کہ ان کا تعلق قبیلۂ بنی زہرہ سے تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالْخَسْفِ، رقم الحدیث: ۲۲۱۰.

کی والدہ بی بی آمنہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں تو ان سے فرمایا کہ تم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ماموں ہو- اور آپؐ کے صحابی ہو، اس دھوکے میں نہ رہنا، اللہ تعالی کے ساتھ کسی کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے، وہاں تو جو اطاعت کرنے والا ہوتا ہے، اس کے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ ہوتا ہے[۱]۔

ہماری مظلومیت ہمارے ہی ظلم اور بدعملی کا نتیجہ ہے

بنی اسرائیل کون تھے؟ آج ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، پھر ہماری مدد کیوں نہیں ہوتی، قرآن میں ہے: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ [هود: ۱۰۱]: ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ آج ہم اپنی مظلومیت کو تو بیان کرتے ہیں لیکن اپنے ظلم کو بیان نہیں کرتے، اللہ تعالی کے کتنے احکام کو ہم توڑ کر کے ظلم کر رہے ہیں، اسی ظلم کے نتیجے میں ہماری یہ مظلومیت ہے، اگر ہماری مظلومیت خالص مظلومیت ہوتی، ہماری طرف سے کوئی ظلم نہ ہوتا تو یہ ظالم کب کے ہلاک و برباد ہو جاتے لیکن ہماری یہ مظلومیت تو ہمارے ظلم ہی کا نتیجہ ہے، ہماری بدعملی کا ثمرہ ہے۔ حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: أَعْمَالُكُمْ

---

(۱) لَا يَغُرَّنَّكَ مِنَ اللّٰهِ أَنْ قِيلَ خَالُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبُهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَدٍ نَسَبٌ إِلَّا بِطَاعَتِهِ الخ (البداية والنهاية [الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان]: ۹/۲۱۴، سنة أربع عشرة من الهجرة، ما وقع فيها من الأحداث)

عُمَّالُکُمْ: تمھارے جو اعمال ہیں، وہی تمھارے حکم ران ہیں[۱]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے حکم رانوں کو برا بھلا مت کہو، اپنے اعمال کو درست کرو۔

بے عملی کے ساتھ تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں

تدبیریں بھی کی جاتی ہیں تو کیا کی جاتی ہیں؟ تدبیریں بھی الٹی کی جاتی ہیں، آج ہم اپنے ان حالات کے اندر تدبیریں کرتے ہیں تو وہ غلط ہوتی ہیں، حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے حالات کسی ایسی قوم پر آئیں جو ایمان اور یقین کی دولت سے محروم ہے اور وہ ان حالات میں جو تدبیریں کرتی ہیں، وہی تدبیریں ہم بھی کرتے ہیں۔ ان تدبیروں سے انکار نہیں لیکن جو تدبیریں دین سے بے تعلقی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنے کے ساتھ ہوں تو ایسی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ میں تدبیر کو بے کار نہیں بتلاتا لیکن یہ تدبیریں اسی وقت کارگر ہو سکتی ہیں، جب کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو۔

---

(۱) قال النجم: لم أره حديثًا لكن ستأتي الإشارة إليه في كلام الحسن في حديث: كما تكونوا يولَّ عليكم، وأقول: رواه الطبراني عن الحسن البصري أنه سمع رجلًا يدعو على الحجاج، فقال له: لا تفعل، إنكم من أنفسكم أوتيتم، إنما نخاف إن عزل الحجاج أو مات أن يتولى عليكم القردة والخنازير، فقد روي: أن أعمالكم عمالكم، وكما تكونوا يولَّ عليكم. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس [الناشر: المكتبة العصرية]: ۱/۱۲۵، رقم الحديث: ۴۲۷.)

ابلیس کی ایک مخالفت اور ہماری روزمرہ کی سینکڑوں مخالفتیں

شیطان، بلیس کاہے کو مردود ہوا؟ اتنا زیادہ علم دیا گیا تھا، عبادات کے اتنے اونچے مقام پر فائز تھا، فرشتوں کا معلم اور ان کا استاذ مقرر کیا گیا تھا، بس اللہ تعالی کے ایک حکم کو توڑا، حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس نے سجدہ نہیں کیا، ایک حکم کو توڑنے پر وہ مردود ہوا، ہم تو سینکڑوں احکام روزانہ توڑتے ہیں۔

اقوامِ ماضیہ کی ہلاکتیں ان کی نافرمانیوں کے سبب ہوئی ہیں

آخر حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم کو غرق آب کیوں کیا گیا؟، ان پر سیلاب آیا اور سب کو ہلاک کردیا گیا، نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو تباہ کیا گیا۔ قومِ عاد کو تیز و تند ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقة]: ان کو تیز و تند ہوا کے ذریعہ ایسے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا، جیسے اکھڑے ہوئے کھجوروں کے درختوں کے تنے ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کے عذاب کا مقابلہ ناممکن ہے

اللہ تعالی کا عذاب آتا ہے تو کون بچا سکتا ہے؟ آج کی سائنسی دنیا اتنی ترقی یافتہ ہونے کے بعد بھی اللہ تعالی کے عذاب کے سامنے بے بس ہے، آسٹریلیا اور امریکہ کے جنگلوں کے اندر آگ لگتی ہے اور مہینوں تک بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی، اتنی ساری ترقیوں کے باوجود کئی مہینے گذر جاتے ہیں اور اس آگ کو نہیں بجھا سکتے۔

قومِ ثمود اور قومِ شعیبؑ کی ہلاکتیں

قومِ ثمود کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک چیخ کے ذریعہ ہلاک کر دیا، اس چیخ کی وجہ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے، حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم پر آگ کا عذاب سائبان کی شکل میں آیا آٹھ دنوں تک ایسی سخت گرمی اور حرارت ہوئی کہ تالابوں اور کنوؤں کا پانی ابلنے لگا، جیسے چولہے پر رکھی ہوئے برتن میں پانی ابلتا ہے، گرمی سے بے چین ہو گئے، آٹھ دن کے بعد کالا بادل آتا ہوا نظر آیا تو سب اس کے نیچے جمع ہو گئے کہ پانی برسائے گا، جیسے ہی اس کے نیچے آئے، اس میں سے آگ برسی اور سب ختم کر دئے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب وگ بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں لیکن میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کی نظر جب بادل پر پڑتی ہے تو آپ سہم جاتے ہیں، ڈر جاتے ہیں تو حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ کیا اطمینان کہ یہ بادل آگ لے کر کے نہ آیا ہو[۱]۔

اللہ تعالی کی معرفت جس کو جتنی زیادہ ہوتی ہے، اتنا اس کے اندر ڈر ہوتا ہے، ہماری بے باکی اور نادانی کی وجہ سے ہمیں ایسا کوئی ڈر لاحق نہیں ہوتا۔

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِهِ: (وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ نُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ) رقم الحدیث: ۳۲۰۶۔

قرآنی واقعات حصولِ عبرت کے لیے ہیں

قومِ فرعون کو اللہ تعالی نے غرق کر دیا، کاہے کی وجہ سے؟، قارون کو اس کے خزانے کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا، یہ سارے قصے اگلی امتوں کے قرآنِ پاک میں سنائے گئے، کیا خالی قصے کہانیاں ہیں؟ اللہ تعالی سنا رہا ہے، اللہ تعالی نے عبرت کے لیے بیان کیے، ان کے حالات بتائے، قومِ عاد کیسی تھی؟، ایسی مضبوط اور طاقت ور قوم تھی کہ پہاڑوں کو کاٹ کر اس کے اندر اپنے مکانات بناتے تھے، بڑی ڈیل ڈول والے، بڑے توانا لیکن باری تعالی کے عذاب کے سامنے ان کا یہ ڈیل ڈول اور قوت وطاقت کچھ کام نہ آئے۔ مشرکین مکہ کے متعلق باری تعالی فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسی طاقت ور قوم کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو تم تو اتنے طاقت ور بھی نہیں ہو، اللہ تعالی کا عذاب تو نافرمانی پر سب کے لیے ہے۔

فتح قبرص کے موقع پر حضرت ابودرداءؓ کا گریہ وبکاء

جب قبرص یعنی سائپرس فتح ہوا تو حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ کونے میں بیٹھ کر کے رو رہے ہیں۔ میں نے ان کے پاس جا کر عرض کیا کہ حضرت! یہ تو خوشی اور مسرت کا موقع ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو کامیابی اور فتح عطا فرمائی ہے، اس موقع پر خوش ہونے کی ضرورت ہے اور میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ رو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم سمجھتے نہیں، اس قوم کا یہ حال تھا کہ وہ برسرِ اقتدار تھی، جب اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی

کی تو آج اللہ تعالی نے ان کو ذلیل ورسوا کیا [۱]۔ اللہ والے تو فتح کے اندر بھی یہ چیز دیکھتے ہیں۔

زلزلہ کے اسباب حضرت عائشہؓ کی زبانی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کسی نے پوچھا کہ زلزلہ کیوں آتا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب میں فرمایا کہ جب لوگ زنا کو ایک جائز کام کی طرح کرنے لگتے ہیں، شرابیں پی جاتی ہیں، اللہ تعالی کی نافرمانیاں کی جاتی ہیں تو آسمان والا غضب ناک ہوتا ہے اور زمین کو کہتا ہے کہ ان کو ہلا ڈال، اس کے نتیجے میں زلزلہ آتا ہے۔

نیکی کے بعض فوائد اور گناہ کے بعض نقصانات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ نیکی کے نتیجے میں آدمی کے چہرے پر رونق ہوتی ہے، دل میں نور ہوتا ہے، اس کی روزی میں وسعت ہوتی ہے، بدن میں قوت ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالی جاتی ہے اور گناہ اور برائی کے نتیجے میں چہرے پر بے رونقی ہوتی ہے، دل میں اور قبر میں اندھیرا ہوتا ہے، روزی میں تنگی ہوتی ہے، بدن میں سستی اور لوگوں کے دلوں میں بغض وعداوت ڈال دی جاتی ہے۔

چنانچہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو ہم نے دیکھا بھی نہیں لیکن ان

---

[۱] الزهد للإمام احمد بن حنبل، زُهْدُ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، رقم: ۷۶۳.

کے لیے ہمارے دل عقیدت سے جھک جاتے ہیں اور بہت سے نافرمان ایسے ہیں کہ ان کو ہم نے دیکھا بھی نہیں، انھوں نے ہمارا کچھ بگاڑا نہیں، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن ان کا نام سنتے ہی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔

اور میری لعنت کا اثر سات پشتوں تک ہوتا ہے

مسند احمد کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے بنو اسرائیل سے کہا کہ اے بنو اسرائیل! جب میری اطاعت کی جاتی ہے تو میں راضی ہوتا ہوں اور جب میں راضی ہوتا ہوں تو برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہاء نہیں اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میں غضب ناک ہوتا ہوں اور جب میں غضب ناک ہوتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشتوں تک ہوتا ہے۔

نصرت اور مدد

اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے

میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ یہ حالات، حالات، حالات، بس ان ہی کا تذکرہ ہم کرتے ہیں، حالات جس کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، اس کا تذکرہ ہی نہیں کرتے، ان حالات کو بدلنا تو ہمارا کام ہے، ہم خالی اسی پر کہ ہم نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی امت ہیں، ہم مسلمان ہیں، تکیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ خالی کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں، جس نبی پر ایمان لائے ہیں، اس نبی کی اطاعت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے احکام کے اوپر عمل کرنا ضروری ہے، کوئی قوم اگر اپنے نبی پر ایمان لانے کے بعد اس کی

شریعت پر عمل نہیں کرتی تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کی مستحق نہیں ہوتی، قرآن کا صاف اعلان ہے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [محمد:۷]: اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔ ﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾ [آل عمران]: اگر تم ایمان والے ہو یعنی ایمان والے اعمال پر قائم ہو تو تم ہی سربلند رہوگے۔ قرآن میں شرطیں لگائی گئی ہیں۔ خالی نام کا مسلمان ہونا یا زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اسلامی اعمال کو انجام نہ دینا، اس سے نصرت نہیں آتی۔

بنواسرائیل کو نبیوں کی اولاد ہونا کام نہیں آیا

آخر بنواسرائیل کون تھے؟، اپنے زمانے میں بنواسرائیل کا وہی مقام تھا جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد امت محمدیہ کو حاصل ہوا بلکہ ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو بنواسرائیل تو نبیوں کی اولاد ہے، ہم تو نبیوں کی اولاد نہیں ہیں، ہم نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت تو ہیں، آخری امت ہیں لیکن وہ تو سب کے سب نبیوں کی اولاد تھے اور وہ یوں سمجھتے تھے: ﴿نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا اللهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ﴾ [المائدة:۱۸]: ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لاڈلے ہیں، اللہ کے محبوب ہیں لیکن ان کا نبیوں کی اولاد ہونا کام نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کو تو اطاعت اور فرماں برداری چاہیے، اطاعت نہیں تو کچھ نہیں۔

بنواسرائیل سے اللہ تعالیٰ کا عہد اور ان کی عہد شکنی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [البقرة]: جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرنا، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، کنبہ والوں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، محتاجوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا، لوگوں سے اچھی بات کہنا، نماز کو قائم رکھنا، زکوۃ ادا کرتے رہنا۔ یہ سارے وعدے لیے گئے تھے، اللہ تبارک وتعالی آگے فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾: پھر تم نے اس سے روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیری سوائے معدودے چند کے یعنی اکثر وہ ہیں جنھوں نے اس پر عمل نہیں کیا، چند گنے چنے لوگوں نے اس پر عمل کیا، باقی سب اس سے مکر گئے اور اس کو چھوڑ دیا، ایمان تھا، یاد رکھئے! بنو اسرائیل نے ایمان نہیں چھوڑا تھا، اپنے نبیوں پر ایمان رکھتے تھے لیکن جو احکام بجالانے کے تھے، ان کو بجا نہیں لائے، جن چیزوں سے بچنا تھا، نہیں بچے۔

اللہ تعالی سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے پر سخت عذاب کی دھمکی

آگے ارشاد ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾: تم سے ہم نے وعدہ لیا کہ آپس میں خوں ریزی نہیں کرو گے، ایک دوسرے کو قتل نہیں کرو گے اور اپنے لوگوں کو اپنے وطنوں سے نہیں نکالو گے پھر تم نے مانتے ہوئے اقرار کیا۔

اس کے بعد باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾: اس اقرار کے بعد بھی تم نے اپنے ہی لوگوں کو قتل کیا، آپس میں خوں ریزی کی، ﴿وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ﴾: اپنے ہی لوگوں کو وطنوں سے نکالنا شروع کیا، ﴿تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾: اور ان کے مقابلے میں گناہوں اور زیادتیوں کے ذریعہ سے دشمنوں کی مدد کرتے رہے، ﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ﴾: تو تم خود ہی ان کو وطنوں سے نکالتے تھے اور دشمنوں کے ہاتھوں وہ قید ہوتے تو ان کا فدیہ دے کر ان کو چھڑاتے تھے، حالاں کہ ان کو نکالنا تم پر حرام کر دیا گیا تھا، ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾: اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو، بعض حصے پر تم ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو کچھ کو چھوڑتے ہو، ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾: جو آدمی ایسا کرے گا، اس کی جزاء اور بدلہ سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کو رسوائی ملے اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾: تم جو اعمال کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہیں۔

دیکھیے! میں نے جو آیات پڑھی ہیں، ان میں خاص طور پر بنی اسرائیل کو جو اعمال کرنے کے لیے کہے گئے تھے، اور جن سے بچنے کے لیے کہا گیا تھا، ان کا تذکرہ کر

کے یہ بتلایا گیا کہ ان کی تم نے پابندی نہیں کی، کچھ چیزوں کو تم مانتے ہو، کچھ چیزوں کو نہیں مانتے، عمل نہیں کرتے۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ

قرآن میں تو باری تعالی فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ [البقرة:۲۰۸]: اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، سب ایمان والوں کو، سوفی صد ایمان والوں کو کہا جارہا ہے کہ اسلام میں پورے سوفی صد داخل ہوجاؤ، یہ نہیں کہ کچھ چیزوں کو مانا اور کچھ کو چھوڑ دیا، نماز پڑھی اور زکوۃ کو چھوڑ دیا، یا زکوۃ ادا کرتے ہیں اور گناہوں سے نہیں بچتے، صلہ رحمی نہیں کرتے، نیکی کے جو کام کرنے کو کہا گیا ہے، ان کاموں کو نہیں کرتے۔ ایسا نہیں بلکہ پورے پورا عمل کرنا ہے، کوئی چیز چھوٹنی نہیں چاہیے، گناہوں سے بچنے کا بھی اہتمام کرو اور نیک اعمال کرنے کا بھی اہتمام کرو، تب اللہ تعالی کا وعدہ ہے۔

بنواسرائیل کی نافرمانی اور ان پر عذابِ الٰہی کا نزول

بنواسرائیل اپنے زمانے میں اللہ تعالی کو محبوب تھے، ان کو بہت اونچا مقام دیا گیا تھا، اپنے زمانے میں اللہ تعالی نے ان کو تمام دنیا والوں پر فضیلت دی تھی، اس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے، ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [الجاثیہ] جیسے امت محمدیہ کو اپنے زمانے میں فضیلت دی لیکن جب انھوں نے اللہ تعالی کی نافرمانی

کی تو باری تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا، ایسے دشمن بھیجے جنھوں نے ان کو گھروں سے نکالا، ان کی عورتوں کے ساتھ عصمت دری کا معاملہ کیا، ان کے بچوں کو قتل کیا، ان کے گھروں کو جلایا، توریت کے نسخے پھاڑ کر جلائے۔

اگلوں کے بعینہٖ حالات اس امت پر آنے کی نبوی پیشین گوئی

آج وہی سب کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے جو ان کے ساتھ ہوا ہے، قرآن کا مطالعہ کیجیے، سب چیزیں اندر موجود ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے: وَلَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ[1] کہ: تم اگلے لوگوں کے طریقے پر برابر چلو گے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، ایک دوسرے میں بالکل فرق نہیں ہوتا، بنو اسرائیل ہی کی طرح بعینہٖ ہمارے ساتھ حالات پیش آرہے ہیں، کیوں کہ ان کی طرح ہمارا بھی حال ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

خالی ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہے، اعمال ضروری ہیں۔ ایمان کے نتیجے میں آخرت میں ایک نہ ایک دن نجات دی جائے گی لیکن دنیا میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان سارے اعمال کا اہتمام کیا جائے، باقی ہم یوں سمجھیں کہ ہم ایمان لے آئے، اپنے آپ کو مؤمن قرار دے دیا، اسلام کا کلمہ پڑھ لیا، اب چاہے نمازوں کا اہتمام نہ ہو، زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام نہ ہو، گناہوں سے بچنے کا ہتمام نہ ہو تو بھی اللہ

---

(۱) تهذيب الآثار للطبري، عَنْ حُذَيْفَةَ رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۱۰۰۷.

تعالی کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی، یہ سمجھنا غلط ہے، یہ نہیں ہوسکتا، ان اعمال کے چھوڑنے پر اللہ تعالی کا عذاب آئے گا۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر چھوڑنے کا وبال

حضرت جبرئیلؑ کو اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ فلانی بستی کو الٹ دو، حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: باری تعالی! اس میں تو تیرا فلانا بندہ بھی ہے جس نے کبھی تیری نافرمانی نہیں کی تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں ہے لیکن میری نافرمانی کو دیکھ کر کبھی اس کی پیشانی کے اوپر بل نہیں پڑا۔

بھائی! دیکھو! یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت ضروری چیز ہے، لوگوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اس کی تاکید کرتے رہنا چاہیے، جہاں طاقت نہ ہو، وہاں جھگڑا کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

موجودہ افرادِ امت کی امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے سلسلے میں الٹی چال

ہمارا معاملہ الٹا ہے کہ جہاں طاقت ہوتی ہے، وہاں نہیں بولتے اور دوسری جگہ کسی کو ذلیل کرنے کے لیے، کسی کو لوگوں کے سامنے نیچا دکھانے کے لیے "أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[1]" کے نام سے آگے بڑھتے ہیں اور بولتے

---

[1] سنن أبی داود، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَاب الْمَلَاحِمِ، بَابُ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، رقم الحديث: ۴۳۴۴.

ہیں، اپنے بیٹے کو کہنے کے لیے تیار نہیں، اپنی بیوی کو کہنے کے لیے تیار نہیں، یہ درست نہیں ہے، غلط طریقہ ہے، حق بات حق نیت کے ساتھ حق طریقے سے کہنی چاہیے، سیدھی سی بات ہے۔

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

بہر حال! یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے جو حالات ہیں، وہ ہمارے اعمال ہی کی نحوست ہے۔ مغلیہ سلطنت کا آخری زمانہ تھا۔ نادر شاہ درانی نے دہلی کے اوپر اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کیا تھا، بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور بڑے مظالم ڈھائے، اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے مقبول و محبوب بندے تھے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ، لوگوں نے ان کے پاس جا کر شکایت کی کہ حضرت! یہ کیا ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا: شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت کہ ہماری بداعمالیوں نے نادر شاہ کی شکل اختیار کر لی ہے، اس کے مظالم ہماری بدعملی ہی کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معصیت کے ساتھ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی

آج یہ وی ایچ پی ہو یا بجرنگ دل ہو یا فلانا ہو، یہ سب ہماری بداعمالی کی مختلف شکلیں ہیں، تدبیریں ضرور ہونی چاہئیں لیکن تدبیروں کے اندر اثر اس وقت آئے گا، جب دین کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کا اہتمام کریں گے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے، ورنہ ان برائیوں کے رہتے ہوئے ساری دنیا کے ہتھیار جمع کرلو، دنیا بھر کی تدبیریں کرلو، سب کچھ کرلو،

کام آنے والا نہیں ہے، یاد رکھئے! جہاں معصیت ہوگی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی، کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی، معصیت ہی تو ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔

برادرانِ وطن کو اپنا دشمن مت سمجھئے

اور ایک بات یاد رہے، بھائی! دیکھو! یہ قوم جس کے ساتھ ہم اس ملک میں بستے ہیں، ہم نے اس کو اپنا دشمن سمجھ رکھا ہے، اس کے ساتھ حریفانہ معاملہ کرتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ بھی تو ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ ٹھیک ہے، یہ ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہے، دشمن جیسا معاملہ کرتی ہے لیکن ہم تو آخر حضورِ پاک صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کے امتی ہیں، آپ کے ساتھ ہماری نسبت ہے، کیا آپ نے بھی اپنے دشمنوں کو کبھی اپنا دشمن سمجھا؟ نہیں، آپ نے تو ان دشمنوں کے لیے بھی ہدایت کی دعا کی، اگر حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنے دشمنوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے جو آج ہم کررہے ہیں تو کیا دنیا میں ہدایت پھیلتی ؟، اس لیے اس قوم کو دشمن سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

موجودہ حالات کا تقاضا اور ہماری کوتاہیاں

اس قوم میں بھی سمجھ دار لوگ ہیں، ہمیں اپنے اخلاق کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، ان کو ہدایت کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام سے، اسلام سے، اسلام کے حقائق سے، اسلامی نظریات سے ان کو واقف کرنے کی ضرورت ہے، اس معاملے میں ہم بہت پیچھے ہیں، کوئی سامنے سے آکر پوچھے گا تو بھی ہم بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں، کاروباری لائن کے ہیں، اس میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی تعلقات ہوتے ہیں، وہ غیر مسلم کبھی ان سے اسلام کے متعلق کوئی بات پوچھ لیتا ہے، اس کو معلوم نہیں ہوتی تو وہ کہتا ہے کہ اچھا کل بتلانا، اب اس اللہ کے بندے کو کسی سے اس بات کے متعلق پوچھنے کی توفیق ہوئی نہیں، اس لیے دوسرے دن اس غیر مسلم سے اپنا منہ چھپا کر پھرتا ہے، آگے چل کر بتانے کا تو سوال ہی نہیں۔

آج ہمیں اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کو پڑھنے کی تو فرصت ہے، ان اخباروں میں اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اسلام کے عیوب نکالتے ہیں، فرضی عیوب کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ ہم پڑھتے ہیں اور اسی کو ہم اپنی زبان سے دہراتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کو پڑھنے کی، سمجھنے کی، سیکھنے کی ہمیں فرصت نہیں، ہمیں ضرورت تو اس کی تھی کہ اس کی طرف توجہ کرتے لیکن ہم نے غفلت کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، ساری دنیا کی معلومات ہے لیکن دین کی معلومات نہیں ہیں۔

اسلامی معلومات سے خود مسلمان بیزار ہیں

انٹرنیٹ کھول کر کے بیٹھیں گے تو سب دیکھیں گے اور اخبارات سب پڑھ لیں گے لیکن اسلامی معلومات کے بارے میں ہمارا یہ حال ہے کہ مفت میں ملی ہوئی کتابیں ہوتی ہیں، ان کو پڑھنے کی فرصت نہیں ہے، جب یہ ساری چیزیں ہوں گی، اس کے بعد ہم ان حالات کا رونا روئیں گے تو یہ تو صحیح بات نہیں ہے، حالات کی درستگی کے لیے ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اس کی درستگی کی طرف توجہ دینی پڑے گی اور ان

حالات میں ہمیں کس طرح رہنا چاہیے، وہ ہمیں سیکھنا پڑے گا۔

تدبیریں کب کارگر ہو سکتی ہیں؟

تدبیریں بھی اپنی جگہ ہوتی ہیں لیکن ان تدبیروں میں تاثیر اسی وقت آئے گی، جب کہ ہم ان چیزوں کا اہتمام کریں گے، ورنہ بغیر دین کے ساتھ تعلق پیدا کیے، اللہ تعالی کی نافرمانی چھوڑے بغیر اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کیے بغیر خالی تدبیروں سے کچھ ہونے والا نہیں ہے، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی، تدبیریں بھی اس صورت میں بے کار جائیں گی۔

اصلاح کے سلسلے میں مسلمانوں کی ایک کوتاہی

پھر مصیبت یہ ہے کہ اصلاح کے لیے جب اٹھتے ہیں تو ہمارا طریقہ یہ ہے اور ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کی ابتدا ہماری ذات سے نہیں بلکہ سامنے والے سے ہو، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيۡكُمۡ أَنفُسَكُمۡۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهۡتَدَيۡتُمۡۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيعٗا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ۝١٠٥﴾ [المائدة]: اے ایمان والو! تم اپنے حال کی طرف توجہ کرو۔ یعنی ہم جب اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو ایک مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ہر جماعت، ہر فرد دوسروں کو دعوت دیتے ہیں، اپنی ذاتوں کو بھول جاتے ہیں، ﴿أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ﴾ [البقرة:۴۴]۔ اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی طرف توجہ کریں۔

دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑنے کے بہ جائے
اپنے عیوب کی خبر لیجیے

ان حالات میں بھی ہمارا رویہ یہ ہے کہ آپس میں چرچا کرتے ہیں کہ دیکھو! فلانا شراب پیتا ہے، فلانا یہ دھندا کرتا ہے، پھر یہ مصیبت نہیں آئے گی تو اور کیا ہوگا۔ اپنی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے آکر شکایت کی کہ حضرت! قحط پڑا ہے، دعا کیجیے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مصیبت میری بداعمالیوں کی وجہ سے آئی ہے، مجھے شہر سے نکال دو اور اتنا ہی نہیں بلکہ شہر سے نکل کر چلے گئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک اللہ والے کو میں نے خود سنا، وہ فرماتے تھے کہ واللہ! جب ٹرین کے اندر بیٹھتا ہوں تو دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرے گناہوں کی وجہ سے تیرے بندوں کو ہلاک مت کرنا۔ یہ ہونا چاہیے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ پر فرمایا ہے: ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش دیگر آں کہ بر غیر بد بیں مباش

کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو روشن ضمیر تھے، انھوں نے ایک مرتبہ ندی کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں فرمائیں: ایک تو یہ کہ اپنے متعلق بڑائی، عجب اور خود بینی

میں مبتلا مت ہونا اور دوسرا یہ کہ دوسروں کی برائی کی طرف نظر مت کرنا۔

اپنی آنکھوں کا شہ تیر ہمیں نظر نہیں آتا

آج ہم اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے، دوسروں کے عیوب کو دیکھتے ہیں، اپنے عیوب کو نہ دیکھنا یہ مستقل گناہ ہے اور بلا ضرورت دوسروں کے عیوب کو دیکھنا یہ بھی گناہ ہے، ڈبل گناہ میں مبتلا ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اے عزیز! تیرا حال تو یہ ہے کہ تیرے جسم پر سانپ اور اژدہے لپٹ رہے ہوں اور سامنے والے کے جسم پر مکھی بیٹھی ہے، تو اس پر تو ملامت کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ تیرے جسم پر سانپ اور اژدہے لپٹے ہوئے ہیں جو ابھی تجھے ہلاک اور برباد کر دیں گے [۱] اور دوسروں کی آنکھوں کا تنکا نظر آتا ہے اور اپنی آنکھوں کا شہ تیر ہمیں نظر نہیں آتا۔

جہالت پر اور بے عملی پر فخر کرنے والے

کوئی کس حالت میں ہے اور کوئی کس حالت میں ہے، کوئی عالم ہے، کوئی تبلیغ میں جاتا ہے، ایک کہتا ہے کہ تبلیغیوں سے تو ہم اچھے اور دوسرا کہتا ہے کہ ان مولویوں سے تو ہم اچھے، اچھا ہوا کہ ہم نے علم حاصل نہیں کیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فخر کس چیز پر کرنا چاہیے، یہ بھی معلوم نہیں،

---

(۱) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۳۹/۱، بيان القدر المحمود من العلوم المحمودة.

اپنی جہالت پر فخر کرتے ہیں، اپنی بدعملی پر فخر کرتے ہیں، یہ کوئی فخر کی چیز ہے؟ آدمی کو سوچنا چاہیے، یہ اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والی توفیق کی بات ہے، اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کو اچھے انداز میں سمجھانا چاہیے لیکن اس کے کسی اچھے عمل کو بھی برا قرار دینا، یہ تو کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔

بیمار آدمی کی نظر دوسرے بیمار کی بیماری کی طرف نہیں جاتی

بھائی! جو آدمی خود بیمار ہوتا ہے، اس کی نظر دوسرے کی بیماری کی طرف نہیں جاتی، اس کی نظر پہلے اپنی بیماری کی طرف جاتی ہے۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ آدمی کو چھوٹی بیماری ہوتی ہے تو بھی اس کو دوسروں کی بڑی بیماری نظر نہیں آتی۔ کہا کہ ہماری ایک عزیزہ خاتون تھیں، اس کے پیٹ میں درد تھا، ان کو ہسپتال لے گئے اور وہ اپنے پیٹ کے درد کی وجہ سے بہت چلا رہی تھیں، اتنے میں ہم نے دیکھا کہ ایک عورت کو رکشے میں سے وہیل چیر میں بٹھا کر نیچے اتار رہے تھے، کسی مکان میں آگ لگی تھی اور وہاں سے گری بھی تھی تو بدن بھی جلا ہوا تھا اور ہڈیاں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں، پلاستر بھی لگا ہوا تھا، ہم نے اپنی اس عزیزہ کو تسلی کے لیے کہا کہ بہن! اس خاتون کو دیکھئے کہ کتنی تکلیف میں مبتلا ہے تو وہ عزیزہ کہنے لگیں کہ بھائی صاحب! اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہے نا۔ آدمی خود بیمار ہو تو دوسروں کی بیماری کی طرف اس کا دھیان نہیں جاتا اور ہمارا معاملہ الٹا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے عیوب کو دیکھیں، ہر ایک اپنے سے ابتدا کرے۔ اصلاح کی ابتدا اپنی ذات سے ہونی چاہیے۔

حضرت عمرؓ کا اپنے بارے میں نفاق کا خوف

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کا حال دیکھئے! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تنہائی میں پوچھنے لگے کہ حذیفہ! میں تم کو قسم دے کر کے پوچھتا ہوں، بتلاؤ، آپ کو حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتلائی تھی، کہیں اس میں عمر بن خطاب تو نہیں ہے [1]؟، یہ حضرات اتنا ڈرتے تھے، جن کو دربارِ رسالت سے جنت کی بشارت سنا دی گئی تھی۔

ہمارا معاملہ تو ''إِذَا صَلَّى الحَائِكُ اِنْتَظَرَ الْوَحْيَ'' جیسا ہے کہ جولاہا جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو وحی کا انتظار کرتا ہے اور یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ زبانِ رسالت سے بشارتیں سننے کے بعد بھی ان کا معاملہ اپنی ذات کے بارے میں یہ ہے کہ اپنے متعلق یہ ڈر رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حنظلہؓ کا اپنے بارے میں نفاق کا خوف

حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالی عنہ کاتب الوحی تھے، وحی لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ جا رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے: نَافَقَ حَنْظَلَةُ، نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ایسا کیوں

---

(۱) وَرَوَيْنَا عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّه قَالَ لِحُذَيْفَةَ: أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ بِاللّٰهِ أَنَا مِنْهُمْ؟ قَالَ لَا. (البداية والنهاية [الناشر: دار إحياء التراث العربي]:) ۵/۲۵.

آپ کہہ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: جب ہم نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں موجود ہوتے ہیں اور جنت اور جہنم کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو اور اولاد کی طرف سے، جائداد کی طرف سے، مال ومتاع کی طرف سے، کاروبار کی طرف سے ہمارے دل متنفر ہوجاتے ہیں، اس وقت ہماری کیفیت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جب ہم مجلسِ نبوی سے رخصت ہو کے اپنے گھر آتے ہیں، اپنے کام کاج میں، کھیتی باڑی میں، بال بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو معاملہ الٹ جاتا ہے، وہ کیفیت جو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہوا کرتی تھی، وہ باقی نہیں رہتی، ظاہر ہمارا نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور اپنے گھروں میں جا کر ہم کچھ اور ہوجاتے ہیں، یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ تعالی عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! یہ تو ہماری بھی کیفیت ہے، میرا بھی یہی معاملہ ہے، آپ جو کہہ رہے ہیں: ''نَافَقَ حَنْظَلَةُ'' اب تو مجھے بھی اپنے ایمان کا فکر لاحق ہوگیا، چلو حضورِ پاک صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔

دونوں حضرات حضورِ پاک صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اپنا حال بیان کیا تو آپ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ کہ بھائی! معاملہ ویسا ہی رہے جو یہاں رہتا ہے یعنی حضور صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں تمہاری جو کیفیت ہوتی ہے، وہی کیفیت یہاں

سے جانے کے بعد بھی باقی رہے تو فرشتے تم سے راستوں کے اندر ملاقات اور مصافحہ کریں گے، ہر وقت آدمی کی حالت یکساں نہیں رہا کرتی، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی یہ حال رہتا ہے، کبھی وہ حال رہتا ہے [۱]۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی اپنے گھر والوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا۔

اللہ والوں کے احوال کا تجزیہ حضرت شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند	۞	کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی	۞	چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست	۞	دمے پیدا ودیگر دم نہان ست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم	۞	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت! کیا بات ہے؟ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے کرتے کی خوشبو، جب اس کو مصر سے لے کر چلے تو آپ نے محسوس کرلی اور جب وہ آپ ہی کے شہر کنعان کے کنویں میں ڈالے گئے تھے تو آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا تو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے یہی تو فرمایا تھا:

---

(۱) مسلم شریف، عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيِّدِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ دَوَامِ الذِّكْرِ وَالْفِكْرِ فِي أُمُورِ الآخِرَةِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَجَوَازِ تَرْكِ ذٰلِكَ فِي بَعْضِ الأَوْقَاتِ وَالِاشْتِغَالِ بِالدُّنْيَا۔

بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست		دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

کہ ہمارے احوال کا حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے، بجلی کا کیا حال ہوتا ہے؟ جب چمکتی ہے تو ساری دنیا روشن اور جب نہیں کوندتی تو ساری دنیا میں اندھیرا ہو جاتا ہے تو فرمایا کہ کبھی تو پیدا ہوکر چمکتی ہے تو پوری دنیا روشن ہوجاتی ہے تو کبھی اس کا کوندا معلوم نہیں ہوتا اور پھر یہی بات فرمائی:

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم		گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم **ملأِ اعلیٰ** تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی: ''بر پشتِ پائے خود نہ بینم'' کہ اپنے پاؤں کی پشت پر جو ہوتا ہے، وہ بھی نظر نہیں آتا۔

آدمی کے حالات ایسے ہی ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ یہ حالات ہوتے ہیں، اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے، اصلاح اسی طرح ہوگی، پہلے اپنی ذات پر نظر کرے پھر اپنے ماتحتوں، اپنے گھر، اپنے خاندان کے متعلق فکر کرے، یہ ساری چیزیں عملی طور پر جاری کرنے کی کوشش کرے اور یہ سلسلہ آگے بڑھائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات کو درست کریں اور اس کے نتیجے میں یہ سارے مصائب، یہ سارے آلام جن کی ہم شکایتیں

کرتے رہتے ہیں، ان سے نجات مل سکتی ہے، ورنہ اس تبدیلی کے بغیر اگر ہم شکایتیں کرتے بھی رہیں تو کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالی مجھے بھی توفیق دے اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حصولِ نجات کا مختصر نبوی نسخہ

یہ بیان حضرت دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کے پانچ مختلف مواقع
پر کیے ہوئے مواعظ کا خلاصہ ہے۔

اقتباس

بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ عشق و محبت کا ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد کھانا اچھا نہیں لگنا چاہیے، جیسے کسی کا محبوب اس سے روٹھ جاوے تو محب اور عاشق کو چین نہیں پڑتا، جب تک کہ محبوب راضی نہ ہو جائے، وہاں تک اس کے دل پر ہوائیاں اڑتی رہتی ہیں، نہ کھانا، پینا اچھا لگتا ہے، نہ نیند آتی ہے، اچھے سے اچھا بستر ہو تو بھی نیند غائب ہو جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا.

أما بعد: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ تعالی عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: امْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ [1].

دنیوی و اُخروی نجات حاصل کرنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال

یہ ترمذی شریف کی ایک چھوٹی سی حدیث ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے دریافت کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا النَّجَاةُ؟: اے اللہ کے رسول! کون سا وہ طریقہ ہے جس کو اختیار کرنے سے دنیا میں بھی نجات حاصل ہوجائے اور آخرت میں بھی؟ تو اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تین چیزیں بتلائیں، بہت مختصر عمل ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحديث: ۲۴۰۶.

اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ: پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ اپنی زبان پر قابو رکھو۔

جسمِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار بیش قیمتی نعمتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو جسم عطا فرمایا ہے، اس جسم کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے اعضاء فٹ کیے ہیں: آنکھیں ہیں، کان ہیں، ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، دل ہے، دماغ ہے، ان ہی اعضاء میں ایک عضو زبان ہے، ہر عضو اپنی جگہ پر بڑا قیمتی ہے، جسم کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا عضو بھی اگر اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنا قیمتی ہے۔

جیسے گردہ ہے جس کو کڈنی کہتے ہیں، ایک چھوٹا سا عضو ہے لیکن جب وہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تو آپ دیکھتے رہتے ہیں کہ آدمی کی کیا سے کیا حالت ہو جاتی ہے، جان پر آ بنتی ہے۔

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔

ایک آدمی کسی اللہ والے کے سامنے اپنے فقر و فاقہ اور غربت کا شکوہ اور شکایت کر رہا تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ اچھا! بتاؤ، یہ جو تمھاری آنکھیں ہیں، اگر دو لاکھ روپے دیے جائیں تو تم دینے کے لیے تیار ہو؟ زبان، کان، ناک، ہاتھ، سب اعضاء اور اس کی تخمینی قیمت بتلا کر کے فرمایا کہ تمھارے اقرار کے مطابق تمھارے پاس لاکھوں کروڑوں کی نعمتیں موجود ہیں پھر تو یہ کہتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے!۔

زبان: اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب وغریب نعمت

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جسم ہی کے اندر اللہ تبارک وتعالی کی بہت بڑی بڑی نعمتیں ہیں، ان ہی نعمتوں میں سے ایک نعمت ''زبان'' ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں عطا فرمائی ہے، قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس احسان کو ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝﴾ [البلد] کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ: کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟۔

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم اور عجیب نعمت ہے، اس کو استعمال کرنے کے لیے محض ارادہ کرلینا کافی ہے، اُدھر آدمی نے ارادہ کیا اور اِدھر زبان سے بول نکلنا شروع ہوگیا، اس کو حرکت دینے کے لیے کچھ اور نہیں کرنا پڑتا۔ ہاتھ اور پاؤں سے کام لینے کے لیے تو ان کو اِدھر اُدھر ہلانا پڑے گا، کچھ حرکت کرنی پڑے گی لیکن یہ زبان تو بس یوں ہی چل پڑتی ہے، کچھ کرنا نہیں پڑتا۔

اور اس کا عمل بھی عجیب وغریب ہے اور اس کی افادیت اتنی زیادہ ہے کہ آدمی جب سے بولنا سیکھتا ہے، اس وقت سے لے کر موت تک چلتی ہی رہتی ہے، حالاں کہ بڑھاپے میں دوسرے اعضاء تو جواب دے جاتے ہیں: آنکھوں کی بینائی میں کمزوری آجاتی ہے، کان کی سننے کی صلاحیت میں کچھ کمی آجاتی ہے، پاؤں بھی چلنا چھوڑ دیتے ہیں، ہاتھ بھی کمزور ہوجاتے ہیں، عقل میں بھی کمزوری آجاتی ہے۔

لیکن اس زبان میں کوئی کمزوری نہیں آتی بلکہ اس کی قوت بڑھاپے میں اور بھی بڑھ جاتی ہے، بڑے میاں بیٹھے بیٹھے کچھ نہ کریں لیکن ان کی زبان تو قینچی کی طرح

چلتی رہتی ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے دل ودماغ اور زبان کے درمیان ایسا کنیکشن (connection) اور رابطہ رکھا ہے کہ جہاں آدمی کوئی چیز سوچتا ہے، بولنا چاہتا ہے، زبان فوراً اس کے متعلق بولنا شروع کردیتی ہے، اس کے لیے کوئی دوسرا عمل نہیں کرنا پڑتا۔

یہ زبان ایک ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ ہمیں اس کو نہ تو سروس (service) کرانی پڑتی ہے، نہ اوور ہولنگ (overhauling) کرانی پڑتی ہے، نہ تیل ڈالنا پڑتا ہے، بس جب سے ہم بولنا سیکھتے ہیں، وہاں سے لے کر موت تک برابر چلتی ہی رہتی ہے۔

زبان نعمت بھی، زحمت بھی

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس کا صحیح استعمال سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبان کے اندر دونوں باتیں رکھی ہیں، اسی زبان کے ذریعہ جنت بھی حاصل کرسکتا ہے اور جہنم کا مستحق بھی بن سکتا ہے، اس لیے زبان ہمارے لیے نعمت اس وقت ثابت ہوگی، جب ہم اس کا صحیح استعمال کریں، جب ہم اس زبان کو اس طرح سے استعمال کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے، ایسی صورت میں یہ ہمارے لیے جنت کی ضمانت ہے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ کبھی آدمی کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالتا ہے، صرف ایک جملہ، ایک کلمہ نکالتا ہے اور بولتے وقت اس کو کوئی پروا بھی نہیں ہوتی، اس کو خیال بھی

نہیں کہ میں جو بول رہا ہوں، وہ بول کیسا ہے لیکن اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے اونچے مقامات پر پہنچا دیتے ہیں۔

اور کبھی ایک بول اپنی زبان سے ایسا نکالتا ہے کہ بولتے وقت تو اس کو احساس بھی نہیں کہ میں اپنی زبان سے کیا کلمہ نکال رہا ہوں اور وہ کلمہ اس کو جہنم کی گہرائی میں پہنچا دیتا ہے[۱]۔

یہ ایمان اور کفر ہی کو لے لیجیے، اگر چہ اس کا اصلی تعلق تو دل سے ہے لیکن اس کا اظہار زبان سے ہوتا ہے، زبان ہی سے آدمی کلمہ پڑھتا ہے اور وہ مؤمن کہلاتا ہے اور زبان ہی سے کفر کی بات کہتا ہے اور وہ ایمان سے نکل جاتا ہے، اس لیے زبان عجیب وغریب چیز ہے۔

جُثّہ چھوٹا، جُرم بڑا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں انسان کے مختلف اعضاء سے جو مختلف گناہ سرزد ہوتے ہیں: آنکھوں سے کون کون سے گناہ صادر ہوتے ہیں، کانوں سے کون کون سے گناہ صادر ہوتے ہیں، شرم گاہ سے کون کون سے گناہ صادر ہوتے ہیں۔ ہر ہر عضو کے گناہوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور ہر ایک کو الگ الگ عنوان سے بیان فرمایا ہے اور زبان سے صادر ہونے والے گناہوں کی تعداد باقی تمام اعضاء سے صادر

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحدیث: ۶۴۷۸.

ہونے والے گناہوں سے بہت زیادہ ہے، اس کو ایک مستقل کتاب کی شکل دے کر لکھا ہے، احیاء میں ان کی عادت ہے کہ خطبہ بھی مستقل لکھتے ہیں، اس میں انھوں نے ایک عجیب جملہ لکھا ہے: جِرْمُهُ صَغِيْرٌ وَجُرْمُهُ كَبِيْرٌ کہ: اس زبان کا حجم اور سائز تو بہت چھوٹا ہے لیکن اس کی شرارتیں بہت بڑی ہیں [۱]۔

صبح کے وقت سارے اعضا کی زبان سے عاجزانہ درخواست

اس کی شرارتوں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ خود حدیث پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو بدن کے سارے اعضاء زبان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں کہ تو سنبھل کے رہیو، ہمارا معاملہ تیرے ساتھ جڑا ہوا ہے، اگر تو سنبھل کے رہے گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو اِدھر اُدھر ہوئی، ٹیڑھی ہوئی تو ہماری خیر نہیں، ہمیں بھگتنا پڑے گا [۲]۔ زبان کسی کو گالی دیتی ہے اور مار کھانی پڑتی ہے جسم کے دوسرے اعضاء کو۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی اللہ تبارک وتعالی اور

---

① إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۰۸/۳، كتاب آفات اللسان، الفاظه: أما بعد فإن اللسان من نعم الله العظيمة ولطائف صنعه الغريبه فإنه صغير جرمه عظيم طاعته وجرمه.

② عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عنه، رَفَعَهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنْ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا. (سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحديث: ۲۴۰۷)

قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ یا تو بھلی بات اپنی زبان سے نکالے یا خاموشی اختیار کرے[۱]۔

دو عضو کی حفاظت کی ضمانت پر جنت کی ضمانت

اس زبان کی بڑی اہمیت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ.: جو آدمی مجھے اپنے دو اعضاء کی گارنٹی دے: ایک وہ جو دو جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان اور دوسرا وہ جو دو رانوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ، اگر ان دو اعضاء کو صحیح جگہ استعمال کرنے کی مجھے گارنٹی اور ضمانت دے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں[۲]۔ یہ کتنا قیمتی عضو ہوا!۔

زیادہ تر جہنم میں داخل کرنے والا عضو

ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی، اس میں زبان کے متعلق بھی تاکید فرمائی تو انھوں نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ زبان کی وجہ سے بھی ہماری گرفت ہوگی؟ تو رسول اللہ صلی

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابٌ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، رقم الحديث: ۶۰۱۸.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحديث: ۶۴۷۴.

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ کہ: لوگوں کو زیادہ تر زبان کی کارستانیاں ہی تو جہنم کے اندر اوندھے منہ ڈالیں گی[۱]۔

ایک سبحان اللہ کی قیمت

آدمی ایک کلمہ زبان سے نکالتا ہے: سبحان اللہ، سبحان اللہ، کتنی دیر لگتی ہے؟، ایک سیکنڈ لگتا ہے، آپ گن لیجیے اور ایک منٹ میں تو آپ پچاس ساٹھ مرتبہ یہ کلمہ آرام سے کہہ لیں گے، یہ ایک سبحان اللہ اتنا زیادہ قیمتی ہے کہ ساری دنیا اور کائنات اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔

حضرت سلیمانؑ کا ایک عظیم معجزہ اور ان کی بے مثال بادشاہت

حضرت سلیمان بن داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالی نے ایک معجزہ عطا فرمایا تھا کہ ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا، ہوا کو حکم دیتے تھے تو پورے دربار کے ساتھ ہوا آپ کو جہاں چاہتے تھے، لے جاتی تھی، یوں سمجھئے کہ گویا پورا پلیٹ فارم فضا میں اڑ رہا ہے، جہاں چاہتے تھے، جاتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی تھی، آپ کی بادشاہت بھی ایسی تھی کہ صرف انسانوں ہی پر نہیں بلکہ جنوں پر، چرند، پرند، تمام جانوروں پر چلتی تھی۔

---

[۱] سنن الترمذی، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ الْإِيمَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ، رقم الحديث: ۲٦١٦.

حضرت سلیمانؑ کی سواری کو دیکھ کر ایک مؤمن کا رشک کرنا

ایک مرتبہ آپ اسی طرح اپنے پورے دربار کے ساتھ فضا میں جا رہے تھے، ایک بندۂ مؤمن کی اس منظر پر نظر پڑی تو اس منظر کو دیکھ کر اس بندۂ مؤمن کی رال ٹپکی- ایسا منظر جب آدمی دیکھتا ہے نا تو دل میں رشک پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اللہ نے کیا خوب دیا ہے، کاش ہمیں بھی یہ چیز مل جاتی!- تو اس بندۂ مؤمن کو ان کا یہ منظر دیکھ کر دل میں رشک آیا۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اس کے اس تصور اور خیال سے واقف کیا۔

ایک سبحان اللہ کی قیمت آلِ داود کی سلطنت سے بڑھ کر ہے

حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا کہ نیچے اتارو۔ اتارنے کے بعد اس بندۂ مؤمن کو حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کہا کہ کسی بندۂ مؤمن کا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا آلِ داود (اس سے خود حضرت سلیمانؑ مراد ہیں کہ خود سلیمان) کی سلطنت سے بڑھ کر کے ہے[۱]۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی تھی کہ ان سے پہلے نہ کسی کو ایسی سلطنت دی گئی تھی اور نہ ان کے بعد کسی کو دی جائے گی، انسانوں ہی پر نہیں بلکہ

---

(۱) فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلَكَ، وَإِنَّمَا مَشَيْتُ إِلَيك لئلا تتمنى مالا تَقْدِرُ عَلَيْهِ، لَتَسْبِيحَةٌ وَاحِدَةٌ يَقْبَلُهَا اللهُ مِنْكَ لَخَيْرٌ مِمَّا أُوتِيَ آلُ دَاوُدَ.(تفسیر القرطبی[الناشر: دار الکتب المصریة -القاهرة]:۱۵/۲۰۵، تحت قوله تعالی:"وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ الآية[ص:۳٤]".

جناتوں پر، پرندوں، چرندوں اور درندوں پر، ہر چیز پر اللہ تبارک وتعالی نے ان کو سلطنت دی تھی، دنیا میں ایسا کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ لیکن وہ یوں فرماتے ہیں کہ کسی بندۂ مؤمن کا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا آلِ داود کی سلطنت سے بڑھ کر کے ہے تو معلوم ہوا کہ ایک سبحان اللہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کر سکتی۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

اور یہ بھی یاد رکھو کہ جب تک ہم زمین کے اوپر ہیں، جب تک ہماری زندگی ہے اور ہمارے جسم میں جان ہے تو یہ کلمات پڑھ سکتے ہیں اور جہاں موت آ گئی اور زمین کے نیچے پہنچ گئے تو ایک سبحان اللہ کہنے کے محتاج ہو جائیں گے، اس لیے کہ موت سے عمل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

موت پر انسان کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے

مسلم شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ[1]: آدمی کا جب انتقال ہو جاتا ہے تو اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، رجسٹر بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے، البتہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن سے انسان کو موت کے بعد بھی فائدہ پہنچتا ہے، ثواب جاری رہتا ہے لیکن اب کوئی

---

[1] صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ، رقم الحدیث: ۱۶۳۱۔

نیا عمل وجود میں نہیں آسکتا۔

ایک صاحب کشف اور صاحب قبر کے درمیان عالم مکاشفہ میں مکالمہ

کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے جو بڑی عبرت کا ہے کہ ایک بزرگ جارہے تھے اور ان کو کشفِ قبور ہوتا تھا- اللہ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ قبر میں مردوں پر کیا حالات گذر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اوپر کھول دیتے ہیں، منکشف کردیتے ہیں، اندر کیا ہو رہا ہے، ان کو پتہ چل جاتا ہے- (اس کو کشفِ قبور کہتے ہیں) ایک قبر کے پاس سے ان کا گذر ہوا، اور وہاں ٹھہرے اور ان کو محسوس ہوا کہ یہ صاحبِ قبر قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہے، اسی مکاشفے کی حالت میں اس کے ساتھ بات چیت ہوئی۔

انھوں نے قبر والے سے پوچھا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہو جاتا ہے، قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ آپ قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں! تو ان کے جواب میں صاحبِ قبر نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہوا اور مجھے دفن کیا گیا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آدمی کو دفن کر کے لوگ جب چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں: **مَنْ رَبُّكَ، مَا دِينُكَ، مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ** کہ: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان کے بارے

میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ تم کیا کہتے ہو؟ جب اس نے اس کے سارے جوابات دے دیے تو گویا وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا، اب اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اس میں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں۔

میں نے سب جوابات ٹھیک ٹھاک دے دیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو بتلایا گیا کہ تم کامیاب ہو لیکن چوں کہ یہ ایک برزخ کا دور ہے جو تمھیں یہیں گذارنا ہے جب تک کہ قیامت قائم نہ ہو، اب یہاں تمھارے اس قیام کے دوران اپنے لیے اگر کوئی مشغلہ، کوئی کام تجویز کرنا چاہو تو میری طرف سے اس کی اجازت ہے۔

تو میں نے سوچا کہ مجھے دنیا کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا، میں بہت پڑھتا تھا اور ہمیشہ اسی کو پسند کرتا تھا تو یہاں بھی اسی کا مشغلہ رکھوں، اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہاں پر بھی مجھے قرآنِ پاک پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ مجھے اس کی اجازت مل گئی۔

اپنی زندگی کی قدر کر لیجیے

اب وہ صاحبِ قبر بزرگ سے کہتے ہیں کہ جب سے میں دفن ہوا ہوں، اس وقت سے لے کر آج تک ''۷۰'' ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، پھر آگے ایک بات کہی جو اصل سننے کی ہے، اس صاحبِ قبر نے بزرگ سے کہا: لیکن آپ سے ایک درخواست ہے کہ اگر آپ اپنا ایک سبحان اللہ مجھے دے دیں تو میں یہ ''۷۰'' ہزار قرآن آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ وہ بزرگ حیرت میں پڑ گئے، انھوں نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ''۷۰'' ہزار قرآن پڑھے

ہیں نا، وہ سب ٹائم پاس ہے، اس کے اوپر مجھے کوئی ثواب نہیں ملتا، یہ ثواب تو اس وقت تک ہے جب تک ہم اس زمین کے اوپر چل رہے ہیں، وہاں تک جو اعمال کریں گے، اسی کا ثواب ملے گا، یہ جو قبر میں میں نے اتنے قرآن ختم کیے، اس پر میرے نامۂ اعمال میں ایک بھی نیکی بڑھی نہیں ہے، وہ تو وہیں ہے جہاں میری موت کے وقت تھا اور تمھارا جو سبحان اللہ ہے، اس پر تم کو نیکی ملتی ہے۔

اندازہ لگائیے کہ یہ ہماری زندگی کتنی قیمتی ہے!، یہ سبحان اللہ جو آج ہم کہہ رہے ہیں، ہمیں آج اس کی قدر و قیمت نہیں ہے، اس کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے، کل کو قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کا اجر و ثواب ملے گا، تب اندازہ ہوگا کہ اوہو! کتنا بڑا ثواب تھا، ہمیں تو اس کا اندازہ بھی نہیں تھا، جب تک یہ زندگی ہے، آدمی اعمال انجام دیتا ہے، ایک سبحان اللہ، ایک الحمدللہ، ایک لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ اتنا قیمتی ہے کہ ساری کائنات اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی۔

آپ تسبیح لے کر بیٹھ جایئے اور ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' کا ورد شروع کر دیجئے، ایک منٹ کے اندر آپ، پچاس، ستر، سو مرتبہ آرام سے یہ کلمہ کہہ لیں گے اور حدیث پاک میں آتا ہے: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ: بہترین ذکر ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' ہے[1]۔

---

[1] سنن الترمذی، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ تعالی عنہما، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ مُسْتَجَابَةٌ، رقم الحدیث: ۳۳۸۳.

اخروی اجر وثواب کی طرف سے ہماری طوطا چشمی

ایک ''الحمد للہ'' کا ثواب زمین اور آسمان کے درمیان کی فضا بھر کر کے ملتا ہے [۱]، فضائل ذکر کی تعلیم میں یہ سنتے رہتے ہیں کہ ان کلمات کا کتنا بڑا ثواب ہے لیکن ہمارا حال کیا ہے؟ سنتے ہیں اور ہمارے سروں پر سے گذر جاتا ہے، پڑھتے ہیں، سنتے ہیں لیکن اپنے دل میں اس کا جو احساس اور قدر و قیمت ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے۔

آج اگر مجھے اور آپ کو کہا جائے کہ اس وقت جو کوئی یہاں سے جتنے پتھر اٹھائے گا، کل وہ سونے کے بن جائیں گے تو کوئی ہے جو کھانے میں مشغول ہو؟ کہیں گے کہ کھانا تو بعد میں بھی کھالیں گے، ابھی تو یہ پتھر اٹھاؤ اور جمع کرو، کل یہ سونا بننے والا ہے، کھانے میں بھی ہم اپنا وقت نہیں لگائیں گے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی آجائے، کوئی ضروری سے ضروری کام آجائے، سب چھوڑ چھاڑ کے اسی پتھروں کو جمع کرنے میں لگ جائیں گے کہ یہ کل کو سونا بننے والا ہے۔

لیکن ہمیں ہر چیز کی سوجھتی ہے اور اللہ کے ذکر کی نہیں سوجھتی، ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس زبان کا صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔

چالیس سال تک صرف ستّو پھانکنے پر اکتفا کرنا

ہمارے حضراتِ اکابر کا حال جب ہم پڑھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے، وہ اپنے

---

(۱) وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ - أَوْ تَمْلَأُ - مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الحديث.

(صحیح مسلم، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ، رقم: ۲۲۳.)

اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنے کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ ایک ایک منٹ ان کا حساب سے گذرتا تھا، ایک منٹ کو بھی ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل ذکر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے، وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے کہ روٹی چبانی پڑتی ہے اور اس میں دیر لگتی ہے اور ستو پھانکنے میں اتنی دیر نہیں لگتی اور مقصود بھی اس سے حاصل ہو جاتا ہے کہ قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ روٹی نہیں کھاتے، ستو گھول کر پی لیتے ہیں، جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، اس کو چبانا پڑتا ہے، اس کے بجائے یہ پھانک لیتا ہوں، روٹی کھانے اور ستو پھانکنے میں جو وقت بچتا ہے، اس میں میں ''۷۰'' مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے، اس لیے میں اپنے وقت کو بچانے کے لیے بجائے روٹی کھانے خالی ستو گھول کر اس کو پی لیتا ہوں اور سننے کی بات تو آگے کی ہے کہ ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا[1]۔ جو آدمی اپنے کھانے کے اوقات میں سے کٹوتی کرتا ہو اور بچے ہوئے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگاتا ہو، وہ دوسرے اوقات ضائع کر سکتا ہے؟ کیا ہم اور آپ دو دن بھی ستو پر گذارہ کر سکتے ہیں؟ ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات اللہ کی یاد میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے کے لیے ''۴۰'' سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔

---

(۱) یہ حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے: إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۸۶/۳، كتاب كسر الشهوتين وهو الكتاب الثالث من ربع المهلكات

حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کا مجاہدہ

حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی چبا کر کھانے کے بجائے پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے، پانی میں روٹی بھگوئی اور حلق سے نیچے اتار دی۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ چبا کر کیوں نہیں کھاتے؟ تو فرمایا کہ میں نے حساب لگایا کہ روٹی چبا کر کھانے میں دیر لگتی ہے، بھگو کر کھانے کے مقابلے میں وقت زیادہ لگتا ہے تو جو وقت بچ جاتا ہے، اس میں مَیں قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی تلاوت کر لیتا ہوں[1]۔

یہ ہمارے اسلاف تھے جنھوں نے اپنی زندگی کے ان اوقات اور لمحات کی قدر کی اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعلیمات کو ایسی سنجیدگی اور قدر و قیمت کے ساتھ لیا کہ اپنی زندگیاں اس کے مطابق ڈھالیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کی قدر کریں۔

یہ حضرات ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس لیے کہ ان کی نگاہوں میں سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ کلمات کی قدر و قیمت تھی، جیسے ہماری نگاہوں میں سونے چاندی کی قیمت ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کو جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں، اس سے زیادہ ان کے یہاں ان اذکار کی قدر و قیمت تھی کہ اس پر کل کو جو ملنے والا ہے، وہ بہت ہی قیمتی ہے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس

---

(۱) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۴/۴۰۹، المقام الأول من المرابطة: المشارطة.

سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا اجر و ثواب

بہر حال! یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے لیے دی ہے، ذکر کے لیے دی ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت کے لیے دی ہے، ان سب کے فضائل اور اجر و ثواب سنتے ہی رہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے ایک حرف کی تلاوت پر ایک دو نہیں بلکہ پوری دس نیکیاں ملتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے[1]۔ جتنا پڑھو گے، اتنا ثواب ملے گا، چاہے سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے پڑھے۔

قرآنِ کریم کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا خواب

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا، انھوں نے پوچھا: باری تعالیٰ! آپ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟ کس چیز کے ذریعہ آپ کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہوسکتا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: قرآنِ پاک کی تلاوت کے ذریعہ، انھوں نے پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا گیا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے[2]۔ کسی بھی طرح آپ پڑھیں گے تو اللہ کے قرب کا ذریعہ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الأَجْرِ، رقم الحديث: ۲۹۱۰.

(۲) مناقب الإمام أحمد [الناشر: دار هجر]، ص: ۵۸۴، ۵۸۳، الباب الحادي والتسعون: في ذكر المنامات التي رآها أحمد بن حنبل.

ہوگا اور قلب ودل کو گناہوں سے پاک صاف کرنے اور صیقل کرنے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کو بہت بڑا اثر ہے۔

زبان ایک بڑا ہی قیمتی عضو ہے لیکن ضرورت ہے اس کو سمجھ داری کے ساتھ استعمال کرنے کی، تبھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ورنہ جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ ہمارے لیے مصیبت بھی بن سکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ یہ آدمی کو جہنم کی گہرائی میں بھی ڈال سکتی ہے اور جنت کے اعلیٰ درجات پر بھی فائز کر سکتی ہے، اسی لیے ہمارے اکابر اپنی زبان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

زبان اور حضرت صدیق اکبرؓ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل ہیں، حضراتِ انبیاءؑ کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی انسان نہیں، یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ وہ اپنی زبان کے متعلق کتنے محتاط تھے! مشکوۃ شریف میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے: إِنَّ هَذَا الَّذِي أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ [1] : یہ زبان ہی ہے جس نے مجھے ہلاکتوں کے اندر ڈالا ہے۔

ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ آپؓ اپنے منہ میں کنکر رکھتے تھے؛ تا کہ

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، السنن الکبری للنسائی، كِتَابُ الْمَوَاعِظِ، رقم الحدیث: ۱۱۸۴۱۔

بلاضرورت بولنے کی نوبت نہ آئے [۱]۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ومرتبہ

اتنے جلیل القدر صحابی جن کے متعلق قرآن وحدیث میں بے شمار بشارتیں ہیں، یہ وہ ہیں جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اعمال شمار کرائے کہ جو یہ عمل کرے گا، اس کو جنت کے فلاں دروازے سے داخل کیا جائے گا اور فلانا عمل کرے گا تو فلانے دروازے سے داخل کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی آدمی جنت کے کسی بھی دروازے سے جنت میں داخل ہوگیا تو اب اس کو جنت کے دوسرے کسی دروازے کی ضرورت نہیں ہے- مطلب ظاہر ہے کہ مقصد تو حاصل ہوگیا- لیکن کوئی ایسا بھی ہے کہ جس کو جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ تو فرمایا کہ ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان میں سے ہو [۲]۔

اتنے جلیل القدر صحابی اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے تو

---

(۱) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۱۱/۳، كتاب آفات اللسان وهو الكتاب الرابع من ربع المهلكات من كتاب إحياء علوم الدين.

(۲) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالى عنه، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابُ مَنْ جَمَعَ الصَّدَقَةَ، وَأَعْمَالَ الْبِرِّ، رقم الحديث: ۱۰۲۷.

ہمیں تو اس کا کتنا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، وہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا مقام ومرتبہ اور زبان کے متعلق ان کا پُرحکمت مقولہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، علم کا پتلا اور علم کا گھر تھے، جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ کہ: کوئی آدمی قرآنِ پاک کو اسی حال میں تروتازہ پڑھنا چاہے، جیسا کہ وہ نازل ہوا تو اس کو چاہیے کہ وہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت کو لازم پکڑے [1]۔ ان کے بڑے مناقب ہیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: والله الذي لا إله إلا هو ما شيء أحوج إلى طول سجن من لسان: قسم ہے اس اللہ کی جس کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی جائے گی! اگر لمبی قید اور جیل کی کوئی چیز حق دار ہے تو وہ زبان ہے کہ اس کو قید میں رکھا جائے [2]۔

زبان درندہ ہے

---

(۱) سنن ابن ماجه، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ بَشَّرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ إلخ، فَضْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحديث: ۱۳۸ .

(۲) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۳/۱۱۱، كتاب آفات اللسان وهو الكتاب الرابع من ربع المهلكات من كتاب إحياء علوم الدين.

حضرت طاوس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور بڑے مفسر ہیں، وہ فرماتے ہیں: لِسَانِي سَبُعٌ، إِنْ أَرْسَلْتُهُ أَكَلَنِي کہ میری یہ زبان درندہ ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑوں گا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا[①]۔ زبان کو درندے سے تعبیر فرمایا، یہ حضرات زبان کی حفاظت کی اہمیت کو کتنا سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ اور دنیوی باتوں سے حیرت انگیز احتراز

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں، بخاری کے راویوں میں سے ہیں، ان کا بار بار نام آتا ہے، انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کی[②]۔

عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کی ممانعت

حدیث پاک میں عشاء کے بعد بات چیت سے منع کیا گیا ہے، اِلّا یہ کہ آدمی کسی ضرورت کی وجہ سے دینی گفتگو کرے یا اپنے گھر والوں کی، بیوی کی دل جوئی کے لیے گفتگو کرے، ان دو قسم کی بات چیت کی تو اجازت ہے، اس کے علاوہ کوئی جائز گفتگو کی بھی اجازت نہیں ہے، گناہ والی گفتگو کا یہ مسئلہ نہیں ہے، وہ تو ہر وقت ناجائز ہے لیکن

---

① إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۱۱/۳، كتاب آفات اللسان وهو الكتاب الرابع من ربع المهلكات من كتاب إحياء علوم الدين.

② إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۱۱/۳، كتاب آفات اللسان وهو الكتاب الرابع من ربع المهلكات من كتاب إحياء علوم الدين.

عشاء کے بعد مذکورہ دو مقام کے علاوہ میں شریعت جائز گفتگو کی اجازت بھی نہیں دیتی، صحیح حدیثوں میں ''السمر بعد العشاء'' یعنی عشاء کے بعد بات چیت کرنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[①]۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک عام رواج تھا، لوگ چاندنی راتوں میں بیٹھتے تھے اور بیٹھ کر کے باتیں اور مجلس بازی کیا کرتے تھے، اسی کو عربی زبان میں سَمَر کہتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

دورِ جدید اور عشاء کے بعد کی مجلسوں کی تباہ کاریاں

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، ہمارے اس زمانے کی ہماری تہذیب وتمدن کا گویا ایک حصہ یہ چیز بن گئی ہے کہ عشاء کے بعد سونا نہیں ہے، لوگوں کی راتیں لغویات میں، گناہوں میں، فضول مجلسوں میں گذر رہی ہیں اور پھر جو سوتے ہیں تو فجر کی نماز تو کیا پڑھیں، گیارہ بجے تک پڑے سوتے رہتے ہیں۔

اس نئی تہذیب نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے دین کا کباڑہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جو بڑی عمر کے لوگ ہیں، ان کو معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ تھا کہ کہیں پر بھی ہو، شہر ہو، دیہات ہو، فجر سے پہلے اٹھنے کا عام

---

① عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ النَّوْمِ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثِ بَعْدَهَا».(سنن أبی داود، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، رقم:۴۸۴۹.)

معمول تھا؛ کیوں کہ اس زمانے میں بجلی نہیں تھی؛ اس لیے لوگ عشاء کی نماز پڑھ کے سو جاتے تھے اور فجر کے لیے جلدی اٹھ جاتے تھے۔

رات کو دیر سے سونے کی نحوست

اب اس دور کو دیکھیے کہ کیا حال ہو گیا ہے، اس بجلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عشاء کے بعد جس دین نے جائز گفتگو اور بات چیت سے بھی منع کیا، اس کے ماننے والے مجلس میں جمع ہیں اور دو دو، تین تین بجے تک بڑے تو بڑے، بچے بھی سونے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، ٹی وی دیکھی جارہی ہے، مجلس بازیاں ہو رہی ہیں اور اس کے نتیجے میں فجر کی نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں، اس کو کیا کہا جائے! عملی طور پر جو لوگ نماز کے پابند نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے چار ہی نماز فرض مانی ہیں، چنانچہ دوسری نمازوں میں مسجد بھری ہوئی ہوتی ہے اور فجر کی نماز میں مشکل سے صف ڈیڑھ صف ہوتی ہے، یہ نحوست اس طرح دیر رات تک جاگنے کی ہے۔

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ ان بزرگ کا معمول تھا کہ چالیس سال تک عشاء کے بعد کوئی بات چیت نہیں کی۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ کے مختصر احوال

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے شاگردوں میں زہد اور ورع میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ مجلس میں آتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کو

اپنے قریب بٹھلاتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے تھے اور ان کو جب ابنِ مسعودؓ دیکھتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے: لَوْرَآكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لأَحَبَّكَ: اللہ کے رسول اگر تمھیں دیکھتے تو تم سے محبت کرتے۔ ان سے کوئی پوچھتا: كَيْفَ أَصْبَحْتُم؟: آپ کی صبح کیسے ہوئی، کس حال میں ہوئی؟ تو فرمایا کرتے تھے: ضُعَفَاءَ مُذْنِبِيْنَ، نَأْكُلُ أَرْزَاقَنَا، وَنَنْتَظِرُ آجَالَنَا: ہم نے صبح کی کمزور ہونے کی حالت اور گناہ کرتے ہوئے، اب اپنی روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت کا انتظار کر رہے ہیں (۱)۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ کا بات چیت کے بارے میں عجیب معمول

ان کے متعلق لکھا ہے کہ بیس سال تک کبھی اپنی زبان سے دنیا کی کوئی بات نہیں نکالی، ان کا معمول تھا کہ جب صبح کو بیٹھتے تھے تو قلم، کاغذ اور دوات اپنے پاس رکھ لیتے تھے، جب کوئی بات زبان سے نکالی تو اس کو لکھ لیتے تھے، رات کو بیٹھ کر سب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرتے تھے کہ آج جو کچھ بولا گیا ہے، اس میں کوئی بے جا، بلاضرورت بات تو میری زبان سے نہیں نکلی؟!، الغرض کسی بے کار بات کو اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے، لایعنی بات کبھی اپنی زبان سے نہیں نکالی یعنی ایسی بات جس میں نہ دنیا کا فائدہ ہو، نہ دین کا فائدہ ہو، اتنا اپنے اوپر کنٹرول رکھتے تھے (۲)۔

---

(۱) سير أعلام النبلاء [الناشر: دار الحديث-القاهرة]: ۵/ ۱۴۷.

(۲) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۳/ ۱۱۱، كتاب آفات اللسان وهو الكتاب الرابع من ربع المهلكات من كتاب إحياء علوم الدين.

حضرت رباح قیسی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فضول جملہ زبان سے نکالنے پر ایک سال تک نہ سونے کی خود کو سزا دینا

اسی طرح ایک اور بزرگ ہیں رباح قیسی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ضیغم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عصر کی نماز کے بعد ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے والد بزرگ وار کے بارے میں پوچھا کہ گھر پے ہیں تو ہم نے بتایا کہ سوئے ہوئے ہیں، یہ سن کر ان کی زبان سے یہ نکل گیا کہ یہ کوئی سونے کا وقت ہے؟، یہ کہہ کر واپس لوٹے۔

اب چوں کہ بڑے آدمی تھے، اس لیے ہم نے سوچا کہ اتنے بڑے آدمی آئے اور ہم نے ان کو یہ جواب دے دیا!، اس لیے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ان کو اٹھا دیں۔

وہ آدمی بڑی دیر کے بعد گھر آیا اور گھر والوں کو بتلایا کہ انھوں نے تو میری بات سننے کی خود کو مہلت ہی نہیں دی، وہ تو اپنے نفس کو ملامت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تجھے کیا حق تھا کہ کسی کے متعلق کہتا کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں؟، تجھے کیا پتہ کہ کس کی ضرورت کیا ہے؟ کوئی بیمار ہو، تھکا ہوا ہو، پریشان ہو، اس کی وجہ سے سویا ہوا ہو، یہی کہتے جا رہے تھے اور کہتے کہتے قبرستان پہنچے اور وہاں پہونچ کر اپنے نفس سے کہا کہ اب ایک سال تک میں اپنی کمر زمین سے نہیں لگاؤں گا یعنی سوؤں گا نہیں، الّا یہ کہ بیمار ہو جاؤں [1]۔

---

(۱) إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۴/۴۰۶، المقام الأول من المرابطة: المشارطة.

یہ حضرات اپنی زبان سے نکلنے والے ایک ایک جملے کا خیال رکھتے تھے اور اس طرح کا فضول جملہ نکالنے پر اپنے آپ کو یہ سزا دیتے تھے۔ اور ہماری زبان سے تو پتہ نہیں، اس طرح کے سینکڑوں جملے روزانہ نکلتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتیں، ایسی سوچ، ایسے جملے بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔

ہماری ہر بات کو لکھنے کے لیے ایک فرشتہ مقرر ہے

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق]: آدمی جو بات اپنی زبان سے نکالتا ہے، اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ایک فرشتہ چوکس نگران ہے، جو بھی بات آدمی نکالتا ہے، اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کو لکھ لیتا ہے۔ ہم اور آپ تو بھول جاتے ہیں کہ معلوم نہیں، ہم اور آپ نے اپنی زبانوں سے کیا کیا نکالا ہے، کل کو جب نامۂ اعمال کھولا جائے گا، تب پتہ چلے گا۔

پہلے تولو پھر بولو

اس لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے تولو پھر بولو، اگر کوئی بات اپنی زبان سے نکالنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو کہ اس کا انجام کیا ہے، اس کا کیا فائدہ یا نقصان ہونے والا ہے، اگر وہ ہمارے حق میں مفید ہے، تب تو اس کو ہماری زبان سے اس کو ادا کرنا ہے، ورنہ

اپنی زبان کے اوپر کنٹرول کرنا ہے۔

گفتگو کے متعلق امام شافعیؒ کا اصول

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب آپ سے کوئی بات پوچھی جاتی تھی تو دیر تک خاموش رہتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ سوال کے جواب میں بہت دیر تک خاموش رہتے ہیں، جواب دینے میں تاخیر کرتے ہیں؟ تو جواب میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حَتَّى أَدْرِيَ أَنَّ الْفَضْلَ فِي السُّكُوتِ أَوْ فِي الْجَوَابِ: میں اس لیے خاموش رہتا ہوں کہ اس دوران سوچتا ہوں کہ خاموشی میں ثواب اور فضیلت ہے یا جواب دینے میں۔ سوچ سمجھ کر جواب دیتا ہوں[1]۔

حضرت حسان بن ابی سنانؒ کا ایک فضول بات زبان سے نکالنے پر اپنے نفس کو ایک سال روزے کی سزا

حضرت حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، ایک مرتبہ گذر رہے تھے، گذرتے ہوئے دیکھا کہ ایک نیا مکان بالاخانے والا بنا ہوا ہے، پوچھ لیا کہ بھائی! یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا پھر فوراً اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ تجھے کیا پڑی ہے کسی کے مکان کے متعلق جاننے کی، کسی کے مکان کے متعلق جاننے میں تیرا کیا فائدہ ہے؟ اگر تجھے یہ معلوم ہو جائے گا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ اب میں تجھے یہ

---

(۱) المجموع شرح المهذب [الناشر: دار الفكر]: ۱/۴۰، باب (آدَابُ الْفَتْوَى وَالْمُفْتِي وَالْمُسْتَفْتِي).

سزادوں گا کہ ایک سال کے روزے تجھے رکھنے ہوں گے[۱]۔ بلاضرورت ایک جملہ زبان سے نکالنے کی اتنی قباحت ہے۔

انسان کے اسلام کی خوبی

حدیث پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لاَ يَعْنِيهِ: انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بےضرورت چیزوں کو، باتوں کو چھوڑ دے[۲]۔ جس میں نہ دین کا فائدہ ہو، نہ دنیا کا فائدہ ہو، ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔

امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، ہمارے یہاں حدیث کی جو مشہور کتابیں ہیں، جن کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے، ان میں سے ایک سننِ ابوداود بھی ہے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ''پانچ لاکھ'' حدیثیں حاصل کیں اور ان میں سے انتخاب کر کے ''۴۸۰۰'' روایتیں میں نے اپنی اس کتاب کے اندر جمع کی ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے ارشادات کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں،

---

(۱) إحياء علوم الدين[الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۴/۴۰۶، المقام الأول من المرابطة: المشارطة.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۲۳۱۷.

ان چار میں ایک یہ ہے: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لاَ يَعْنِيهِ کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے ضرورت چیزوں کو، باتوں کو چھوڑ دے۔[۱]

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کو نقل فرما کر اپنی طرف سے تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی جو روایت ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، یہ شعبۂ عبادت کے لیے کافی ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ نیت کی درستگی پر موقوف ہیں اور الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ یہ معاملات کی درستگی کے لیے ہے اور لَا يكون الْمُؤمن مُؤمنا حَتَّى يرضى لِأَخِيهِ مَا يرضى لنفسِهِ یہ معاشرت کی درستگی کے لیے کافی ہے اور یہ حدیث مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو زندگی کے قیمتی اوقات عطا فرمائے ہیں، زندگی کے ان اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنے کے لیے کافی ہے، یہ حدیث ہمیں اوقاتِ زندگی کا صحیح استعمال سکھاتی ہے۔

موجودہ دور کے بیشتر مسلمانوں کا مشغلہ

آج کل ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ لوگ فرصت میں بیٹھے ہیں اور بیٹھ کر کے ٹائم پاس کر رہے ہیں، ہر ایک کی زبان پر بس یہی ایک جملہ ہے کہ وقت نہیں گذر رہا

---

[۱] دوسری حدیث: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، تیسری حدیث: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: چوتھی حدیث: الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]: ۱/۲۹۹، باب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ)

ہے، اخبار لاؤ، ٹی وی دیکھو، دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی گپ شپ کرو، گویا ہمیں اپنا وقت گذارنے کے لیے فکر ہے کہ کیسے گذاریں، ایک عام مزاج بن چکا ہے، ہر گاؤں میں جا کر دیکھو، چوراہوں اور بیٹھکوں پر بچے، جوان، بوڑھے سبھی طبقے کے لوگ بیٹھے گپ شپ کرتے اور اِدھر اُدھر کی ہانکتے ہی نظر آئیں گے۔

راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت اور اس کے نقصانات

حالاں کہ ان راستوں اور چوراہوں میں بیٹھنے سے بھی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ[۱]: راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔

یہ راستوں اور چوراہوں پر بیٹھنا تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے: کوئی جا رہا ہے، اس پر فقرے کس رہے ہیں، اس کا ٹھٹھا کر رہے ہیں، اس کی غیبت ہو رہی ہے، اس کے اوپر تنقید ہو رہی ہے، گالیاں دی جا رہی ہیں اور پتہ نہیں اور کون کون سے گناہ سرزد ہوتے ہیں تو یہ نہ صرف اپنے اوقات کو ضائع کرنا ہے بلکہ بہت سارے گناہوں میں مبتلا ہونے کا باعث بھی ہے، اس لیے اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے اور اپنے اوقات کو صحیح کاموں میں لگانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبان جیسی نعمت دی ہے، اس کا صحیح استعمال ہونا چاہیے،

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ مِنْ حَقِّ الْجُلُوسِ عَلَى الطَّرِيقِ رَدُّ السَّلَامِ، رقم الحدیث: ۲۱۶۱.

بیٹھے ہیں تو ہماری زبان سے لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه ، سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر جیسے ذکر اللہ کے کلمات جاری ہونے چاہئیں۔

تمھاری زبان ہر وقت ذکر اللہ سے تر وتازہ رہے

ایک صحابی ہیں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالی عنہ، انھوں نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ شَرَائِعَ الإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ: اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام بہت ہو گئے ہیں یعنی نفل کام بھی بہت سارے ہو گئے، آپ مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ: تمھاری زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے تر و تازہ رہنی چاہیے[1]۔

اس کو لازم پکڑ لو، فضول باتوں میں اپنی زبان کو ملوث مت کرو، کھیتی باڑی کا کام کرتے ہوئے بھی آپ تسبیح پڑھ سکتے ہیں، دکان داری کے ساتھ بھی زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھ سکتے ہیں، ہماری زبان پر بس ذکر اللہ جاری ہو جائے، کوئی دوسری چیز اس پر آنے نہ پائے، کسی غلط بول کا ہماری زبان سے نکلنا بہت خطرے کی بات ہے۔

زبان سارے جھگڑے فساد کی جڑ ہے

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات تو ارشاد فرمائی: امْلِكْ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذِّكْرِ، رقم الحدیث: ۳۳۷۵.

عَلَيْكَ لِسَانَكَ: اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ جو آدمی اپنی زبان پر کنٹرول کرنے کی عادت ڈالے گا اور اس کو سیکھ لے گا تو دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے بچ جائے گا۔

بہت سارے جھگڑے اسی کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہمارے معاشرے میں بہت ساری خرابیاں اور لڑائیاں اسی کی وجہ سے ہوتی ہیں، آپ نے اپنی زبان سے کسی کے لیے کوئی جملہ نکالا اور سامنے والے کو برا لگ گیا تو جھگڑا شروع ہو گیا، حدیث میں آتا ہے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا[1]: کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو کہ کل کو اٹھ کر تمھیں اس سے معذرت کرنی پڑے، معافی مانگنی پڑے۔

عورت کی زبان بند کرنے کا ایک بزرگ کی طرف سے عجیب علاج

گھروں میں بھی جھگڑے کس کی وجہ سے ہوتے ہیں؟ ایک عورت شوہر کے سامنے کچھ بولی تو شوہر نے اس کی پٹائی کر دی پھر بہت جھگڑے ہونے لگے تو وہ عورت کسی بزرگ کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ کوئی تعویذ دے دیجیے کہ شوہر قابو میں آجائے۔ ان کو معلوم ہوا کہ یہ بولتی بہت ہے تو انھوں نے ایک کنکر دیا اور کچھ پڑھنے کو دیا کہ یہ پڑھو اور منہ میں یہ کنکر رکھ لو، تمھارا شوہر تابع ہو جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ کنکر منہ میں ہے تو وہ بول ہی نہیں سکے گی، اس طرح انھوں نے جھگڑے کی جو جڑ تھی، اسی کو ختم کر دیا۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل [الناشر: مؤسسة الرسالة]، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ تعالی عنه، رقم الحديث: ۲۳۴۹۸.

دورِ حاضر کی مجلسوں کی زینت: غیبت

آج ہم اپنی مجلسوں میں جب بولنے پر آتے ہیں تو اچھے برے اور نیکی اور گناہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے، آج ہماری زندگیوں کا لطف اسی غیبت کی وجہ سے ہے، ہر آدمی: نیک و بد، اچھا برا، سب اسی میں مشغول ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ حد سے زیادہ خرابیوں کا شکار ہو چکا ہے۔ غیبت ہماری زندگیوں میں ایسی دخیل ہوگئی ہے اور ہمارے مزاجوں میں ایسی رچ بس گئی ہے اور ہمیں اس کی ایسی لت لگ گئی ہے کہ اس سے بچنا ہمارے لیے ناممکن حد تک مشکل ہوگیا ہے۔

غیبت کی قباحت قرآن کی روشنی میں

حالاں کہ یہ تو کبیرہ گناہ ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے غیبت کے لیے جو مثال دی ہے، وہ ایسی ہے کہ جب آدمی اس کو سنے تو اس کو غیبت سے نفرت ہو جانی چاہیے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ﴾ [الحجرات: ۱۲]: تم میں سے کوئی آدمی دوسرے آدمی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی آدمی اس کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟۔ ہمارے طبیعتیں اس کو ناپسند کرتی ہیں، اس سے گھن کرتی ہیں۔ ویسے ہی مردار کا گوشت ناپسندیدہ ہے، اس میں بھی انسان کا اور وہ بھی اپنے بھائی کا! کون ہے جو اس کو گوارا کرے گا؟ لیکن ہم غیبت کو اپنا مشغلہ بنا کر یہ سب کر رہے ہیں۔

غیبت ایک خطرناک گناہ

غیبت تو حقوق العباد کے قبیل سے ایک بڑا خطرناک گناہ ہے، اگر بعد میں ہمیں اس کے گناہ ہونے کا احساس ہوا بھی کہ میں نے غلط کام کیا تو جب تک کہ جس کی غیبت کی ہے، اس سے معافی نہ مانگ لو اور وہ معاف نہ کردے، وہاں تک یہ گناہ معاف ہونے والا نہیں ہے۔

کوئی آدمی شراب پیتا ہے اور کوئی آدمی زنا کا مرتکب ہوتا ہے، یہ بہت بڑے اور کبیرہ گناہ ہیں لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ اگر زندگی میں آگے چل کر کبھی اس کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو یہ احساس ہو کہ میں نے یہ بہت غلط کام کیے ہیں تو اس صورت میں توبہ کرنے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے ندامت کے دو آنسو بہالے اور یہ طے کرلے کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا تو گناہ معاف ہوجائے گا۔

لیکن غیبت میں ایسا نہیں ہے بلکہ جس کی غیبت کی گئی ہے، وہ جب تک اس کو معاف نہ کرے، وہاں تک یہ گناہ معاف ہونے والا نہیں ہے۔ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور ہم لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ بے احتیاطی کے شکار ہیں۔

چوری اور سینہ زوری

اگر ہم غیبت کرنے والو کو تنبیہ کرتے ہیں کہ بھائی! آپ اس کی پیٹھ پیچھے برائی کر رہے ہیں اور یہ غیبت ہے جو گناہِ کبیرہ ہے تو وہ کہتا ہے کہ نہیں! میں تو یہ بات اس

کے سامنے کہہ سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے، سامنے کہو لیکن اس کی عدمِ موجودگی میں کہو گے تو یہ غیبت ہوگی جو بڑا گناہ ہے۔

غیبت کے سلسلے میں مذکورہ جملہ کہنے والے کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ اپنے جواب سے یہ کہہ کر کے کہ یہ بات میں اس کے سامنے کہہ سکتا ہوں، یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ گویا اس وقت بھی میرے لیے یہ کہنا جائز ہے، تبھی تو یہ جواب دے رہا ہے، حالاں کہ غیبت کی حرمت قرآن اور حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ حضرت علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بعض لوگ اسی نظریے سے کہتے ہوں تو -نعوذ باللہ- اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، اس کو تجدید ایمان کی ضرورت ہے۔

جھوٹ کی بدبو

بہر حال! یہ زبان بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے، اس سے جھوٹ بھی نکلتا ہے، ہم اپنی گفتگو کے دوران بہت سی مرتبہ جھوٹ کا ارتکاب کر لیتے ہیں، حالاں کہ حدیث پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے جو بدبو نکلتی ہے، فرشتہ اس بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے[1]۔ جھوٹ کی بدبو کو فرشتے محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اہل

---

(۱) حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ بھی اس کا احساس کر لیتے ہیں۔

نسخۂ نجات کا دوسرا جزء: آدمی بلاضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے

دوسری بات جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، وہ ہے: **وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ**: تمھارا گھر تم کو سموئے رکھے۔ یعنی آدمی کو بلاضرورت اپنے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔

دورِ حاضر کے لوگوں کا ایک مرض

گھر آدمی کی اصل رہائش کی جگہ ہے لیکن آج کل لوگوں کا ایک عام مزاج بن گیا ہے کہ گھر میں زیادہ ٹکتے ہی نہیں، دو منٹ بھی گھر میں چین سے بیٹھنے کو تیار نہیں، زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گذرتا ہے۔ اب گھر میں کیا ہو رہا ہے، گھر والے، اولاد کی نگرانی اور پرورش اور ضروریات وغیرہ کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے؛ اس لیے وہ بھی آزاد ہیں اور گناہوں میں اپنی زندگی گذار رہے ہیں اور اس کو کوئی پرواہ نہیں، نہ اس کا حال ٹھیک ہے اور نہ گھر والوں کا۔

ہاں اگر ضرورت ہے، آپ کسی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں تو کاروباری ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلیں تو کوئی حرج کی بات نہیں، نماز کا وقت ہوا، نماز جماعت

(گذشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

① سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالكَذِبِ، رقم الحدیث: ۱۹۷۲.

کے ساتھ ادا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلیں، کوئی حرج کی بات نہیں، دنیا یا آخرت کے کام کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی شریعت اجازت دیتی ہے لیکن بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا اپنے آپ کو بلا وجہ مصیبت میں ڈالنا ہے۔

موجودہ دور اور بدنگاہی کی عام وبا

اور پھر آج کل کا ماحول ایسا ہو گیا ہے کہ گھر سے باہر نکلے تو راستوں میں گناہوں کو دعوت دینے والی چیزوں کی بھرمار نظر آتی ہے، کچھ نہیں تو آدمی کی نگاہ تو اِدھر اُدھر بھٹک ہی جاتی ہے، بدنگاہی ہو جاتی ہے، اگر یہ بدنگاہی بلا قصد ہو تو پہلی مرتبہ تو معاف ہے۔

نامحرم کی طرف پہلی نظر کب معاف ہے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

يَا عَلِيُّ، لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ ، فَإِنَّمَا لَكَ الْأُولَى ، وَلَيْسَتْ لَكَ الثَّانِيَةُ [1] :ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالیو، پہلی تو معاف ہے، دوسری معاف نہیں ہے۔ پہلی بھی تب معاف ہے، جب بلا ارادہ پڑی ہو۔

ہمارے اکابر کا عمل یہ ہوتا تھا کہ پہلی نگاہ بھی پڑنے نہ پائے، اپنے آپ کو اس سے بھی بچانے کا اہتمام کرتے تھے۔

---

(۱) شرح معاني الآثار (طحاوی شریف) عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، رَفَعَهُ مِثْلَهُ، بَابُ الرَّجُلِ يُرِيدُ تَزَوُّجَ الْمَرْأَةِ هَلْ يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا أَمْ لَا؟، رقم الحديث: ۴۲۸۸۔

گھر سے باہر نکلنا یہ بھی آدمی کو کسی نہ کسی بہانے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں مبتلا کر ہی دیتا ہے، اس لیے بلاضرورت ہم گھر سے باہر نہ نکلیں۔

گھر سے باہر کے ماحول کو ہمیشہ کرفیو زدہ سمجھئے

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! جب باہر کرفیو لگا ہوا ہو، فساد چل رہا ہو، اِدھر اُدھر سے گولیاں چل رہی ہوں، ایسی حالت میں اگر آدمی باہر نکلے گا تو کیا ہوگا؟ پتہ نہیں کدھر سے گولی آکر اس کا معاملہ ختم کر دے، اس لیے اس وقت آدمی بلاضرورتِ شدیدہ کے نکلتا ہی نہیں۔

تو اسی طرح گھر سے باہر گناہوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں مبتلا کرنے والی چیزوں کی بہتات ہے، چاروں طرف ہلاکت کے اسباب بکھرے پڑے ہیں، پتہ نہیں! آنکھ غلط جگہ پڑ گئی، کان میں کوئی غلط بات پڑ گئی، کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا اور غلط بات بول دی، مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر نکل کر آدمی کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، آدمی اگر اپنی حفاظت چاہتا ہے تو اس کے گھر میں ہے؛ اس لیے آدمی کو بلاضرورتِ شدیدہ گھر سے باہر ہی نہیں نکلنا چاہیے۔

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل تو گھر بھی ایک مصیبت بن گیا ہے کہ ٹی وی ہے، موبائل ہے، اس میں گناہوں کی بھرمار ہے، اس ٹی وی کو نکالا جائے اور موبائل کے غلط استعمال سے بچا جائے تو یہ گھر بھی محفوظ جگہ کہلائے گی، ورنہ گھر کا ماحول باہر سے بھی بدتر

ہو جائے گا۔ غالب کہتے ہیں: ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

گھر میں بھی اب تو چین نہیں رہا، گھر میں ہم نے گناہوں کے اسباب مہیا کر لیے ہیں۔

نسخۂ نجات کا تیسرا جزء: اپنے گناہوں پر رونا

تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: **وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ**: اپنے گناہوں پر روتے رہو۔

انسان سے گناہ دانستہ، نادانستہ، جان کر، بھول کر صادر ہوتے ہی رہتے ہیں، کون ایسا آدمی ہے جس سے گناہوں کا صدور نہ ہوتا ہو۔ جیسے ہم نہا دھو کر، دھلے ہوئے کپڑے پہن کر گھر سے باہر نکلتے ہیں پھر جب شام کو گھر آتے ہیں تو ہاتھ پر، پیر پر، کپڑوں پر گرد و غبار لگا ہوا ہے، چہرہ بھی غبار آلود ہو گیا ہے تو ہم ہاتھ منہ دھو لیتے ہیں، کپڑے جھاڑ لیتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو پتہ نہیں، چہرہ اور باقی جسم پر کتنا گرد و غبار جم جائے اور کپڑے کتنے گندے ہو جائیں تو جیسے ظاہری جسم کو ظاہری گرد و غبار اور میل کچیل سے پاک صاف کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اسی طرح آدمی سے دانستہ، نادانستہ، چھوٹے بڑے گناہ صادر ہو جاتے ہیں، اس سے اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کے لیے کچھ ندامت کے آنسو بہا لینے چاہئیں۔

بہترین گنہگار کون؟

اپنے گناہوں پر رونا بڑی اچھی اور مبارک خصلت وعادت ہے، ضرورت ہے کہ آدمی اپنے گناہوں پر آنسو بہانے کی عادت ڈال دے، ندامت کا اظہار کرے اور اس پر غمگین اور افسردہ ہو۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ**[1]: ہر انسان گنہگار ہے۔ ''خَطَّاءٌ'' یہ **فَعَّالٌ** کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی کثیر الخطا، کثرت سے گناہ کرنے والا تو فرمایا کہ ہر انسان گنہگار ہے لیکن گنہگاروں میں سب سے بہتر گنہگار ''**التَّوَّابُونَ**'' یعنی کثیر التوبہ ہیں، جو کثرت سے توبہ کرتے رہیں، اپنے گناہوں پر روتے رہیں، استغفار کرتے رہیں۔

گناہوں کے دھبے کو ختم کرنے والا واحد کیمیکل آنسو ہے

استغفار اور توبہ ہماری زبانوں پر جاری رہنے چاہئیں، اس کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے، اپنے گناہوں پر آنسو بہاتے رہنا چاہیے، ندامت کا ایک آنسو بڑے سے بڑے گناہ کی سیاہی کو دھونے کے لیے کافی ہے۔ گناہ کا دھبا تو ایسا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کیمیکل اس کو دور نہیں کر سکتا، اس کو دور کرنے والا ایک ہی کیمیکل ہے جو ہماری آنکھوں سے نکلتا ہے، وہ گناہوں کے دھبے کو دھو دیتا ہے۔

دلوں پر چھانے والی گناہوں کی سیاہی نیکی کی توفیق کو سلب کر لیتی ہے

---

[1] سنن ابن ماجه، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ ذِكْرِ التَّوْبَةِ، رقم الحديث: ۴۲۵۱.

حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل کے اوپر ایک کالا نکتہ پڑ جاتا ہے، اب اگر وہ توبہ کرتا ہے تو وہ کالا نکتہ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا اور دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا کالا نکتہ پڑ جاتا ہے پھر تیسرا آ جاتا ہے، یہاں تک کہ گناہ کرتے کرتے پورا دل کالا ہو جاتا ہے اور پھر نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴﴾ [المطففین]: ان کے دلوں کے اوپر ان کے گناہوں کے سبب زنگ چڑھ گیا[1]۔

لوہے پر جب زنگ چڑھ جاتا ہے تو وہ لوہے کو کھا جاتا ہے، ایسے ہی گناہوں کا زنگ آدمی کے دل کو کھا جاتا ہے، نیکی کی صلاحیت کو سلب کر لیتا ہے۔ اسی زنگ اور گناہوں کی سیاہی کو ختم کرنے والی چیز توبہ اور استغفار ہے۔

کثرتِ استغفار پر تین بڑے انعامات

حدیث میں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ**: جو آدمی استغفار کو لازم پکڑ لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر ہر تنگی سے چھٹکارے کی راہ بنائیں گے اور اس کو ہر غم سے نجات دیں گے اور ایسی

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ، رقم الحدیث: ۳۳۳۴.

جگہ سے اس کو رزق پہنچائیں گے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا[1]۔

اس دور میں تو دشمن نے زندگیوں کو تنگ بنا رکھا ہے، کون ہے جو ٹینشن میں نہ ہو؟ سب ٹینشن کے اندر ہیں، کوئی ٹینشن فری نہیں ہے لیکن آپ ٹینشن فری ہونا چاہتے ہیں تو استغفار کی کثرت کیجیے۔

تنگی میں آسانی کی راہ کا متقیوں کے لیے وعدۂ الٰہی اور مکثرینِ استغفار کے لیے وعدۂ نبوی

اور فرمایا: مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا: ہر تنگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرماتے ہیں، قرآن میں ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲] ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصیبت میں راستہ نکال دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے مصیبت میں راستہ نکالنے کا وعدہ کیا ہے تقوے پر کہ گناہوں کو چھوڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصیبت میں راستہ نکالیں گے۔

اب اس پر ان گنہگار بندوں کے دل میں سوال پیدا ہوگا جو اپنے گناہوں پر پشیمان ہوکر توبہ کرتے ہیں کہ یہ بشارت تو ان کے لیے ہے جو گناہ کرتے ہی نہیں، گناہوں سے بچتے ہیں لیکن ہمارے لیے کیا ہے؟ ہم تو گناہوں سے بچے نہیں۔

---

[1] سنن أبي داود، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابٌ فِي الِاسْتِغْفَارِ، رقم: ۱۵۱۸.

تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے گنہگاروں کے لیے بھی راستہ نکال دیا ہے کہ تم استغفار کو لازم پکڑ لو، اگر تم استغفار کو لازم پکڑ لو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے بھی ہر تنگی میں راستہ نکال دیں گے [۱]۔

کثرتِ استغفار پر روزی کا وعدہ

اور فرمایا: وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ: اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے روزی دیں گے، جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

آج روزی میں وسعت ہر ایک کے لیے مسئلہ بنا ہوا ہے، ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں اضافہ ہو، اسبابِ رزق کی وسعت اور آسانی اس کو میسر ہو، قرآن میں بھی ہے: ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾﴾ [نوح]۔ اس طرح خود قرآن کے اندر استغفار کے اوپر ان ساری چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے روزی دیں گے، جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح [الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان]: ۴/۱۶۲۱، بَابُ الِاسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ، الْفَصْلُ الثَّانِي.

توبہ واستغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کا نام ونشان مٹادیتے ہیں

اس لیے استغفار کا اہتمام کریں اور اپنے دل کو اس کے ذریعہ دھوتے رہیں، اللہ تبارک وتعالی نے توبہ کا دروازہ ۲۴ ر گھنٹے کھلا رکھا ہے اور پھر عجیب وغریب معاملہ ہے کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کے گناہ تو معاف کر ہی دیتے ہیں، اس کے نامۂ اعمال سے بھی مٹادیا جاتا ہے، اس کے اعضاء سے بھی بھلادیا جاتا ہے، جس جگہ پر گناہ کیا تھا، اس جگہ سے بھی مٹادیا جاتا ہے، ان سارے گواہوں سے بھی جو قیامت کے دن گناہ کی گواہی دینے والے تھے، بھلادیتے ہیں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ دنیا کی کوئی حکومت کسی گنہگار کے گناہ کو معاف کرتی ہے تو اس کی فائل محفوظ رکھی جاتی ہے؛ تاکہ کبھی موقع آئے تو بتائے کہ یہ ہیں تمھارے کارنامے لیکن اللہ تبارک وتعالی کے یہاں معافی ایسی ملتی ہے کہ اس مِسل اور فائل کو بھی ختم کردیتے ہیں، اللہ کو تو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

توبہ کی حقیقت کا پہلا جزء: گناہوں کو چھوڑ دینا

توبہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ آدمی گناہ کو چھوڑ دے، گناہ پر قائم رہتے ہوئے توبہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں گناہ پر باقی رہتے ہوئے استغفار ہوسکتا ہے، کیوں کہ استغفار کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی چاہنا لیکن توبہ میں سب سے پہلا

کام گناہ کو چھوڑنے کا ہے۔

ایک آدمی ناپاکی، پیشاب کے گڑھے میں پڑا ہوا ہے اور وہ پاک ہونا چاہتا ہے تو ہم کیا کہیں گے؟ ہم کہیں گے کہ تو پہلے اس گڑھے سے باہر آ پھر تجھے پاک کرنے کی کوئی سبیل نکالیں گے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں تو یہیں رہوں گا، اسی حالت میں مجھے تم پاک کرو تو اس کو کہیں گے کہ ناپاکی کے اس گڑھے میں رہتے ہوئے تجھ پر دنیا بھر کے دریا بہادیں گے تو بھی تو پاک ہونے والا نہیں ہے اور باہر آئے گا تو دو بالٹیوں سے کام ہو جائے گا، پاک ہو جائے گا۔

توبہ کی حقیقت کا دوسرا جزء: گناہوں پر ندامت

تو پہلا کام ہے گناہوں کو چھوڑ دینا اور دوسرا کام یہ ہے کہ اب تک جو گناہ ہو چکے ہیں، ان پر ندامت اور پشیمانی ہو، دل میں یہ احساس ہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتنی نافرمانی کی ہے! کون سی ذات کی نافرمانی کی ہے؟۔

اللہ تعالیٰ اور بندوں کا باہمی تعلق

بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ عشق و محبت کا ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد کھانا اچھا نہیں لگنا چاہیے، جیسے کسی کا محبوب اس سے روٹھ جاوے تو محب اور عاشق کو چین نہیں پڑتا، جب تک کہ محبوب راضی نہ ہو جائے، وہاں تک اس کے دل پر ہوائیاں اڑتی رہتی ہیں، نہ کھانا، پینا اچھا لگتا ہے، نہ نیند آتی ہے، اچھے سے اچھا بستر ہو تو بھی نیند غائب ہو جاتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضراتِ صحابہؓ کی محبت

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق تھا، وہ عشق ومحبت کا تھا، کیسا عجیب وغریب تعلق تھا؟ ایسی محبت کبھی کسی نے کسی سے نہ کی، نہ کرسکتا ہے، محبت ہی ان پر ختم ہوگئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حکایاتِ صحابہؓ میں لکھتے ہیں کہ محبت ان پر ختم ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق تو انھوں نے ادا کردیا۔

عام مسلمانوں کی ایک خواہش:

کاش ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتے

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ کاش کہ ہم اس زمانے میں ہوتے۔ ارے بھائی! اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے میرے، تمھارے لیے جو فیصلہ کیا، اسی میں خیر ہے، اگر اس وقت ہوتے تو پتہ نہیں کون سی فہرست میں ہمارا نام ہوتا، پتہ نہیں ہم اپنی طبعی کمزوریوں کی وجہ سے قربانی کے اور ایثار کے تقاضوں کو پورا کر پاتے یا نہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کو پورا کر بھی پاتے یا نہیں۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے شریعت کے بے شمار احکام ہیں اور ہم جانتے بوجھتے ان کو نہیں بجالارہے ہیں۔

بہرحال! حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کا ایسا تعلق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا سی نگاہ بدلی کہ ان کے دلوں پر بجلیاں گرجاتی تھیں۔

قبہ نما مکان کے مالک کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی پر اپنے مکان کو ڈھا دینا

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے، صحابہؓ ساتھ میں ہیں، ایک مکان پر نظر پڑی جو نیا بنا ہوا تھا، قبہ نما مکان تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ تو اس صحابی کا نام لے کر بتایا گیا کہ فلاں صحابی کا ہے۔

اس کے بعد دوسرے دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے تو وہی صحابی جن کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہ ان کا مکان ہے، وہ آئے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا، دوسری طرف سے آئے تو اُدھر سے بھی پھیر لیا تو بے چین ہو گئے اور وہاں موجود صحابہ سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اپنے سے روٹھا ہوا اور ناراض ناراض دیکھ رہا ہوں؟۔

لوگوں نے کہا کہ پتہ نہیں، البتہ ایک بات ہے کہ کل ایسا ہوا تھا کہ آپ نے ابھی جو نیا مکان بنایا ہے، اس مکان کے پاس سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا گذر ہوا تھا تو اس وقت آپ نے پوچھا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ تو ہم نے بتلایا کہ یہ آپ کا مکان ہے۔ان کی سمجھ میں بات آ گئی۔

بس پھر کیا تھا! اسی وقت گئے اور مکان کو ڈھا دیا اور زمین کے برابر کر دیا لیکن ڈھانے کے بعد آ کر یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے دل میں

جو کانٹا تھا، جو پھانس تھی، وہ میں نے نکال دی ہے۔

حضراتِ صحابہؓ اور ہمارے درمیان ایک بہت بڑا فرق

ہم تو آ کر احسان جتلائیں گے کہ حضرت! جس چیز سے آپ کو بہت تکلیف ہو رہی تھی، الحمدللہ! میں نے اس کو دور کر دیا، گویا حضرت پر احسان رکھتے ہیں، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کا ادب واحترام تو عجیب وغریب شئے تھا، ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بہرحال! انھوں نے آ کر بتلایا بھی نہیں کہ میں نے اس مکان کو گرادیا، یہ ان کا ادب تھا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عباسؓ کے قید ہونے کا واقعہ

غزوۂ بدر کے موقع پر جو قیدی پکڑے گئے تھے، ان قیدیوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے، جن صحابی کے پاس وہ قید تھے، انھوں نے ان کی رسّی ذرا ایسی کس کے باندھی ہوگی جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی اور وہ رات کو کراہتے رہے۔

صبح کے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عباس کے کراہنے نے آج میری نیند اڑادی، اللہ اکبر!۔ یہ سن کر ان صحابی کا کیا حال ہوا ہوگا جن کے یہاں قید تھے[1]۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة الحلبية [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۲/۲۷۰، باب: نسبه الشريف صلى الله عليه وسلم.

فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو چھڑانے کا فیصلہ

حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کے یہاں یہ قیدی رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیوں نہ ان قیدیوں کے بارے میں کوئی صلاح مشورہ ہوجائے، چنانچہ ان قیدیوں کے بارے میں صحابہ سے مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے؟ تو یہ طے پایا کہ ان قیدیوں میں سے ہر ایک سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف کرنے کی حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کی درخواست

اس کے بعد حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین آ کر عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔

انصار نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا بھانجہ کیوں کہا؟

خواجہ عبدالمطلب کی مختصر سیرت

ان کو بھانجہ اس لیے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے والد عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، ان کی والدہ مدینہ کی تھیں تو حضراتِ انصار کی رشتے میں گویا بہن ہوگئیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کا نکاح مدینہ منورہ میں سلمیٰ نامی ایک عورت سے ہوا تھا اور اسی سے عبدالمطلب پیدا ہوئے

تھے، عبد المطلب کا اصل نام شیبہ تھا، ان کو شیبۃ الخیر اور شیبۃ الحمد کہتے تھے، وہ مدینہ میں پلے بڑھے تھے، جب ہاشم کا انتقال ہو رہا تھا تو انھوں نے اپنے بھائی مطلب سے کہا تھا کہ میرا بیٹا مدینہ میں ہے، اس کو وہاں سے لے آنا۔

شیبہ جب کچھ بڑے ہوئے، دو چار سال کے ہو گئے تو مطلب شیبہ کی ننہال مدینہ گئے؛ تاکہ بھائی کی وصیت کو پورا کرتے ہوئے ان کے بیٹے اور اپنے بھتیجے کو لے آئے، چنانچہ وہاں سے شیبہ کو اپنے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مکہ مکرمہ لے آئے۔

جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو شیبہ کے کپڑے میلے کچیلے ہو چکے تھے، ان کو دیکھ کر لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو مطلب کو اپنا بھتیجا کہتے ہوئے شرم آئی، اس لیے کہا کہ یہ میرا غلام ہے پھر ان کو گھر لائے، نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنائے اور پھر لوگوں کے سامنے لاکر کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے جواب تک مدینہ کے اندر تھا لیکن چوں کہ پہلے ان کو "میرا غلام" کہا تھا، اس لیے اسی وقت سے ان کا نام عبد المطلب پڑ گیا یعنی مطلب کا غلام[1]۔

تو چوں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے والد عبد المطلب کی ماں مدینہ کی تھیں، اس معنی کر کے حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے ان کو اپنا بھانجہ کہا۔ جیسے آپ کے گاؤں کی لڑکی دوسرے گاؤں بیاہی گئی ہو اور اس کو کوئی لڑکا ہو تو

---

① تفصیل کے لیے دیکھیے: السیرۃ الحلبیۃ [الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت]: ۱/۱۲، باب: نسبہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم.

سارے گاؤں والے اس کو اپنا بھانجہ کہتے ہیں، اس کے گھر والے (نہال والے) تو اس کو بھانجہ کہتے ہی ہیں، سارے گاؤں والے بھی اس کو اپنا بھانجہ قرار دیتے ہیں، یہ ہر جگہ کا دستور ہے تو اصلاً بھانجے تو عبد المطلب تھے لیکن ان کے یہ بیٹے تھے۔ اس لیے حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں، معاف کر دیں۔

حضراتِ انصارؓ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی انتہا

اس موقع پر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ انصارؓ کی اصل غرض اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنی تھی، کیوں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں، اگر ان کا فدیہ معاف کر دیا جائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوگی لیکن ان کے اس بات کو پیش کرنے کا انداز دیکھیے۔ اگر وہ یہ کہتے کہ اے اللہ کے رسول! عباس آپ کے چچا ہیں، آپ ان کا فدیہ معاف کر دیں تو یہ ایک طرح کا احسان جتلانا ہوتا کہ آپ کے چچا ہیں، اس لیے ہم ان کے ساتھ یہ سلوک کرنے کی درخواست کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کے بجائے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ اجازت دیجیے کہ ہمارے بھانجے کا فدیہ معاف کر دیا جائے، گویا آپ اجازت دیں گے تو آپ پر احسان نہیں ہوگا بلکہ ہم پر احسان ہوگا۔ کیسا ادب ہے، کیسا ادب ہے!۔ ان کے واقعات پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس درجے کا ادب تھا، ؎

محبت تجھے آدابِ محبت خود سکھادے گی

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے لیکن اس درجہ ادب بھی ان کے پیشِ نظر رہتا تھا۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ مکان ڈھادیا لیکن آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا کہ میں نے مکان ڈھادیا بلکہ کچھ دنوں کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اس جگہ سے دوبارہ گذر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ بھائی! یہاں قبہ نما مکان تھا، اس کا کیا ہوا؟، تب انھوں نے کہا کہ جن صاحب کا یہ مکان تھا، وہ آپ کی خدمت میں آئے تھے اور سلام کیا تھا لیکن آپ نے ان سے بے رخی اور ناراضگی کا معاملہ فرمایا تھا اور ان کو اس کا سبب پتہ چلا تو اسی وقت آکر اس مکان کو ڈھادیا تھا، اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا» يَعْنِي مَا لَا بُدَّ مِنْهُ[1]: ہر مکان اس کو تعمیر کرنے والے کے لیے وبال ہے سوائے اس مکان کے جو ضروری ہو، جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔ ہمارے اندر ایسا ادب ہے؟۔

گناہ کرنے کے بعد بندے کو چین نہ آنا چاہیے

یہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تھی، بندوں کو اللہ

---

① سنن أبي داود، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَاب الْأَدَبِ، باب مَا جَاءَ فِي الْبِنَاءِ، رقم الحديث: ۵۲۳۷.

تعالیٰ کے ساتھ بھی ایسی محبت ہو کہ گناہ کرنے کے بعد چین نہ آوے، ندامت ہو، دل میں افسوس ہو، شرمندگی ہو، یہ احساس ہو کہ میں نے کس کی نافرمانی کی! منہ اٹھانے کے قابل نہیں۔ جیسے آدمی سے کسی بڑے کی نافرمانی ہوجائے تو اس آدمی کی ہمت نگاہ اٹھانے کی نہیں ہوتی، نیچی نگاہیں کر کے کھڑا ہوتا ہے۔

توبہ کی حقیقت کا تیسرا جزء: آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم

اور تیسری چیز (توبہ کی حقیقت کا تیسرا جزء) یہ ہے کہ آدمی یہ پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ یہ تین چیزیں توبہ کی حقیقت ہے [1]۔

استغفار کے سلسلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ استغفار کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں، خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیه وسلم حالاں کہ آپ تو معصوم ہیں، آپ سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً کہ میں دن میں "۷۰" مرتبہ استغفار کرتا ہوں [2] اور ایک دوسری حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ کہ: میں دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں، یہ امت کی تعلیم

---

(۱) رياض الصالحين [الناشر: دار ابن كثير للطباعة والنشر والتوزيع، دمشق-بيروت]، باب التوبة.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب اسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، رقم الحديث: ۶۳۰۷.

کے لیے ہے [1]۔

عبادتوں کے بعد بھی استغفار

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو عبادت کے بعد استغفار کا کثرت سے اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ احادیث میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونے کو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین استغفار کے کلمات سے سمجھتے تھے کہ آپؐ کی نماز پوری ہوئی [2]۔

روزے کے اندر یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ اغْفِرْ لِي کی تعلیم ہے کہ اے وسیع مغفرت کرنے والے میرے گناہوں کو معاف فرما [3]۔

اور تمام عبادتوں میں عام طور پر آخر میں اس لیے استغفار رکھا گیا ہے؛ تاکہ آدمی کو عبادت کر کے غرور پیدا نہ ہو، فخر نہ ہو؛ یہ غرور پیدا نہ ہو کہ میں نے کچھ کیا ہے بلکہ ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے کہ معلوم نہیں، ہمارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا بھی ہے کہ نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ، رقم الحدیث: ۲۷۰۲۔

(۲) صحیح مسلم، عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ تعالی عنہ، باب اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَبَيَانِ صِفَتِهِ، رقم الحدیث: ۵۹۱۔

(۳) شعب الإيمان، عن ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، فَصْلٌ، مَا يُفْطِرُ الصَّائِمُ عَلَيْهِ، وَمَا يَقُولُ عِنْدَ فِطْرِهِ، رقم الحدیث: ۳۶۲۰۔

اللہ والوں کا حال

ہمارے اکابر اور اسلاف جن کی زندگیاں اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں گذریں، جو رات رات بھر اللہ کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ جب رات ختم ہونے کا وقت آتا تو روتے تھے۔ ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ [المؤمنون: ۶۰] کہ ان کے دل ڈرے اور سہمے رہتے تھے کہ پتہ نہیں یہ ہم نے اللہ کی جو عبادت کی ہے، اللہ کے یہاں قبول بھی ہوتی ہے کہ نہیں؟

بہر حال! نجات کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جو تیسری بات ارشاد فرمائی، وہ ''وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ'' ہے، اپنے گناہوں پر روتے رہو، کتنا آسان نسخہ ہے بھائی!، یہ تین باتیں جو حدیث کے حوالے سے میں نے آپ کو بتائیں، ان کو پلّے باندھ کر جاؤ اور اس پر عمل کا اہتمام کرو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نسخۂ نجات تجویز کیا ہے تو ان شاء اللہ! اس کو اختیار کرنے سے ہمارے لیے دنیا میں بھی نجات ہوگی اور آخرت میں بھی نجات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

والدین کے حقوق، ان کو ادا کرنے کے برکات وثمرات

اور

ان کو ضائع کرنے کے خطرناک نتائج

(۱) بوقت: ۲۰/ ۸/ ۲۰۱۸ء، بمقام: اکبری مسجد، بہارکوٹ (۲) بوقت: ۲۵/ ۹/ ۲۰۱۸ء، بمقام: rustenburg، (۳) بوقت: ۱/ ۹/ ۲۰۱۸ء، بمقام: مسجد نور لوساکا،

(۴) بوقت: ۲۹/ ۱۱/ ۲۰۱۸ء، بمقام: مسجد عمر کیمبرج

(۵) بوقت: ۱۴/ ۹/ ۲۰۱۸ء بمقام: جمبوسر۔ (٦) بوقت: ۱۴/ ۵/ ۲۰۱۵، بمقام: مالّینسن،

اور دوسرے تین۔ کل ۹/ بیانات کو سن کر یہ بیان مرتب کیا گیا ہے۔

اقتباس

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ﴾: تو ان کو اُف بھی نہ کہنا، ''ہوں'' بھی مت کرنا۔

بلکہ لکھا ہے کہ اگر ماں باپ کچھ کہیں اور اولاد اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے لیے اندر کی طرف لمبی سانس کھینچے، بولا کچھ نہیں، منہ بھی نہیں بگاڑا، حالی سانس لمبی کھینچی، اس کی بھی اجازت نہیں ہے، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا، یاد رکھنا، کیوں کہ اس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ہر وہ شکل جس سے ماں باپ کی نافرمانی ٹپکتی ہو یا ان کو ایذا اور تکلیف ہوتی ہو، اس کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا،ونعوذباللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له ، ومن يضلله فلا هادي له ، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله،أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا،وداعيا إلى اللّٰہ بإذنه وسراجا منيرا،صلى اللّٰہ تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱﴾ [النساء] وَقَالَ تَبَارَكَ وتَعَالىٰ: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴﴾ [الإسراء]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى اللّٰہ تعالى عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَتْ: هَذَا

مَقَامُ الْعَائِذِ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: فَذَاكِ لَكِ " ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا[۱] } [محمد: ۲۳]وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ[۲] .وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله تعالیٰ عليه وسلم:" مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً "، قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: " نَعَمْ، اللهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ [۳] "وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: كُلُّ الذُّنُوبِ يَغْفِرُ اللهُ مِنْهَا مَا شَاءَ إِلَّا عُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّهُ يُعَجَّلُ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ[۴] .وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله

---

۱ صحيح مسلم،كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا، رقم الحديث: ۲۵۵۴.

۲ صحيح مسلم،كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ، وَنَحْوِهِمَا،رقم الحديث: ۲۵۵۲.

۳ شعب الإيمان[الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند]، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابٌ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم الحديث: ۷۴۷۲.

۴ شعب الإيمان، حَدِيثُ جُرَيْجٍ الْعَابِدِ فِي فَضْلِ حِفْظِ قَلْبِ الْأُمِّ، رقم الحديث: ۷۵۰۶.

تعالیٰ علیہ وسلم:بِرُّوا آباءَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْناؤُكُمْ[۱] .وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا البَلاَءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الخُمُورُ، وَلُبِسَ الحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ القَيْنَاتُ وَالمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا[۲] أو كما قال عليه الصلوة والسلام..

محترم حضرات! نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں جن پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک صلہ رحمی کی تعلیم ہے۔

صلہ رحمی کی عام فہم تحقیق

''رَحِمٌ'' عربی زبان میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، عورت کے پیٹ میں ایک خاص عضو ہوتا ہے جس میں بچہ پرورش پاتا ہے، اس کو عربی زبان میں ''رَحِمٌ'' کہتے ہیں اور

---

[۱] المستدرك على الصحيحين [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۱۷۱/۴، عن جابر، رضي الله عنه، كتاب البر والصلة، رقم الحديث: ۷۲۵۹.

[۲] سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْفِتَنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلاَمَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالخَسْفِ، رقم الحديث: ۲۲۱۰.

سارے رشتے اسی سے بنتے ہیں، اسی سے جڑتے ہیں۔

ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو جس عورت کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا، وہ اس کی ماں بن جاتی ہے اور اس کا شوہر کہ جس کے نطفے سے حمل ٹھہرا تھا، وہ اس بچے کا باپ بن جاتا ہے، یہ ماں اور باپ سارے رشتوں کی بنیاد اور جڑ ہے، آگے سارے رشتے اسی سے وجود میں آتے ہیں: ماں کی ماں نانی کہلاتی ہے، ماں کا باپ نانا کہلاتا ہے، ماں کا بھائی ماموں کہلاتا ہے، ماں کی بہن خالہ کہلاتی ہے، باپ کی ماں دادی کہلاتی ہے، باپ کا باپ دادا کہلاتا ہے، باپ کا بھائی چچا کہلاتا ہے، باپ کی بہن پھوپھی کہلاتی ہے، ان ہی ماں باپ سے جو بچے پیدا ہوں، وہ بھائی بہن کہلاتے ہیں، اگر اکیلے باپ سے اولاد ہے تو وہ علّاتی یعنی باپ شریک بھائی بہن ہیں، اکیلی ماں سے ہیں تو وہ اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن کہلاتے ہیں اور پھر ان کی جو اولادیں ہیں، وہ بھانجے، بھتیجے، بھانجیاں، بھتیجیاں کہلاتی ہیں، یہ ایک سلسلہ ہے جو آگے تک چلا جاتا ہے۔

اسی باہمی رشتہ داری کو عربی زبان میں "رَحِمٌ" کہتے ہیں اور اسی رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اس کو عربی زبان میں صِلَۃُ رَحِمٍ یعنی صلہ رحمی کہتے ہیں۔

اور اگر کوئی آدمی اس کے خلاف کرتا ہے یعنی رشتہ داری کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کا معاملہ نہیں کرتا تو اس کو عربی زبان میں قطعِ رحمی کہتے ہیں۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم ہر دین و مذہب میں موجود ہے

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں جن پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک صلہ رحمی کی تعلیم بھی ہے اور اس کو بہت بنیادی تعلیمات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہر مذہب اور ہر دھرم میں ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی جاتی ہے تو اسلام جو پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آیا اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالی نے پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے، ان کو پایۂ تمام تک پہنچانے کے لیے، اوجِ کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا[۱]، بھلا وہ کیسے اس پاکیزہ خلق اور عمدہ چیز کی تعلیم سے خالی رہتا۔

قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، میں نے آپ کے سامنے قرآنِ کریم کی دو آیتیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چند ارشادات پیش کیے اور دوسرے ارشادات بھی پیش کروں گا، ان میں اسی کی بڑی تاکید اور اسی کے اوپر بڑا فوکس کیا گیا ہے۔

خطبے میں مذکور پہلی آیت کی تفسیر وتوضیح

چنانچہ سورۂ نساء کی جو پہلی آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾، اس میں باری تعالیٰ ارشاد

---

۱ إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.(السنن الکبری[الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت]: ۱۰/ ۳۲۳، باب: بَيَانُ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَعَالِيهَا، رقم الحدیث: ۲۰۷۸۲)

فرماتے ہیں کہ اے لوگو! ڈرو تم اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی شخصیت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے پیدا فرمایا ہے، حضرت آدمؑ کا پتلا مٹی سے پیدا فرمایا اور باقی انسانوں کو حضرت آدمؑ کی ذات سے پیدا فرمایا، کیسے؟ تو فرماتے ہیں: ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾۔ سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے جسم سے ان کا جوڑا حضرت حوّاء رضی اللہ تعالی عنھا کو پیدا فرمایا، چنانچہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّاءؓ کو پیدا فرمایا[1]۔

﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً﴾: اس کے بعد ان دونوں کے میلاپ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے زمین کے اندر پھیلا دیا، ﴿وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ڈرو تم اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا سوال کرتے ہو۔

مطالبۂ حقوق کے سلسلے میں اہل دنیا کا ایک دستور

پتہ ہے نا کہ دنیا کا دستور کیا ہے؟ اگر ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر کوئی حق اور مطالبہ ہے تو جس کا مطالبہ ہے، وہ قوی، طاقت ور اور توانا ہے اور جس کے اوپر مطالبہ

---

(۱) وقيل: أراد به أن أول النساء حواء أخرجت من ضلع آدم الأيسر.(إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري للقسطلاني[الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر]:۳۲۳/۵، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خَلْقِ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ)

ہے، وہ کمزور ہے تو وہاں تو لڑائی اور ہاتھا پائی ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہاں تو وہ کمزور اپنے طاقت ور صاحبِ حق کے تیور دیکھ کر ہی اس کو اس کا حق ادا کر دے گا۔

لیکن اگر معاملہ برعکس ہے، الٹا ہے، جس کا حق ہے، وہ کمزور ہے اور جس کے اوپر حق ہے، وہ طاقت ور ہے تو عام طور پر دنیا کا دستور یہ ہے کہ یہ طاقت ور اس کمزور کا حق ادا کرنے کے معاملے میں ٹال مٹول کرتا ہے اور بہانے بناتا ہے، نہیں ادا کرتا اور شرارت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں دوں گا، بولو! کیا کرلو گے؟۔

ایسے وقت میں وہ کمزور صاحبِ حق اپنے طاقت ور مد مقابل کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہے: ارے بھائی! اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، ذرا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا حق ادا کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور اپنے اعمال کا حساب دینے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے ڈراتا ہے اور اس طرح اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔

مذکورہ دستور کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ کا بندوں سے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا مطالبہ

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾: تم اپنے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو کہ اگر تم کمزور ہو اور کسی طاقت ور پر تمھارا حق ہے اور وہ تمھارا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے اور بہانے بنا رہا ہے تو ایسے موقع پر تم اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلا کر اس

سے اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہو تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اپنا حق لینے کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلا رہے ہو تو اگر کسی دوسرے کا تم پر حق ہے اور وہ تمھارے مقابلے میں کمزور ہے تو وہاں پر تم کو بھی تو ڈرنا چاہیے کہ ون سائیڈ ٹرافک (one side traffic) تو نہیں ہوا کرتا کہ اپنا حق لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دو اور جب ہمارے سامنے کوئی کمزور آجائے تو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہو!۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو کہ جب تم اپنا حق لینے کے لیے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حوالہ دیتے ہو تو تم کو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے بچنے کا حکمِ خداوندی

اور آگے فرماتے ہیں: ﴿وَالْاَرْحَامَ ط﴾: اور رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرو۔ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرا رہے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾: اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہیں، تمھارے سارے حال سے واقف ہیں، اس لیے دھیان رکھنا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

والدین اور رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی کے لیے محدثین کے خاص اصطلاحی الفاظ

اس رشتہ داری کے بڑے حقوق ہیں، اس کو ادا کرنا فرض ہے، اسی کو صلہ رحمی کہتے ہے، اس میں ماں باپ کے حقوق بھی آجاتے ہیں، ماں باپ تو اس رشتہ داری کی

بنیاد ہیں، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کو قرآن وحدیث کی زبان میں ''بِرٌّ'' کہا گیا ہے، ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے حقوق کو ادا کرنا ''بِرُّ الوالدین'' کہلاتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ہے: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ [مریم] یہ حضرت یحییٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق کہا گیا ہے، حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا مقولہ نقل کیا: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي﴾ [مریم: ۳۲]۔ الغرض! ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو قرآن وحدیث میں لفظِ ''بِرٌّ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضراتِ محدثین جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنی کتابوں میں مختلف عنوانات سے جمع کرتے ہیں: نماز کے متعلق احادیث کو جمع کرتے ہوئے ''کِتَابُ الصَّلٰوۃ'' لکھتے ہیں، زکوۃ کے متعلق احادیث کو جمع کرتے ہیں تو ''کِتَابُ الزَّکٰوۃ'' کا عنوان دیتے ہیں، ایسے ہی ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جو ہدایتیں ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جو ارشادات ہیں، ان کو بیان کرنے کے لیے ان کے یہاں عنوان ہے: کِتَابُ البِرِّ والصِّلَةِ یعنی ہم اس میں ماں باپ کی فرماں برداری کے متعلق بھی اور صلہ یعنی دیگر رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے کے متعلق بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اقوال، ارشادات، ہدایات اور فرامین کو جمع کر کے پیش کریں گے۔

تو ماں باپ کے حقوق اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق دونوں ہی بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ماں باپ کی فرماں برداری اور راحت رسانی کی جگہ جگہ بڑی تاکید فرمائی ہے۔

خطبے میں مذکور دوسری آیت کی تفسیر

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ دوسری آیت ہے جو خطبے میں پڑھی گئی تھی: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾: تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک والدین کا مقام ومرتبہ

ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنے کی کتنی بڑی تاکید ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماں باپ کے ادب واحترام اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کو اپنے عبادت واطاعت کے ساتھ جوڑ کر کے بیان فرمایا، اس آیت میں پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا: ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو، اسی کی کے ساتھ حکم دیا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط﴾، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا جارہا ہے، وہیں اسی کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی اور اطاعت وفرماں برداری اور ان کے ادب واحترام کا بھی حکم دیا جارہا ہے، جیسے ایک اور مقام پر سورۂ لقمان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ

کے شکر کو جوڑا ہے، ارشاد ہے: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ (۱۴): میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو[۱]۔

قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کے حکم کو جوڑ کر بیان کرنا

آپ اندازہ لگائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں اپنا حق ادا کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اسی کے ساتھ ماں باپ کے حق کو جوڑا جا رہا ہے اور صرف اسی ایک جگہ نہیں جوڑا ہے بلکہ قرآنِ پاک میں چار جگہوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد والدین کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے[۲]، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ماں باپ کا درجہ اور رتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کتنا بلند اور اونچا ہے۔

اور حدیث میں بھی نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کے ساتھ عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ

---

(۱) تفسیر القرطبی [الناشر: دار الکتب المصریۃ-القاہرۃ]: ۱۰/۲۴۳، فی تفسیر الآیۃ المذکورۃ.

(۲) ان میں سے ایک تو یہی آیت ہے جو سورۂ بنی اسرائیل میں ہے، (۲) ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [البقرۃ: ۸۳] (۳) ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [النساء: ۳۶] (۴) ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ﴾ [الأنعام: ۱۵۱] واللہ تعالیٰ اعلم۔

علیه وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین سے پوچھا: أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الكَبَائِرِ؟: بڑے گناہوں میں بھی جو سب سے بڑا گناہ ہے، وہ میں تم کو نہ بتلاؤں؟، صحابہؓ نے عرض کیا ہے: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: الإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا اور ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنا①۔ گویا ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کو حدیث میں شرک کے ساتھ جوڑا گیا۔

بڑھاپے میں والدین کی معمولی سی ایذا رسانی سے بھی بچنے کا خصوصی حکم

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور احسان کا سلوک کرو، ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا﴾: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھاری موجودگی میں تمھارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائے، ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾: تو ان کو اُف بھی نہ کہیو، ''ہوں'' بھی مت کرنا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے بھی کم

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابٌ: عُقُوقُ الوَالِدَيْنِ مِنَ الكَبَائِرِ، رقم الحديث: ۵۹۷۶.

درجے کی اگر کوئی چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قرآنِ کریم میں بیان فرماتے [1]۔ گویا ماں باپ نے کوئی بات کہی اور آپ نے ان پر اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے لیے صرف "ہوں" کہا تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بھی مت کہو۔

ایک اصولی بحث

ہمارے یہاں مدرسوں میں اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، یہ ایک علم اورفن ہے جس میں قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور احادیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات موجود ہیں، ان کی مختلف شکلیں بتلائی جاتی ہیں، ان میں ایک ہے عبارۃ النص اور ایک ہے إشارۃ النص اور ایک ہے دلالۃ النص اور ایک ہے اقتضاء النص کہ ایک بات بالکل واضح اور صاف الفاظ میں بیان کی جارہی ہے، اس میں الفاظ میں جو کہا گیا، وہی مراد اور مطلوب ہے، اس کو عبارۃ النص کہتے ہیں۔ یہاں الفاظ میں یہ کہا گیا کہ "اُف" مت کہو۔ جب اُف کہنے سے منع کیا گیا تو ان کو مارنا، پیٹنا، گالیاں دینا، اس کی ممانعت تو بطریق اولی ثابت ہوجائے گی، اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔

---

(۱) وَرُوِيَ مِنْ حديث علی بن أبی طالب رضي اللہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ عَلِمَ اللہُ مِنَ الْعُقُوقِ شَيْئًا أَرْدَأَ مِنْ" أُفٍّ" لَذَكَرَهُ فَلْيَعْمَلِ الْبَارُّ مَا شَاءَ أَنْ يَعْمَلَ فَلَنْ يَدْخُلَ النَّارَ. وَلْيَعْمَلِ الْعَاقُّ مَا شَاءَ أَنْ يَعْمَلَ فَلَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ". (تفسیر القرطبی [الناشر: دار الکتب المصریة-القاهرة]: ۱۰/۲۴۳، فی تفسیر الآیة المذکورة.)

والدین کی ادنیٰ تر ایذا رسانی کی بھی ممانعت

یہاں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾: تو ان کو اُف بھی نہ کہنا، ''ہوں'' بھی مت کرنا۔

بلکہ لکھا ہے کہ اگر ماں باپ کچھ کہیں اور اولاد اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے لیے اندر کی طرف لمبی سانس کھینچے، بولا کچھ نہیں، منہ بھی نہیں بگاڑا، حالی سانس لمبی کھینچی، اس کی بھی اجازت نہیں ہے، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا، یاد رکھنا، کیوں کہ اس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ہر وہ شکل جس سے ماں باپ کی نافرمانی ٹپکتی ہو یا ان کو ایذا اور تکلیف ہوتی ہو، اس کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

آفات و بلیات میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ

﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾: اور ان کو جھڑکو مت۔ آج کل کا نوجوان بات بات میں ماں باپ کو جھڑکتا ہے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اگر ماں باپ کو جھڑکیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کون سی رحمتیں نازل ہوں گی؟۔

ظاہر ہے کہ یہ جو مصیبتیں آتی ہیں، آزمائشوں کا شکار ہوتے ہیں، اس کی بہت ساری وجوہات میں سے ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے، ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک فرض ہے۔

والدین کے ساتھ نرم لہجے میں بات چیت کرو

﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾: اور ان دونوں کے ساتھ بھلائی اور نرمی کی بات کرو، ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے لہجہ بھی نرم رکھو، کڑک لہجے میں بات مت کرو، کڑک لہجے میں بات کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ آپ کا ایک ادنیٰ نوکر جس طرح آپ کے سامنے کانپتے اور لرزتے لہجے میں بات کرتا ہے، اس طرح ماں باپ کے ساتھ بات چیت کرو①۔

والدین کے سامنے جھک کر رہو

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾: اور شفقت اور مہربانی کے ساتھ اپنی ذلت کا، عاجزی اور انکساری کا پہلو ان کے سامنے جھکاؤ، یعنی ان کے سامنے عاجزی سے، انکساری سے، محبت کے ساتھ پیش آؤ، ان کے سامنے جھکے جھکے بیٹھو۔ جیسے ہمارا نوکر ہمارے سامنے اکڑ کر کے نہیں بیٹھتا، جھک کر کے بیٹھتا ہے، اس طرح اپنے ماں باپ کے سامنے جھک کر کے بیٹھو۔

راحت رسانی کے ساتھ والدین کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے

اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا بھی کرتے رہو؛ کیوں کہ تم اپنے ماں باپ کا

---

① قِيلَ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: كُلُّ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنْ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ قَدْ عَرَفْتُهُ إِلَّا قَوْلَهُ:" وَقُلْ لَهُما قَوْلًا كَرِيماً" مَا هَذَا الْقَوْلُ الْكَرِيمُ؟قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: قَوْلُ العبد المذنب السيد الْفَظِّ الْغَلِيظِ.(تفسير القرطبي [الناشر: دار الكتب المصرية-القاهرة]: ۱۰/ ۲۴۳.)

حق کما حقہ ادا نہیں کر سکتے، اس لیے تمھارا کام یہ بھی ہے کہ ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ اللہ سے دعا کرو کہ اے باری تعالیٰ! یہ میرے ماں باپ ہیں جنھوں نے بچپن میں مجھے پالا، میری تربیت کی، میری پرورش کی، اے اللہ! تو ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ فرما، ان پر شفقت کا معاملہ فرما۔ گویا خوش اخلاقی اور حسنِ سلوک کا جیسا معاملہ کرنا چاہیے، ہم تو نہیں کر سکتے تو اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے۔

ان تین آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن میں اور بھی جگہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید آئی ہے۔

کافر والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا قرآنی حکم

دیکھو! ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہر حال میں تاکید ہے، چاہے ماں باپ غیر مسلم ہوں، قرآنِ پاک ہی میں غیر مسلم ماں باپ کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے: ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ﴾[لقمان:۱۵]: اگر یہ کافر ماں باپ تمھیں اس بات پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرو، ’’فَلَا تُطِعْهُمَا‘‘ تو اس سلسلے میں ان کی یہ مت ماننا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ان کے ساتھ تعلق قطع کر دیں، توڑ دیں بلکہ ’’وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا‘‘، ماں باپ کافر ہیں، مشرک ہیں تو بھی دنیا کی زندگی میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ قرآن اس کی تاکید کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کو ان کی مشرکہ والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بڑی بہن ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عمر میں ۲۵ رسال بڑی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں، اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ اپنی مشرک عورتوں کو جو ایمان نہیں لائی ہیں، چھوڑ دو تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو چھوڑ دیا تھا، ان کا نام قتیلہ تھا تو جس زمانے میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے ساتھ صلح کی تھی، جو صلح حدیبیہ کے نام سے جانی جاتی ہے اور یہ صلح ۶ سنہ ھ میں ہوئی اور اس کے بعد جو صلح کا زمانہ تھا، اس زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کی وہ والدہ جو مشرکہ تھی، غیر مسلمہ تھی، کافرہ تھی، وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اپنی بیٹی کے پاس آئی اور اس امید میں آئی کہ بیٹی میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے گی، مجھے کچھ دے گی، کچھ مالی مدد کرے گی۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس سلسلے میں سوال کیا، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، اس لیے حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں مکہ مکرمہ سے میرے پاس آئی ہے اور یہ امید لے کر آئی ہے کہ میں ان کے ساتھ کوئی بھلائی کروں اور وہ ابھی تک کافرہ ہے، مسلمان نہیں ہوئی ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ صِلِيهَا: اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اچھا سلوک کرو[۱]۔

دیکھو! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کافر والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے منع نہیں فرمایا، قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور حدیث پاک میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تاکید فرمائی۔

تو کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہاں! اگر وہ اپنے کفر وشرک کی وجہ سے اولاد کو بھی کفر وشرک کا حکم دیں تو ان کی وہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے پر ان کی والدہ کی ناراضگی اور اس سلسلے میں قرآنی ہدایت

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، كِتَابُ الجِزْيَةِ، رقم: ۳۱۸۳.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور مکہ مکہ مکرمہ میں جو لوگ بالکل شروع میں ایمان لائے تھے، ان میں سے ہیں۔ جب انھوں نے ایمان قبول کیا تو ان کی والدہ نے ''بھوک ہڑتال'' کردی کہ جب تک کہ تم اپنے ایمان سے باز نہیں آؤ گے اور دوبارہ ہمارے دین میں نہیں آؤ گے، وہاں تک میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورتِ حال بیان کی تو اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾[لقمان:۱۵] کہ: اگر والدین اس بات پر اصرار کریں کہ تم میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرو تو ''فَلَا تُطِعْهُمَا'' ان کی یہ بات مت ماننا، البتہ ''وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا'' دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہنا۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی والدہ کو صاف صاف کہہ دیا: امی جان! آپ کھائیں یا نہ کھائیں، میں ایمان نہیں چھوڑوں گا، امی جان! اگر آپ کی سو جانیں ہوں اور آپ مجھے ایمان سے ہٹانے کے لیے ان سب کو بھوکا رہ کر ختم کردیں تو بھی ایمان سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ ان کی والدہ کو یقین ہوگیا کہ یہ ایمان تو چھوڑے گا نہیں، اس لیے انھوں نے بھوک ہڑتال بھی ختم کر

دی [۱]۔ انھوں نے بھوک ہڑتال اس امید پر کی تھی کہ شاید اس کی وجہ سے وہ میرا یہ مطالبہ مان لیں۔

بڑوں کی اطاعت وفرماں برداری کے بارے میں ایک شرعی قانون

ویسے اسلام نے ایک اصول بتلادیا ہے: **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الخَالِقِ** [۲]: جن جن لوگوں کی اطاعت کا شریعت نے حکم دیا ہے، جیسے اولاد کو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے، بیوی کو شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے اور عوام اور پبلک کو حُکام کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے لیکن ایک اصول بتلادیا کہ جن لوگوں کی اطاعت وفرماں برداری تم پر لازم کی گئی ہے، اگر وہ تم کو کسی ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، اطاعت نہیں کی جائے گی۔

ارے بھائی! ہم تو ان کی فرماں برداری اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور وہی والدین ہمیں اس مہربان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم کریں تو ان کی بات کیسی مانی جاسکتی ہے!۔

---

(۱) تفسیر القرطبی [الناشر: دار الکتب المصریة - القاهرة]: ۱۳/ ۱۴/ ۳۲۸، ۶۳، فی تفسیر سورة العنکبوت وسورة لقمان.

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی [دار النشر: مکتبة ابن تیمیة - القاهرة]: ۱۸/ ۱۷۰، عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنهما، رقم الحدیث: ۳۸۱.

بعض جاہل والدین

بہت سے ماں باپ ایسے ہوتے ہیں کہ جو خود قطع رحمی کے مرتکب ہوتے ہیں، اپنے بھائیوں کے ساتھ تعلق نہیں ہے، بہنوں کے ساتھ تعلق نہیں ہے، اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ایسے ماں باپ اپنی اولاد کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ تو بھی ان کے ساتھ مت بولیو، تو بھی ان سے بات مت کرنا، تو بھی ان سے مت ملنا تو خود تو قطع رحمی کر رہے ہیں جو کہ کبیرہ گناہ ہے جس پر حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں کہ ایسے آدمی پر رحمت نازل نہیں ہوتی اور وہ جنت میں نہیں جا سکتا، جہنم میں جائے گا، خود تو ایسے خطرناک گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس کا حکم دے رہے ہیں!۔

اولاد کے لیے ضروری ہے کہ ایسی باتوں میں ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری نہ کرے اور کہے کہ ابّا! آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر لیکن یہ جو آپ حکم دے رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، آپ ہمیں کبیرہ گناہ کا حکم دے رہے ہیں، ہم آپ کی اطاعت میں کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ صاف صاف ان کو بتلا دیا جائے اور کہیں کہ ہم آپ سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ آپ خود بھی ان چیزوں کا ارتکاب نہ کریں اور قطع تعلق نہ کرنے پر چاہے وہ ہزار بددعائیں دیں تو اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس بددعا کو قبول نہیں کریں گے، اس لیے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾:

تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو، ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط﴾: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور احسان کا سلوک کرو۔

بڑھاپے میں انسان کی عقل زیادہ کمزور ہوجاتی ہے

اور والدین بڑھاپے میں خدمت اور حسنِ سلوک کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، کیوں کہ آدمی جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو عقل میں کمی آجاتی ہے یادداشت کم ہوجاتی ہے، کھانا کھاتا ہے تو بھی بھول جاتا ہے، کوئی آ کر پوچھتا ہے کہ کھانا کھایا تو کہتا ہے کہ ابھی تو نہیں کھلایا۔ اس پر گھر والے ناراض ہوجاتے ہیں کہ ابھی تو کھلایا اور بڑھا لوگوں کو نا کہتا ہے، ہم کو بدنام کرتا ہے۔ ارے بھائی! اس کو یاد نہیں رہا، اس کی وجہ سے تم کیوں ناراض ہوتے ہو؟ بولنے دو، تمھارا کیا جائے گا!۔

اور ایک ہی چیز کے بارے میں بار بار پوچھتا ہے تو اس پر چڑنا نہیں چاہیے، ناگواری سے جواب نہیں دینا چاہیے بلکہ نرمی اور شرافت کے ساتھ جواب دینا چاہیے۔

ابّا یہ کوّا ہے

کتابوں میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا گھر سے باہر بیٹھے ہوئے تھے، درخت پر کسی چیز کو دیکھ پر اس کے بارے میں بڑے میاں نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا! وہ کیا ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابّا! وہ کوّا ہے پھر کچھ دیر کے بعد پوچھا کہ بیٹا! وہ کیا ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابّا کہا نا کہ وہ کوّا ہے پھر کچھ دیر کے بعد پوچھا کہ بیٹا! وہ کیا ہے؟ اس مرتبہ بیٹے نے غصہ کے ساتھ دہاڑتے ہوئے جواب دیا کہ ابّا! کوّا

ہے۔ ابّا نے کہا کہ بیٹا! گھر کے اندر فلاں الماری میں ایک دفتر رکھا ہوا ہے، وہ ذرا لے آؤ۔ بیٹا لے آیا۔ ابّا نے بیٹے سے کہا کہ یہ پڑھو، بیٹا پڑھنے لگا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ بیٹا ابّا سے پوچھ رہا ہے کہ ابّا یہ کیا ہے؟ باپ نے کہا کہ بیٹا یہ کوّا ہے، بیٹے نے پھر پوچھا کہ ابّا یہ کیا ہے؟ باپ نے کہا کہ بیٹا یہ کوّا ہے۔ پورے صفحے پر اسی طرح لکھا ہوا تھا، باپ نے کہا کہ بیٹا! بچپن کے اندر تو نے بھی اسی طرح مجھ سے بے شمار دفعہ سوالات کیے تھے کہ ابّا یہ کیا ہے؟ میں نے ہر مرتبہ محبت کے ساتھ جواب دیا تھا کہ بیٹا یہ کوّا ہے اور تجھ سے میرے تین سوالات بھی برداشت نہیں ہوئے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور احادیثِ نبویہ

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کے یہاں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کو سب سے زیادہ روایت کرنے والے ہیں، پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث نقل کرتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کو دور رکھنے کی کفارِ مکہ کی بچکانہ حرکتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنی والدہ کے بڑے فرماں بردار تھے، حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ جو قبیلۂ دوس کے سردار ہیں، یہ قبیلہ یمن کے اندر آباد ہے، ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ یمن سے مکہ مکرمہ کعبۃ اللہ کی زیارت کے لیے آئے، شاعر بھی تھے اور

اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ جس وقت یہ مکہ مکرمہ میں آئے، اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان واسلام کی دعوت شروع فرما چکے تھے اور مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن چکے تھے، کوئی بھی نیا آدمی آتا تھا تو آتے ہی اس کو وارننگ (warning) دے دیتے تھے کہ دیکھو! ہمارے یہاں ایک آدمی ہے، اس کی بات سنو گے اور مانو گے تو پھر تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے، گھر گھر میں لڑائی شروع ہو جائے گی، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، باپ بیٹے کا دشمن بنا ہوا ہے، بیٹا باپ کا دشمن بنا ہوا ہے اور ان کی باتوں میں جادو کا سا اثر ہے، اس لیے ان کی باتوں کو سننا ہی نہیں۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

یہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ جب آئے تو مکہ والوں نے ان کے بھی خوب کان بھرے، خوب ڈرایا۔ ان کی باتیں سن کے وہ ایسے ڈر گئے کہ دونوں کانوں میں روئی ڈال دی کہ بھولے سے بھی، بے خبری میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑے، کانوں میں روئی ڈالے آتے جاتے تھے، اس لیے لوگوں نے ان کا نام رکھا تھا: ذو القطنتین، یعنی روئی والے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، ایک مرتبہ وہ کعبۃ اللہ کے پاس صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، چوں کہ قریب تھے، اس لیے کانوں میں روئی ہونے کے باوجود تلاوت کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی، ان کو یہ اچھا لگا تو وہ سوچنے لگے اور اپنے آپ کو کہنے لگے کہ طفیل! تو بھی عجیب آدمی ہے،

تیرا قبیلہ تو تجھے بڑا سمجھ دار، عقل مند سمجھتا ہے اور تو شاعر بھی ہے، ان لوگوں کی باتوں میں آ کر تو نے کان میں روئی ڈال دی! کون سی بات اچھی ہے اور کون سی بات بری ہے، اس کی سمجھ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے بھی تو دی ہے، تیرے پاس بھی تو عقل ہے، ان کی باتوں میں آ کر تو نے کانوں میں روئی ٹھونس دی! چنانچہ انھوں نے اسی وقت روئی نکال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنی۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے تو پیچھے پیچھے یہ بھی گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر سارا قصہ بیان کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہدایت سے نوازنا منظور تھا، اس لیے اسی وقت ایمان لے آئے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رض کا قبولِ اسلام کے بعد قوم کی ہدایت کے لیے کسی علامت کا مطالبہ

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے قبیلے میں جا کر ایمان کی دعوت دیتا ہوں، البتہ آپ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ! ان کو کوئی نشانی عطا فرما دیجیے۔ اس دعا کے نتیجے میں ان کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا۔ پیشانی پر جب نور چمکنے لگا تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! میری قوم کہیں اپنی حماقت کی وجہ سے اور بت پرستی کی وجہ سے اس کو یوں نہ سمجھے کہ ہمارے بتوں کو ماننا چھوڑ دیا، اس لیے عیب لگ گیا، سفیدی آ گئی، اس لیے آپ

دعا کیجیے کہ یہ نور کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ نور ان کے کوڑے میں منتقل کر دیا۔ وہ کوڑا اب رات کے اندھیرے کے وقت چمکتا تھا۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی اپنے قبیلے میں ایمان کی دعوت

وہ اپنے قبیلے میں گئے، لوگوں نے ان کے کوڑے کو دیکھا کہ عجیب انداز میں چمک رہا ہے، وہ اس کوڑے کو ہاتھ میں لیتے تھے اور پکڑ کر دیکھتے تھے۔ انھوں نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو صرف چار آدمی ایمان لائے: (۱، ۲) حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ کے والدین (۳) ان کی بیوی (۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ۔ پورے قبیلے میں بہت محنت کی لیکن چار سے پانچواں کوئی ایمان نہیں لایا۔

مایوس ہو کر دوبارہ مکہ مکرمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے تھے اور آ کر کے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس کے لیے بددعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے، میں نے اتنی محنت کی لیکن کوئی ایمان نہیں لاتا۔

قبیلۂ دوس کی ہدایت کے لیے
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور اس کی قبولیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، وہ یہ سمجھے کہ بددعا کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، وَأْتِ بِهَا: اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب

جاؤاور محنت کرو۔

اس کے بعد تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے قبیلے میں گئے اور لوگوں کو دوبارہ ایمان واسلام کی دعوت دی، اس مرتبہ قبیلے کے اکثر خاندان ایمان لے آئے پھر ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو وہ اپنے قبیلے کے ستّر کے ستّر خاندانوں کے ساتھ مدینہ منورہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ①۔

اسلام کے عظیم سپوت اور اولین حافظِ حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کے مختصر احوال

اسی قافلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ حضرت اُمیمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، بچپن ہی میں وہ یتیم ہو گئے تھے، ان کی ماں نے ان کی پرورش بڑی تکلیفیں اٹھا کر کے کی تھی، ان کی ماں اب تک ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ چوں کہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کرتے تھے، اس لیے اس قافلے میں ان کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور مدینہ منورہ آ کر بھی برابر ان کی خدمت میں مشغول رہے، ماں کبھی کبھار نبیٔ کریم

---

① الاستيعاب في معرفة الأصحاب [الناشر: دار الجيل، بيروت]: ۲/۷۵۸، في ترجمة الطفيل بن عمرو الدوسي، رقم الترجمة: ۱۲۷۴.

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ بھی بول دیتی تھی، اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بڑا دُکھ پہنچتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا قبولِ اسلام

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی ماں نے گستاخی کے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیے کہ جس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بڑی تکلیف ہوئی، دل بھر آیا، فوراً نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ دعا کر دیجیے کہ میری ماں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور وہ ایمان لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: **اَللّٰهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ** کہ یا اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

بس یہ دعا سنی اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچے، گھر میں ماں اکیلی تھیں، دروازہ کھولنا چاہا تو ماں نے کہا کہ ابھی رک جاؤ، میں غسل کر رہی ہوں۔ غسل سے فارغ ہوئیں پھر دروازہ کھولا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے کلمہ پڑھ لیا، اس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور وہ ایمان لے آئیں [1]۔

اپنے والدہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مثالی حسنِ سلوک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنی والدہ کی اتنی خدمت کرتے تھے کہ

---

(۱) صحیح مسلم [الناشر: دار الجیل - بیروت]، کتاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، بَابُ فَضَائِلِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۶۵۴۹۔

جب گھر سے نکلتے تھے تو سلام کر کے کہتے تھے: السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ: اے امی جان! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں تو ان کی ماں جواب میں کہتی تھیں: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ: میرے بیٹے! تم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللّٰہ تعالی عنه دعا دیتے ہوئے کہتے تھے: رَحِمَكِ اللّٰهُ كَمَا رَبَّيْتِنِي صَغِيرًا: اے امی جان! آپ نے بچپن میں میری پرورش کی، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے تو اس کے جواب میں ان کی والدہ کہتی تھیں: رَحِمَكَ اللّٰهُ كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيرًا: اے میرے بیٹے! بڑے ہو کر تو نے میری جو خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تم پر رحمت نازل فرمائے۔ جب گھر سے نکلتے تھے، اس وقت بھی ماں اور بیٹے کے درمیان یہ دعا اور سلام ہوتا تھا اور جب گھر واپس آتے تھے، اس وقت بھی یہی معمول ہوتا[1]، چاہے دن میں آٹھ دس مرتبہ جانا آنا ہوتا ہو، کہیں پر جاتے تھے تو اس طرح اپنی والدہ کی دعا لے کر جاتے تھے۔

والدہ کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حجۃ الوداع میں عدمِ شرکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللّٰہ تعالی عنه کو اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے حجۃ

---

① الأدب المفرد [الناشر: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض]، بَابُ جَزَاءِ الْوَالِدَيْنِ، رقم: ۱۲۔

الوداع میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی نوبت نہیں آئی، بہت زیادہ بوڑھی ہوگئی تھیں، اس لیے خدمت کی زیادہ ضرورت تھی۔ اسی لیے جو اہل علم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی کوئی روایت آپ کو پورے ذخیرۂ حدیث میں نہیں ملے گی، اس لیے کہ اپنی والدہ کی وجہ سے وہ شرکت نہیں کر سکے تھے۔

یہ ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہ جو اپنی ماں کی اطاعت اور فرماں برداری اس بے مثال انداز میں کرتے تھے۔

امام محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ کی خدمت

ہمارے اکابر و اسلاف کے یہاں اپنے والدین کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کا بڑا اہتمام ہوتا تھا، بڑے بڑے ائمۂ مجتہدین اور ائمۂ حدیث اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں، بخاری شریف کی روایتوں میں ان کا نام سندوں میں آتا ہے، وہ لیٹ جاتے تھے اور زمین پر اپنا گال رکھ دیتے تھے اور اپنی والدہ سے کہتے تھے کہ امی جان! اٹھو اور میرے اس دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھو، اصرار کرتے تھے۔

اور وہ خود کہتے تھے: بَاتَ عُمَرُ(أخَاهُ) يُصَلِّي. وَبِتُّ أَغْمِزُ رِجْلَيْ أُمِّي وَمَا أُحِبُّ أَنَّ لَيْلَتِي بِلَيْلَتِهِ کہ میں نے رات میں اپنی والدہ کے پیر دبائے اور میرا بھائی عمر پوری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نفلیں پڑھنے میں مشغول رہا اور مجھے اس کی تمنا

نہیں ہے کہ میری رات کے بدلے میں مجھے اس کی رات مل جائے①۔ گویا ماں کی خدمت کا درجہ نفلوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔

حضرت امام زین العابدینؒ اور والدہ کے ساتھ حد درجہ حسنِ سلوک

حضرت علی بن الحسین رضی اللہ تعالی عنہما، حضرت حسینؓ کے صاحب زادے حضرت علیؓ، جن کو امام زین العابدینؒ کے نام سے جانا جاتا ہے، دستر خوان بچھا کر والدہ کو کھانا کھلاتے تھے، خود ان کے ساتھ نہیں کھاتے تھے، والدہ جب کھانے سے فارغ ہوجاتیں تو اس کے بعد کھاتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟ تو جواب میں فرماتے کہ میں اس لیے والدہ کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا کہ اگر کبھی میں لقمہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھاؤں اور میرے ہاتھ اٹھانے سے پہلے اس لقمے پر میری ماں کی نظر پڑ گئی اور وہ لینا چاہتی ہے لیکن میرا ہاتھ ان کے ہاتھ سے سبقت کر گیا اور اس کی وجہ سے میں کہیں اپنی ماں کا نافرمان نہ لکھا جاؤں، اس لیے میں ماں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا ہوں، پہلے ان کو کھلا دوں گا اور اس کے بعد میں کھانا کھاؤں گا②۔

---

① دونوں واقعوں کا مرجع: (الطبقات الکبری لابن سعد [الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت]: ۳۵۸/۵، فی ترجمة محمد بن المنکدر)

② البر والصلة لابن الجوزي [الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت - لبنان] ص: ۸۶، اَلْبَابُ الثَّانِي عَشَرَ فِي ذِكْرِ مَنْ كَانَ يُبَالِغُ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم: ۹۰۔

کہاں تک ان کی نظر پہنچی تھی۔ظاہر ہے کہ دو آدمی ساتھ کھانا کھا رہے ہوں تو دونوں ہی کھانے کے لیے لقمہ لیں گے، ہوسکتا ہے کہ میں جو لقمہ لے رہا ہوں، اس پر آپ کی نظر پڑی اور آپ اس کو لینا چاہتے تھے لیکن میرا ہاتھ پہلے وہاں پہنچا اور میں نے اس کو اٹھالیا، یہی حال ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں ہوسکتا ہے، اس لیے فرمایا کہ اس کی وجہ سے میں اپنی ماں کے ساتھ نافرمانی کرنے والا نہ لکھا جاؤں، اس لیے میں ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا، پہلے ماں کو کھلاتے تھے، اس کے بعد خود کھاتے تھے، ان کے ساتھ نہیں کھاتے تھے، اتنی زیادہ اطاعت اور فرماں برداری اور راحت رسانی کا اور ایذا رسانی سے بچنے کا اہتمام تھا۔

حضرت حَیوَہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ کی اطاعت گزاری

ایک بڑے محدث ہیں حضرت حَیوَہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ، حدیث کا درس دیتے تھے، شاگردوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا تھا اور مسجد بھر جاتی تھی، حدیث پڑھنے کے لیے آنے والوں کو حدیث پڑھا رہے ہیں اور ماں آواز دیتی ہے: حیوہ! جاؤ، مرغیوں کو دانہ ڈال دو۔ چنانچہ سبق روک کر کے اٹھتے تھے اور جا کر مرغیوں دانہ ڈالتے تھے اور پھر آ کر کے اپنا باقی سبق پڑھاتے تھے[1]۔ اتنے بڑے محدث اور اپنی ماں کی اطاعت کا یہ عالم تھا۔

---

(۱) العقد الفريد لأبي عمر، شهاب الدين المعروف بابن عبد ربه الأندلسي (المتوفى: ۳۲۸) [الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت]: ۲/۹۸.

والدہ کو بچھو کی ایذا سے بچانے کے لیے حضرت کہمس رحمۃ اللہ علیہ کا خود کو ایذا پر پیش کر دینا

حضرت کہمس رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت بڑے عالم ہیں، ایک مرتبہ گھر کے اندر بچھو نکلا، اس کو مارنے کے لیے آگے بڑھے تو وہ بل میں گھس گیا، انھوں نے اس کو پکڑنے کے لیے اس بل کے اندر اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ نے اپنا ہاتھ بل کے اندر ڈال دیا، کہیں کاٹ نہ لے تو فرمایا کہ اگر میں ہاتھ ڈال کر اس کو نہ نکالتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بعد میں باہر نکلے اور میرے گھر میں میری ماں اکیلی ہے، کہیں ان کو کاٹ لیتا تو کیا ہوتا، بھلے میرے ہاتھ کو کاٹ لے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن میری ماں کو کاٹنا نہیں چاہیے [۱]!۔

والدہ کے سوال کے جواب میں آواز بلند ہونے پر دو غلام کی آزادی

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے یا حضرت کہمس رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کی والدہ نے کوئی سوال کیا تو جواب میں ان کی آواز والدہ کی آواز سے بلند ہو گئی تو اس کی توبہ میں دو غلام آزاد کیے۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ کا ادب

---

(۱) حلية الأولياء وطبقات الأصفياء[دار الكتب العلمية- بيروت]:۶/۲۱۱، كَهْمَسُ الدَّعَّاءُ
وَمِنْهُمُ الْوَرِعُ الْبَكَّاءُ كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ أَبُو عَبْدِاللهِ الدَّعَّاءُ.

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ جب ان کی والدہ ان کو کوئی حکم دیتی تھی تو اس کو فوراً بجالاتے تھے اور اگر سمجھ میں نہیں آیا تو پلٹ کر یہ نہیں پوچھتے تھے کہ اماں جان! کیا کہا؟ بلکہ باہر نکل کر کے دوسروں کو پوچھتے تھے کہ میری ماں نے کیا کہا تھا؟ تا کہ اس پر عمل کر سکیں۔

حضرت مسعر بن کُدام رحمۃ اللہ علیہ کا والدہ کے لیے صبح تک پانی لے کر کھڑے رہنا

ایک دوسرے بہت بڑے عالم ہیں جن کا نام ہے (حضرت) مسعر بن کُدام رحمۃ اللہ علیہ، رات کو ان کی ماں نے آواز دی: بیٹا پانی پلاؤ تو فوراً اٹھے اور پانی لے کر کے آئے لیکن اتنی دیر میں تو ان کی ماں کی آنکھ لگ گئی تو صبح تک پانی لے کر کھڑے رہے، جگایا نہیں کہ کہیں نیند خراب نہ ہو جائے، خود بیدار ہوں گی تو پانی پلا دوں گا، اسی انتظار میں صبح ہو گئی اور وہ وہیں کھڑے رہے[1]۔

یہ ہمارے اکابر کا اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا مزاج تھا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کو پہچانا جائے، ہمیں پروان چڑھانے میں انھوں نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور ان کا جو حق اللہ تعالیٰ نے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، اس حق کی ادائیگی کی کوشش کی جائے۔

---

(۱) البر والصلة لابن الجوزي [الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت - لبنان] ص:۸۸، اَلْبَابُ الثَّانِي عَشَرَ فِي ذِكْرِ مَنْ كَانَ يُبَالِغُ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم: ۹۵.

اولاد کے لیے ماں باپ کے جذبات اور ماں باپ کے لیے اولاد کے جذبات کا فرق

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کے لیے بے حساب قربانیاں دیتے ہیں، بے شمار تکلیفیں اٹھاتے ہیں، بزرگوں نے لکھا ہے کہ بچہ جب بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، ان کا سکون غارت ہو جاتا ہے، نہ ان کو بھوک محسوس ہوتی ہے، نہ نیند آتی ہے، ان کے دل میں بس ایک تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا بچہ صحت یاب ہو جائے، اس کو شفا مل جائے۔ وہ اپنا سب کچھ قربان کر کے اپنی اولاد کی تن درستی اور اس کی صحت کی دعائیں کرتے ہیں۔

ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولاد اس کی خدمت کرتی ہے لیکن اس کے دل میں یہ جذبہ نہیں ہوتا کہ میں اپنی زندگی ماں باپ کے لیے قربان کر دوں، وہ تو دل ہی دل میں یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! عافیت کے ساتھ ماں باپ کو اٹھا لے، اس کے بر عکس ماں باپ بچے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، اگر بچہ بیمار ہو جائے تو وہ تو اس کے لیے بھی تیار ہوتے ہیں کہ ہماری زندگی لے کر بھی اس کو تن درستی اور صحت مل جائے۔

بچہ کیسا ہی ہو، بیٹا فرماں بردار ہو، خدمت گزار ہو لیکن ماں باپ جب بالکل معذور ہو جائیں، مجبوری کی آخری حدود میں پہنچ جائیں تو بیٹا دعا کرنے لگتا ہے کہ یا اللہ! اب ان کو عافیت کے ساتھ اٹھا لے۔ یہ فرق ہے ماں باپ کے درمیان میں اور اولاد

کے درمیان میں۔

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کلامِ پاک میں ماں باپ کے حقوق کو ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ماں باپ کے بڑے حقوق ہیں، ان کی اطاعت وفرماں برداری، ان کی راحت رسانی اور خدمت گزاری کی بڑی اہمیت ہے۔

اللہ کی رضا اور ناراضگی باپ کی رضا اور ناراضگی میں ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ کہ: اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے[۱]۔ باپ راضی ہے تو اللہ تعالیٰ راضی ہے اور باپ ناراض ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔

تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے

ان ہی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَلَا عَاقٌّ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ کہ: جو آدمی احسان کر کے جتلاتا ہے اور جو ماں باپ کا نافرمان

---

(۱) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ، رقم الحدیث: ۱۸۹۹۔

ہے اور جو شراب کا عادی ہے، یہ تینوں جنت میں نہیں جائیں گے (۱)۔

ماں باپ تمھاری جنت بھی ہیں اور جہنم بھی

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَى وَلَدِهِمَا؟ کہ اے اللہ کے رسول! اولاد کے اوپر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ: وہ تمھاری جنت یا تمھاری جہنم ہے یعنی تم اگر اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو گے تو تمھاری جنت ہے اور اور اگر تم ان کے ساتھ برائی کا سلوک کرو گے تو وہ تمھاری جہنم ہیں۔ گویا وہ تمھیں جنت میں بھی لے جاسکتے ہیں اور جہنم میں بھی لے جاسکتے ہیں (۲)۔

ماں باپ جنت کے دو دروازے ہیں یا جہنم کے

حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ تعالی عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: من أصبح مرضيا لِأَبَوَيْهِ أصبح لَهُ بَابَانِ مفتوحان إِلَى الْجَنَّة، وَمن أَمْسَى فَمثل ذَلِك کہ: جس آدمی نے اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اللہ تعالیٰ کے واسطے کی، اللہ تعالیٰ کے واسطے ان کا ادب واحترام کیا تو ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے، وَمن أصبح مسخطا لِأَبَوَيْهِ

---

(۱) سنن النسائی، الرِّوَايَةُ فِي الْمُدْمِنِينَ فِي الْخَمْرِ، رقم الحديث: ۵۶۷۲.

(۲) سنن ابن ماجه، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم الحديث: ۳۶۶۲.

أصبح لَهُ بَابَانِ مفتوحان إِلَى النَّار، وَمن أَمْسَى مثل ذَلِك: اور اگر ان کی نافرمانی کی، ان کو تکلیف اور ایذا پہنچا کر ان کو ناراض کیا، ان کا دل دکھایا تو جہنم کے دو دروازے کھول دیے جائیں گے، وَإِن كَانَ وَاحِدًا فواحدا: اور اگر ان میں سے کوئی ایک ہی موجود ہے اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے تو جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اگر نافرمانی کرتا ہے، جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے والدین کی یا دونوں میں سے ایک کی نافرمانی کرتا ہے تو جہنم کے دونوں یا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: وَإِنْ ظَلَمَا؟ اے اللہ کے رسول! اگر ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو تو؟۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ بھی حق اور انصاف سے ہٹ کر باتیں کرتے ہیں، اس لیے اس آدمی نے پوچھا کہ اگر ماں باپ کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہے اور اس کے نتیجے میں یہ آدمی ان کی بات نہیں مانتا اور نافرمانی کرتا ہے تو بھی یہ حکم ہے؟۔

کن امور میں والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی؟

اگر ماں باپ میں سے کوئی یا دنیا کا کوئی بھی آدمی ایسے کام کا حکم دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی بات مانی نہیں جائے گی، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اصول بتلا دیا ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي

مَعْصِيَةِ الخَالِقِ[1] کہ: جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو، وہاں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔

شوہر کی اطاعت عورت کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمادیا کہ اللہ تبارک وتعالی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا میں کسی کو حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے سجدہ کریں[2]۔

اس سب کے باوجود اگر شوہر بیوی کو کوئی ایسا حکم دیتا ہے جس کو بجالانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہے تو عورت کے لیے اس کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔

جائز کام والدین کے حکم کی وجہ سے واجب ہوجاتا ہے

لیکن اگر کوئی جائز کام ہے اور ماں باپ اس جائز کام کا حکم کرتے ہیں تو ان کے اس حکم کی وجہ سے وہ جائز کام واجب ہوجاتا ہے۔ جائز کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے کہ کرے یا نہ کرے۔

جیسے آپ کے یہاں ایک سے زیادہ مسجدیں ہیں تو آپ باجماعت نماز کسی بھی مسجد کے اندر پڑھ سکتے ہیں، کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنا کوئی واجب اور ضروری نہیں

---

(۱) شرح السنة للبغوی [الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت]: ۱۰/ ۴۴، عَنِ النَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، بَابُ الطَّاعةِ فِي الْمَعْرُوفِ، رقم الحديث: ۲۴۵۵.

(۲) سنن أبي داود، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللّٰہ تعالی عنه، كِتَاب النِّكَاحِ، بَابٌ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ، رقم الحديث: ۲۱۴۰.

ہے، کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اگر ماں باپ میں سے کوئی حکم کرے کہ آج تمھیں عشاء کی نماز فلاں مسجد کے اندر پڑھنی ہے، میں اس کا تمھیں حکم دیتا ہوں تو اب عشاء کی نماز اس متعین مسجد میں پڑھنا واجب اور ضروری ہو جائے گا۔

والدین اولاد سے کسی کام کا مطالبہ کس طرح کریں؟

اسی لیے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر والدین اپنی اولاد سے کوئی کام لینا چاہیں تو یوں نہ کہے کہ بیٹا! فلاں کام کرو، اس لیے کہ اگر ایسا کہا اور اولاد نے نہیں کیا تو اولاد نافرمان اور گنہگار ہو جائے گی، ماں باپ کو چاہیے کہ اولاد کو یوں کہے کہ بھائی! یہ کرلو تو اچھا ہے، ایسا کرلو تو مناسب ہے، گویا اپنی پسندیدگی اور خواہش ان کے سامنے ظاہر کرے اور اولاد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کے رتبے اور حقوق کو مدنظر رکھے۔

شریعت انسان کو گناہوں سے بچانے کا کتنا اہتمام کرتی ہے! شریعت کی تعلیم پر قربان جایئے! ایسے ایسے آداب سکھلائے کہ ماں باپ کو بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر اولاد سے کوئی کام لینا ہے تو ان کو حکم مت کرو کہ یہ کام کرو، اس لیے کہ اگر تم نے اس طرح حکم دیا اور اولاد نے وہ کام نہیں کیا تو تمھاری اولاد گنہگار ہوگی اور اولاد گنہگار ہوگی تو والدین کو ہی پریشانی اٹھانی پڑے گی، اس لیے کہ اولاد گنہگار ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو سزا ہوگی اور ماں باپ اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے اپنی اولاد کو ''یوں کرو'' یہ کہنے کے بجائے یہ کہو کہ ''تمھاری بھلائی اسی میں ہے''، بس اپنی خواہش کا اظہار کر دو اور اولاد کو ان کی بھلائی بتلا دو تو اس صورت کے اندر اولاد وہ کام نہیں کرے گی تو بھی گنہگار

نہیں ہوگی۔

والدین کے ساتھ ان کے ظلم کے باوجود حسنِ سلوک واجب ہے

بہرحال! ایک صحابی نے سوال کیا: وَإِنْ ظَلَمَا؟: اگر والدین کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو تو بھی ان کی نافرمانی کرنے پر جہنم کے دو دروازے کھل جائیں گے؟، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: وَإِن ظلما وَإِن ظلما وَإِن ظلما: چاہے ان کی طرف سے ظلم ہو، چاہے ان کی طرف سے ظلم ہو، چاہے ان کی طرف سے ظلم ہو[1]۔ یعنی اگر ان کی طرف سے ظلم ہوتا ہو تو تم بھی انتقامی کارروائی کے طور پر ان کی نافرمانی کرو، یہ جائز نہیں ہے، وہ چاہے تمھارے ساتھ جو بھی سلوک کریں، تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ان کے ساتھ بدسلوکی کرو، وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، ہم ان کی اولاد ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی خدمت کرتے رہیں۔

ماں باپ سے بدلہ لینے کی شریعت نے اولاد کو اجازت نہیں دی

اولاد کو شریعت نے یہ نہیں حق دیا کہ وہ ماں باپ سے انتقام اور بدلے کی کارروائی کرے، بعض ماں باپ ظلم وزیادتی کرتے ہیں، ایسے ہوتے ہیں، ان کو بھی اللہ کے یہاں جانا ہے اور وہاں اس کا جواب دینا ہے لیکن اس کی وجہ سے شریعت اولاد کو ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتی، نبیٔ کریم صلی

---

(۱) إحياء علوم الدين[الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۲/۲۱۶، كِتَابُ آدَابِ الْأُلْفَةِ وَالْأُخُوَّةِ وَالصُّحْبَةِ وَالْمُعَاشَرَةِ مَعَ أصناف الخلق.

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

دورِ حاضر میں والدین اولاد کے لیے بوجھ بن گئے ہیں

ماں باپ کے معاملے میں آج کل غفلت بہت زیادہ ہوگئی ہے، نوجوان طبقے کا جو حال ہے، اس کی وجہ سے ماں باپ کی حالت ابتر ہوتی جارہی ہے، بڑھاپے کی عمر کے اندر ان بے چاروں کی کوئی خیر خبر لینے والا نہیں، جیسے یورپ اور امریکہ کے ممالک میں بوڑھوں کے واسطے اولڈ ہاؤس (oldhouse) ''بوڑھا گھر'' ہوا کرتے ہیں اب تو لوگ یہاں پر بنانے کا سوچ رہے ہیں، سورت میں پارسیوں کا تو ہے ہی، آپ لوگ جانتے ہیں، بہت پرانی چیز ہے، بہر حال! اب یہ ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں ماں باپ کو وہاں پہنچا دیا جاتا ہے اور فیس (fees) بھر دی جاتی ہے۔

اس دور میں والدین کی نمازِ جنازہ کے لیے بھی اولاد کے پاس وقت نہیں ہے

ایک صاحب نے ایک آدمی کے باپ کا واقعہ بیان کیا کہ اسی طرح کے اولڈ ہاؤس (oldhouse) کے اندر داخل کر دیا تھا، وہاں اس کا انتقال ہوگیا تو ذمہ داروں نے اس کو فون کیا کہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا ہے، آپ آجایئے! تو اس نے کہا کہ میرے پاس فرصت نہیں ہے، آپ اس کی تجہیز وتکفین کرالیں، میں اس کا علیحدہ خرچ دے دوں گا، اندازہ لگایئے، یہ حال ہے۔

بہر حال ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی طرف خاص طور پر توجہ کی

جائے۔ ان کی اطاعت وفرماں برداری کا اہتمام کیا جائے۔

قدرت کا قانون ہر شخص کے لیے برابر ہوتا ہے

قدرت کا ایک قانون ہے اور یاد رکھئے کہ قدرت اپنا قانون جاری کرنے کے لیے کسی کی رعایت نہیں کرتی، ''کسے باشد'' کوئی بڑے سے بڑا ہو، قدرت اپنا یہ قانون جاری کر کے رہے گی، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے تو اس کے نتائج آپ کو دنیا میں ملیں گے، اچھے پھل نصیب ہوں گے اور اگر ماں باپ کی نافرمانی کی ہے، ان کو ایذا پہنچائی ہے تو اس کے برے نتائج بھی بھگتنے پڑیں گے۔

مجلس وعظ میں توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی برکت اور بے توجہی کی نحوست

(مجلس میں کچھ انتشار ہونے لگا تو حضرت دامت برکاتہم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:) بھائیو! ایسی باتوں کی طرف توجہ مت کرو، آپ کی ایسی حرکت کی وجہ سے بولنے والا جب بولتا ہے تو اس کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے اور جن باتوں کا ورود ہو رہا ہو، وہ رک جاتا ہے، اس لیے آپ کا حق تو یہ ہے کہ آپ بیان کرنے والے کی طرف توجہ سے دیکھتے رہیں۔ یہ جو میچ دیکھنے والے میچ دیکھتے ہیں، تماشا دیکھنے والے تماشا دیکھتے ہیں، ساری دنیا ان کے پاس سے وہاں سے گذرتی ہے، کبھی کوئی ان کی طرف توجہ کرتا ہے؟ ہماری اس دینی مجلس کی کوئی قدر ہی نہیں، جہاں سامنے سے کوئی بچہ گذرا تو اس کو دیکھتے ہیں، کسی شور کی آواز سنتے ہیں تو سب اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ غلط حرکت ہے، دین کی باتوں کی قدر کرو۔

جو بات ہو رہی تھی، اب وہ یاد نہیں آ رہی ہے، اللہ اور رسول کی بات کی طرف بے توجہی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، اللہ اور رسول کی بات کی طرف بے توجہی مجلس کی برکت کو ختم کر دیتی ہے اور اس کی طرف توجہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ بولنے والے کے دل میں کام کی باتیں ڈالتے رہتے ہیں، اس میں میری کوئی تخصیص نہیں ہے، اللہ اور رسول کی بات کرنے والے ہر آدمی کے ساتھ یہی بات ہے اور جب بے توجہی ہوتی ہے تو قدرت کی طرف سے یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، میں کوئی بے حس مشین نہیں ہوں کہ بولتا ہی چلا جاؤں اور اطراف و جوانب میں ہونے والے خلفشار و انتشار کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہو، میں بھی آدمی ہوں، اس کا اثر ہوتا ہے، اس لیے جس کے پاس موبائل ہو، مہربانی کر کے اس کو بند کر دے؛ تاکہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہو، آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔

بہرحال! قدرت نے ایک نظام بنایا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیسا نوازا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین سب کے لیے یکساں ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو جو پیدا فرمایا ہے، کائنات کے اس نظام کو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے چلایا جا رہا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرر کردہ ان اصول اور قوانین کے مطابق اس کائنات کا کاروبار اور نظام چل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرر کردہ ان اصول میں کسی کے لیے کوئی فرق نہیں کیا ہے، کوئی بھی ہو، جو اس کی زَد میں آئے گا، اس پر اللہ کا اصول جاری ہو کر کے رہے گا، چاہے وہ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ ہو یا پھر ادنیٰ درجے

کی رعایا ہو، کوئی بھی ہو۔

عفت و پاک دامنی کے متعلق قدرت کا ایک قانون

جیسے ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عِفُّوْا تَعِفُّوْا نِسَاؤُکُمْ: تم پاک دامن رہو تو تمھاری بیویاں پاک دامن رہیں گی (۱)۔

آج کل ہمارے معاشرے میں جو لوگ برائی میں ملوث ہوتے ہیں، زنا کاری و بدکاری میں مرتکب ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں سوچتے کہ میں جو حرکت کرنے جا رہا ہوں، میری اس حرکت کے اثرات کہاں تک پہنچنے والے ہیں، میری اس حرکت کے نتیجے میں کون کون اس حرکت کے مرتکب ہونے والے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ خود پاک دامن رہو تو تمھاری بیویاں پاک دامن رہیں گی اور اگر خدا نخواستہ تم نے پاک دامنی کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا تو تمھاری بیویاں بھی اسی برائی کے اندر مبتلا ہو جائیں گی۔

زنا کی ایک دنیوی نحوست: بیوی کے ساتھ جماع کی لذت سے محرومی

---

(۱)(٤٥) [حديث] عفوا تعفوا نساؤكم.و (٤٦) [حديث] ما زنى عبد قط فأدمن على الزنا إلا ابتلي في أهله (عد) من حديث ابن عباس من طريق إسحاق بن نجيح ولا يصحان (قلت) لم يتعقبهما السيوطي ويشهد لهما الحديث المتعقب بعدهما وشواهده والله أعلم.(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة[الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۲/۲۲۷، كتاب الأحكام والحدود، الفصل الثانى)

ایک اور حدیث کے اندر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا تَزْنُوا فَتَذْهَبْ لَذَّةُ نِسَائِكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ کہ: تم زنا مت کرو، ورنہ اس زنا کے نتیجے میں، اس کی نحوست سے تمھاری اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کی جو لذت حاصل ہو سکتی ہے، وہ ختم ہو جائے گی۔ جو لوگ زنا کاری کے اندر مبتلا ہوتے ہیں تو ان کو اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے جو لذت محسوس ہونی چاہیے، اس سے وہ محروم کر دیے جاتے ہیں، ان کو وہ لذت محسوس نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے۔

اور پھر آگے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ بَنِي فُلَانٍ زَنَوْا فَزَنَتْ نِسَاؤُهُمْ[1]: فلاں قبیلے کے لوگ زنا میں مبتلا ہوئے تو ان کی عورتیں بھی زنا میں مبتلا ہو گئیں۔

واقعات اس اصولِ خداوندی کی شہادت دیتے ہیں، بہت سارے واقعات اس سلسلے میں ہمارے پاس شکایت کے طور پر آتے ہیں۔ ایک صاحب نے واقعہ سنایا کہ ایک جگہ پر ایک صاحب رہتے تھے، ان کا بیٹا تھا، اس نے اپنا الگ مکان بنوایا اور باپ سے الگ رہنے لگا، اس کی بیٹی بیاہی ہوئی تھی، یہ اپنی بیٹی کے گھر گیا اور داماد کو بتایا

---

[1] وَفِي اللآلئ لَا يَصح «الْمَرْأَةُ لُعْبَةُ زَوْجِهَا فَإِنِ اسْتَطَاعَ أن يحسن لعبته فَلْيفْعَل» وَقَالَ لَا تَزْنُوا فَتَذْهَبْ لَذَّةُ نِسَائِكُمْ وَعِفُّوا تَعِفُّ نِسَاؤُكُمْ إِنَّ بَنِي فُلَانٍ زَنَوْا فَزَنَتْ نِسَاؤُهُمْ «لَا يَصح قلت لَهُ شَاهد للْحَاكِم» مَا زَنَى عَبْدٌ قَطُّ فَأَدْمَنَ عَلَى الزِّنَا إِلا ابْتُلِيَ فِي أَهله" فِيهِ كَذَّاب.(تذكرة الموضوعات للبتنى[الناشر: إدارة الطباعة المنيرية]ص: ۱۷۹، بَابُ حُدُودِ الرِّدَّةِ وَالزِّنَاوَوَلَدِهِ واللواطة وَالسَّرِقَة وَالْقَذْف للذِّمِّيِّ وَالْعَبْدوَغَيرهَا الخ)

کہ میرے بیٹے نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے، اب میری دیکھ بھال کون کرے گا تو داماد نے کہا کہ آپ بھی یہاں رہ جائیے۔ چنانچہ اس نے اپنے خسر کو اپنے گھر رکھ لیا۔ یہ خسر زنا کا عادی تھا اور ایک عورت کے ساتھ اس کی یاری تھی، اس کے ساتھ ملوّث تھا اور اسی زانیہ عورت کا بیٹا اس آدمی کی بیٹی کے ساتھ ملوّث تھا، ایسے تو بے شمار واقعات ہیں۔

والدین کی اطاعت ونافرمانی کے بارے میں ایک قانونِ قدرت

ایسا ہی ایک اصول والدین کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کے متعلق بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بِرُّوا آبَاءَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ: تم اپنے ماں باپ کی بات مانو، تمھاری اولاد تمھاری بات مانے گی [1]۔

ہے یہ گنبد کی صدا	❁	جیسی کہے، ویسی سنے

اگر ہم نے ماں باپ کی نافرمانی کی ہے تو ہماری اولاد بھی ہماری نافرمانی ہی کرے گی، اس وقت انسان کو یاد آتا ہے کہ یہی معاملہ اور سلوک ہم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا تھا، اب ہماری اولاد ہمارے ساتھ بھی وہی سلوک اور معاملہ کر رہی ہے؛ اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اس کا آسان نسخہ یہی ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان کی خدمت کریں، ان کا کہنا مانیں، اطاعت کریں تو ہماری اولاد بھی ہمارے ساتھ اسی طرح کا حسنِ سلوک

---

(۱) المستدرك على الصحيحين [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۱۷۱/۴، عن جابر، رضي الله عنه، كتاب البر والصلة، رقم الحديث: ۷۲۵۹۔

کرے گی، ورنہ اگر خدانہ کرے، کسی نے اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کی تو زندگی ہی میں اس کو اس کی سزا اور بدلہ بھگتنا پڑے گا۔

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا اصول اور قانون یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے یا نافرمانی کرے تو فرماں برداری کا اچھا بدلہ اور ثواب اللہ تعالیٰ آخرت میں دیں گے، اسی طرح نافرمانی کا برا بدلہ اور سزا بھی اللہ تعالیٰ آخرت میں دیں گے، البتہ اس دنیا میں کبھی کبھی دوسرے لوگوں کی عبرت کے لیے اچھا یا برا بدلہ دے دیتے ہیں، ورنہ قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے، دنیا میں اچھے یا برے اعمال ہوتے ہیں، ان کا بدلہ نہیں، اس کا اچھا یا برا بدلہ ملنے کی جگہ آخرت ہے، یہاں اس کا کما حقہ بدلہ نہیں ملتا۔ دنیا میں بڑے سے بڑا گنہگار گناہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، کفر وشرک جو سب سے بڑا گناہ ہے، اس کی بھی سزا یہاں نہیں دی جاتی، آخرت میں ان سب کو دیکھ لیا جائے گا۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور نافرمانی کے بارے میں تو قدرت کا یہ قانون ہے لیکن والدین کی فرماں برداری اور نافرمانی کا اصول جدا ہے۔

والدین کی ایذا رسانی کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتے ہیں

چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ الذُّنُوبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَاءَ:** جتنے گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا، جن گناہوں کو چاہے گا، معاف فرما دے گا، صغیرہ اور چھوٹے گناہوں کو تو نیک اعمال کے ذریعہ بھی معاف کر دیا جاتا ہے

اور کبیرہ گناہ بھی توبہ کرے تو معاف ہو ہی جاتے ہیں اور اگر رہ جائیں گے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے لیکن آگے حضور صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: إِلَّا عُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّهُ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ: سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے کہ اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کی موت سے پہلے اس کی سزا دے دیں گے[1]۔

اگر ماں باپ کی نافرمانی کی ہے، ماں باپ کو تکلیف پہنچائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرتے بلکہ دنیا میں بھی اس کی سزا دے دیتے ہیں۔ بے شمار واقعات اس پر شاہد ہیں۔

ماں کو ستانے والے کی عبرت ناک کہانی عوام بن حوشبؒ کی زبانی

عوام بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بستی کے پاس سے میرا گذر ہوا، بستی کے آخر میں قبرستان تھا، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت وہاں ایک چارپائی پر بیٹھ کر سوت کات رہی ہے اور یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نوجوان جیسا- اس کا آدھا جسم تو انسان کی طرح لیکن چہرہ گدھے کی طرح تھا- نکلا، تین مرتبہ گدھے جیسی آواز نکالی پھر دوبارہ قبر میں چلا گیا اور قبر بند ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس بوڑھیا کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں پہچانتا، کہا کہ یہ جو آپ نے ابھی قبر سے جس جوان کو نکلا ہوا دیکھا، یہ اس کی

---

[1] شعب الإيمان، حَدِيثُ جُرَيْجٍ الْعَابِدِ فِي فَضْلِ حِفْظِ قَلْبِ الْأُمِّ، رقم الحديث: ۷۵۰۶.

ماں ہے، وہ شراب پی کر آیا کرتا تھا تو ماں اس کو سمجھاتی تھی کہ بیٹا! تو یہ کیا کرتا ہے، تو اللہ کی نافرمانی مت کر، شراب مت پی، اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کر لے تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ ''کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی، کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی'' یہ کہتا رہتا تھا۔ ایک دن عصر کے بعد اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے یہاں دفن کر دیا، جس دن سے دفن کیا ہے، روزانہ لوگ یہ منظر دیکھتے ہیں (۱)۔

بیٹے نے باپ کو ٹانگ میں رسّی ڈال کر وہاں تک گھسیٹا، جہاں تک اس نے اپنے باپ کو گھسیٹا تھا

قاضی ابو علی تنوخی ایک مؤرخ گذرے ہیں، ان کی کتاب ہے: نشوار المحاضرة، اس میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اس کو کھینچا اور کھینچتے کھینچتے بڑی دور ایک درخت کا جھنڈ تھا، جھاڑی تھی، وہاں تک لے گیا، جب وہاں تک لے گیا تو باپ نے کہا کہ بیٹا! بس، اب آگے مت لے جائیو! تو بیٹے نے کہا کہ ابا! کیا بات ہے کہ پہلے کچھ نہیں کہا اور اب روک رہے ہو! تو باپ نے کہا کہ میں نے بھی اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اسی طرح کھینچا تھا اور اس جگہ تک لایا تھا (۲)۔ تو بہر حال! یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور

---

(۱) البر والصلة لابن الجوزي [الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت - لبنان]، ص: ۱۱۱، الْبَابُ الْخَامِسَ عَشَرَ فِي ذِكْرِ عُقُوبَةِ الْعَاقِّ أُمِّهِ.

(۲) نشوار المحاضرة وأخبار المذاكرة: ۲/۲۰۱، كما تدين تدان.

گنبد کی صدا جیسی کہو، ویسی سنو۔ تاریخی واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

باپ کی کمر میں رسّا ڈال کر پانی کھنچوانے والا بیٹا اور اس کا دنیوی بدلہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک بوڑھے کی کمر کے اندر ایک بڑا رسّا باندھ کر کنویں میں سے کوس کھنچوا رہا ہے، کنویں میں سے پانی نکالنے کے لیے چمڑے کا ڈول ہوتا ہے، اس کو گجراتی میں کوس کہتے ہیں، وہ کھنچوا رہا ہے، حالاں کہ ایسا کوس تو اونٹ اور اس جیسے جانور کے ذریعہ کھنچوایا جاتا ہے لیکن یہ آدمی ایک بوڑھے سے وہ کوس کھنچوا رہا تھا۔ امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کے بندے! تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بوڑھے آدمی سے اتنا سخت کام لے رہا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ یہ تو میرا باپ ہے تو انھوں نے کہا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ، بوڑھا بھی ہے اور تیرا باپ بھی ہے، اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے، یہ تو اور بھی زیادہ خطرناک بات ہے! تو اس نے جواب دیا کہ اس نے بھی اپنے باپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا[1]۔

تو ماں باپ کو تکلیف پہنچانے کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتے ہیں، جو لوگ اس کو دیکھتے ہیں، اگر ان کو اللہ تعالیٰ عمر دے گا تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس کی اولاد اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی، اس لیے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

باپ کو طمانچہ رسید کرنے والے کو اس کے بیٹے کا طمانچہ

---

[1] المحاسن والمساوئ لإبراهيم بن محمد البيهقي، ص: ۲۳۵، مساوئ عقوق البنين.

ہمارے ایک ملنے والے محبت کرنے والے دوست ہیں، وہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا، میرے والد صاحب گھر سے باہر آنگن میں چار پائی ڈال دیتے تھے، ایک مرتبہ والد صاحب اس چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی ان کے پاس تھا، قریب میں باپ بیٹے کے درمیان کچھ تلخ کلامی چل رہی تھی تو بیٹے نے اٹھا کر باپ کو طمانچہ مار دیا۔ یہ دیکھ کر میرے والد صاحب نے مجھے کہا کہ بیٹا! دیکھو! اس نے جو اپنے باپ کو طمانچہ مارا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیں گے اور اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ یہ سلوک ضرور کرے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرے والد صاحب کا تو انتقال ہو گیا اور اس کے لڑکے کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس لڑکے کے یہاں بھی لڑکا ہوا جو آگے چل کر جوان ہوا، ایک مرتبہ ان دونوں باپ بیٹے میں بھی کسی بات پر جھگڑا ہوا تو اس لڑکے کے بیٹے نے زور سے اٹھا کر طمانچہ مار دیا۔ دیکھیے! دنیا ہی میں اس کی سزا اس کو مل گئی۔ جو والدین کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے، ویسا بدلہ پاتا ہے، یہ ہے: ؎

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے، ویسی سنے

یہی قدرت کا قانون ہے جو ہمیں ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بتلادیا ہے، یہ قانون بدل نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا ارشد مدنی کا بیان کردہ ایک عجیب واقعہ

حضرت مولانا ارشد صاحب کی زبان سے سنا ہے کہ دیوبند کے ایک دوکان دار نے مجھ سے کہا کہ فلانی دوکان پر جو بوڑھا بیٹھا ہے، یہ دوکان اس کے باپ دادا کے

زمانے سے چلی آ رہی ہے، ایک مرتبہ یہ شخص اپنی جوانی کے زمانے میں آیا اور اپنے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچ کر نالی کے اندر ڈال دیا۔

اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اولاد میں اس کے یہاں صرف چار بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہیں تھا۔ وہ دوکان دار مولانا سے کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ واقعہ میرے دل ودماغ میں گھومتا رہتا تھا، میں سوچنے لگا کہ میں نے علماء سے سن رکھا ہے کہ جو آدمی اپنی ماں یا باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو اس کی اولاد اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے، اس نے اپنے باپ کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور اس کی اولاد میں کوئی لڑکا تو ہے نہیں تو یہ بات کیسے درست ہوگی!۔ وہ آدمی کہتا ہے: ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کی چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی دوکان پر برقعہ پہن کر آئی اور اس نے اس بوڑھے دوکان دار کو اسی طرح ہاتھ پکڑ کر نیچے گرایا، جیسے اس نے اپنے باپ کو گرایا تھا اور نالی میں ڈال دیا۔ یہ ہے: جیسا کروگے، ویسا بھروگے، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ[①]۔

ماں باپ کی فرماں برداری اور نافرمانی کے متعلق ایک ڈاکٹر کے بیان کردہ عبرت خیز واقعات

---

①قَوْله: »كَمَا تدين تدان« .هَذَا مثل مَشْهُور، وَحَدِيث مَرْفُوع أخرجه الْبَيْهَقِيّ فِي »الْأَسْمَاء وَالصِّفَات« بِسَنَد ضَعِيف، وَله شَاهد مُرْسل.وَمَعْنَاهُ: كَمَا تجازي تجازى.(الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي[الناشر: دار العاصمة - الرياض]: ۱/۱۰۳، سُورَة الْفَاتِحَة، رقم الحديث:٦)

ایک ڈاکٹر ہیں نور احمد نور، کراچی کے رہنے والے، ان کا ایک رسالہ ہے، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی ڈاکٹری کی پوری لائف میں دیکھا کہ جو لوگ اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو خطرناک بیماریوں سے نجات بھی دیتے ہیں، ایسی بیماریاں کہ جن کا کوئی علاج ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی بیماریوں سے بھی ماں باپ کی دعاؤں اور ان کی خدمت کی برکت سے ان کو شفا اور تن درستی عطا فرماتے ہیں اور جب ان کی موت آتی ہے تو بڑی اچھی موت آتی ہے اور جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانیاں کرتے ہیں، ان کی موت بھی بری آتی ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے کئی قصے لکھے ہیں۔

والدہ کی دعا نے خطرناک حالت میں بھی کلمہ نصیب کردیا

ایک پروفیسر تھا، ان کے اوپر دل کا دورہ پڑا، ہارٹ اٹیک ہوا، دورہ بڑا سخت تھا، بچنے کی کوئی امید نہیں تھی، ہم ڈاکٹر لوگ ان کے علاج میں مشغول تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو علاج میں مشغول تھے اور اس کی ماں دعا میں مشغول تھی اور کہہ رہی تھی کہ یا اللہ! میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، تو بھی راضی ہوجا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی بچنے کی تو کوئی امید تھی ہی نہیں، میں نے دیکھا کہ جب ان کی آخری گھڑی آئی تو ہوش وحواس ٹھکانے ہیں اور زور سے کلمہ پڑھا اور دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہ ماں کی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کلمہ والی موت نصیب فرمائی۔

ماں باپ کی دعا نے لاعلاج مریض کو شفایاب کردیا

ایک اور واقعہ لکھا ہے، بڑی عبرت کا ہے کہ ایک آدمی تھا جس کو آخری درجے کا یرقان: پیلیا ہو گیا تھا اور یہ آخری درجے میں بڑا خطرناک ہوتا ہے اور پیٹ میں پانی بھی بڑھ گیا تھا اور گردے بھی فیل ہو گئے تھے۔ مجھے اس کے علاج کے واسطے بلایا گیا، مجھ سے پہلے ۱۷/ڈاکٹر اس کا علاج کر چکے تھے اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا کہ یہ اب لاعلاج ہو چکے ہیں اور کبھی بھی موت آسکتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے بلایا گیا، اس کی حالت دیکھ کر میں نے بھی کہا کہ بات تو ان ڈاکٹروں کی صحیح ہے، میں نے ان کے ماں باپ سے کہا کہ ان کے علاج کا سنت طریقہ اختیار کرو: کچھ صدقہ کرو، دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہے۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میرے کہنے پر انھوں نے عمل کیا اور نماز پڑھ کر بڑی گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، انھوں نے یہ عمل جاری رکھا۔ تیسرے روز دیکھا کہ اس کی بیماری دور ہونے لگی ہے اور کچھ دنوں میں مکمل تن درست بھی ہو گیا۔

ہے یہ گنبد کی صدا، جیسی کہے، ویسی سنے

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ میرے ابّا کے ایک دوست تھے، ان کی ماں آخری حالت میں بسترِ مرگ پر تھی اور انھوں نے اپنی ماں کے ساتھ اسی بیماری کی حالت میں بدتمیزی کی اور اسی حالت میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

تین سال کے بعد یہ صاحب بیمار ہوئے، ان کو دست آنے لگے اور ان کے

علاج کے لیے میرے ابّا نے مجھے بلایا، میں دوسری جگہ تھا، میں وہاں سے آیا اور ان کے لیے میں نے علاج تجویز کیا کہ فلاں دوا ہو اور فلاں غذا ہو وغیرہ۔ وہ روتے ہوئے کہنے لگے کہ میرے تین بیٹے ہیں، جب سے میں بیمار پڑا ہوں، ایک نے بھی آ کر آج تک میری خبر نہیں لی ہے، اس کے بعد کہتے ہیں کہ اسی حالت میں اکیلے اکیلے ان کا انتقال ہوا۔ اس کی موت کے بعد صبح کے وقت محلے کے لوگوں نے دیکھا کہ اس کے جسم کے ساتھ چیونٹیاں چپکی ہوئی ہیں اور اس کو کاٹ رہی ہیں، چاٹ رہی ہیں، ایسی حالت میں اس کی موت آئی۔

بیوی کی خاطر ماں کی پٹائی کرنے والے کا عبرت ناک انجام

ایک اور نوجوان کے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی چالیس سالہ زندگی میں ایسی خطرناک موت کسی کی نہیں دیکھی، تین دن تک اس کے اوپر نزع کی حالت طاری رہی، کہتے ہیں کہ اس کے گردے فیل ہو گئے، اس وجہ سے اس کا چہرہ نیلا پڑ گیا، آنکھیں باہر نکل آئیں اور منہ سے ایسی آواز نکلتی تھی، جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو، تین دن تک اس طرح سکرات کی حالت میں رہا اور تیسرے دن تو اس کی یہ آواز اتنی بڑھ گئی کہ اس وارڈ کے اندر جو دوسرے مریض اور بیمار تھے، وہ سب اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگنے لگے پھر ہم نے اس کا بستر وہاں سے نکال کر کے الگ دوسرے روم میں رکھا تو وہاں سے بھی آوازیں آنے لگیں۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کا باپ کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب! اس کی یہ کیفیت دیکھی نہیں جاتی، اس کو زہر کا انجکشن لگا دو؛ تا کہ جلدی مر جائے۔ کہتے ہیں کہ میں نے

ان کے باپ سے پوچھا کہ یہ اس کے کون سے گناہ کی سزا ہے جو اس نے کیا تھا کہ اتنی خطرناک بیماری کے اندر مبتلا ہے؟ تو باپ نے جواب دیا کہ یہ اپنی بیوی کی خاطر اپنی ماں کی پٹائی کرتا تھا۔

یہ ہیں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی واقعاتی شہادتیں کہ ماں باپ کے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی کا اخروی بدلہ تو اپنی جگہ ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بھی اس کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں، اس لیے والدین کے معاملے میں بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔

بیوی کے لیے والدہ کو قتل کرنے کی کوشش کرنے والے کا بھیانک انجام

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ میرا ایک دوست ایک دیہات کے اندر گیا، وہاں سے آکر انھوں نے مجھ سے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا واقعہ بیان کیا کہ اس گاؤں میں ایک آدمی کے گھر میں اس کی بیوی اور ماں کے درمیان تکرار اور جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

علم دین سے ہمارے معاشرے کی مجرمانہ غفلت

یہ چیز تو ہر جگہ ہوتی ہے، ساس اور بہو میں تقریباً جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں، ایسی صورت میں بیوی کو محبت کے ساتھ سمجھایا جائے، ماں کو بھی ادب واحترام کے ساتھ سمجھایا جائے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے اور سماج میں شرعی احکام کی واقفیت نہیں ہے، ماں باپ بھی جاہل ہے اور بیوی بھی جاہل ہے اور جو تعلیم یافتہ ہیں، ان

کی بھی یہ کوشش نہیں ہوتی کہ گھر میں آ کر روزانہ اپنے گھر کے افراد کو جمع کر کے ان کے سامنے دین کی باتیں اور اصلاحی باتیں سنائی جائیں، حالاں کہ یہ تو ہمارا اور آپ کا فریضہ ہے کہ ہم روزانہ اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر بیٹھیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں، ان کی تعلیمات سے اور دین کے احکام سے ان کو واقف کرائیں، اگر اس طرح تربیت کا سلسلہ جاری رکھیں گے تو گھر میں چین وسکون کی فضا قائم ہوگی اور یہ جھگڑے، فساد ختم ہوں گے۔

لیکن ہم اپنے مشاغل میں ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس فرصت ہی نہیں ہے، اپنی اولاد کی طرف دھیان دینے کا، بیوی اور ماں باپ کی طرف دھیان دینے کا وقت ہی نہیں ہے، صبح کو اٹھ کر کام پر نکلے، دن بھر کام میں مشغول رہے اور گھر آ کر یہاں کے احوال سے غافل ہو گئے۔

بہر حال! اس آدمی کے گھر میں اس کی ماں اور بیوی کے درمیان جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور لڑ جھگڑ کر بیوی روٹھ کر اپنے والدین کے گھر چلی جاتی تھی، آخری مرتبہ جب بیوی اپنے میکے گئی اور یہ لینے کے لیے گیا تو اس نے ایک شرط رکھی کہ اپنی ماں کو قتل کر دو، اگر یہ شرط منظور ہو تو میں آنے کے لیے تیار ہوں۔ وہ بھی تنگ آ گیا تھا، شرط مان لی اور گھر لے کر آ گیا اور ماں کو کسی بہانے سے بہلا پھسلا کر کھیتوں کی طرف لے گیا، دور لے جا کر اس نے اپنی ماں کو قتل کرنے کے لیے کلہاڑی اٹھائی تو زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے، کلہاڑی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی، اب زمین اس آدمی کو اپنے اندر جذب کر رہی ہے، کھینچ رہی ہے، وہ چلا رہا ہے، معافی مانگ رہا ہے، ماں تو وہاں سے

بھاگ گئی، بہت دیر تک وہ چلاتا رہا، معافیاں مانگتا رہا، لوگ اس کی آوازیں سن کر اس کے پاس پہنچے تو وہ سینے تک دھنس چکا تھا، لوگوں نے اس کو بچانے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے اور وہ ختم ہو گیا۔

تو ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی ذرا سی بھی ناراضگی بہت خطرناک چیز ہے، اس سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

والدہ کی ناراضگی پر موت کے وقت کلمہ پڑھنے میں تکلیف، زمانۂ نبوی کا ایک واقعہ

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں ایک نوجوان صحابی تھے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالی عنہ، ان کی موت کا وقت قریب آ گیا، لوگ انھیں کلمہ تلقین کر رہے ہیں لیکن زبان پر کلمہ چڑھ نہیں رہا ہے، ان کی بیوی نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو کسی کے ذریعہ کہلوایا کہ یہ آپ کے صحابی ہیں اور ان کی موت کا وقت قریب ہے، کلمہ زبان پر چڑھتا نہیں ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی! ان کے والدین زندہ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ ہاں! اس کی ماں زندہ ہے اور وہ ناراض ہے تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس کی ماں پر کہلوایا کہ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے، تم یہاں میرے پاس آتی ہو یا میں تمھارے پاس آ جاؤں؟ تو اس نے کہلوایا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپ کو اپنے پاس آنے کی کیسے زحمت دے سکتی ہوں؟ میں

خود حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ وہ بوڑھیا آئی تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس سے اس کے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ ویسے تو نماز روزہ کا بڑا ہی پابند ہے، صدقے دینے والا، پابندی سے نماز پڑھنے والا، روزے رکھنے والا، تہجد پڑھنے والا لیکن اپنی بیوی کے معاملے میں وہ میری نافرمانی کرتا ہے، اپنی بیوی ہی کی بات مانتا ہے؛ اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر راضی ہو جاؤ تو بہت بہتر ہے، معاف کردو تو اچھی بات ہے، بوڑھیا نے کہا کہ نہیں، میں اس کو معاف نہیں کروگی۔ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: اے بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ جلاؤ اور اس میں علقمہ کو ڈالو۔ وہ بوڑھیا ڈر گئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بیٹے کو جلایا جائے گا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ہمارا عذاب اللہ کے عذاب کے مقابلے میں بہت آسان اور معمولی ہے، خدا کی قسم! جب تک تو اس سے راضی نہیں ہوتی، نہ اس کی کوئی نماز قبول ہے، نہ روزہ مقبول ہے۔

جب بوڑھیا نے یہ سنا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ جاؤ، دیکھو! علقمہ نے کلمہ پڑھا یا نہیں؟ تو لوگوں نے جا کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہاں! کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ

وسلم نے ان کو غسل دلوایا، تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا اور خود ان کے جنازے میں شریک ہوئے، نمازِ جنازہ پڑھائی، دفن کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تم میں سے جس نے بھی اپنی ماں کو ناراض کیا ہو، اس کو تکلیف پہنچائی ہو، اس کی نافرمانی کی ہو، اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، تمام لوگوں کی لعنت ہو، نہ اس کا کوئی فرض قبول ہے، نہ اس کا کوئی نفل قبول ہے، اللہ کی رضا ماں کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے، جب تک کہ ماں کو راضی نہیں کرے گا، اس کی کوئی عبادت قبول نہیں[1]۔

والدین کی نافرمانی کے ساتھ کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب تک آدمی ماں باپ کا ادب واحترام نہیں کرتا اور اُن کا شکر ادا نہیں کرتا اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ طبرانی کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **ثَلَاثَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهُنَّ عَمَلٌ: الشِّرْكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ**[2]: تین گناہ ایسے ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قبول نہیں: ایک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، دوسرا ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور تیسرا میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیرنا۔

---

(۱) تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي[الناشر: دار ابن كثير، دمشق - بيروت]:، ص:۱۲۶، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، بَابُ: حَقِّ الْوَالِدَيْنِ.

(۲) المعجم الكبير للطبراني، عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ ثَوْبَانَه، رقم الحديث: ۱۴۲۰.

تو ماں باپ کی نافرمانی بہت بڑا گناہ اور بہت خطرناک چیز ہے اور ماں باپ کی اطاعت وفرماں برداری، ان کی رضامندی اور راحت رسانی بہت اہم چیز ہے۔

والدین کی طرف ایک نظرِ رحمت پر ایک حج مبرور کا ثواب

ماں باپ کا درجہ تو اتنا بلند ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: " نَعَمْ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ.

کیا فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟ کہ: جو لڑکا اپنے ماں باپ کا مطیع اور فرماں بردار ہو، خدمت گزار ہو، اگر وہ ایک مہربانی کی نظر سے اپنے ماں باپ کو دیکھے گا تو اس کی ایک نظر پر اللہ تبارک وتعالیٰ اسے حج مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اتنا بڑا ثواب کہ ہر نظر پر ایک حج مبرور کا ثواب! اب چوں کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ معمولی کام اور محنت پر اتنا بڑا انعام نہیں ملتا، جیسے ہمارے یہاں کوئی کہے کہ یہ سوال جو کوئی حل کرے گا، اس کو ایک ہزار انعام ملے گا اور وہ سوال بڑا آسان ہے تو ہم پوچھیں گے نا کہ ہر ایک کو سوال حل کرنے پر ایک ہزار انعام ملے گا؟ تو ظاہر ہے کہ جس نے یہ انعام کا اعلان کیا ہے، وہ انسان ہے، اس لیے وہ تو یہ کہہ دے گا کہ جو پہلے حل کر کے پیش کرے گا، صرف اسی کو انعام ملے گا لیکن یہاں تو انعام دینے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔

تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا کہ اگر کوئی

ماں باپ کا فرماں بردار بیٹا ایک دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو نظرِ رحمت سے دیکھے تو کیا ہر نظر پر اس کو حج مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ، اللهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ [1]: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات تو بہت بڑی ہے اور پاکیزہ ہے، وہ اس سے بھی زیادہ دینے پر قادر ہے، اس کی ذات میں بخل نہیں ہے، بخل تو انسان کی طبیعت میں ہے۔

والدہ کے پاؤں کو ڈاڑھی سے جھاڑنے پر استاذ ابو اسحاق اسفرائینیؒ کا اکرام

الغرض! ماں باپ کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری بہت اہم چیز ہے۔ امام ابو اسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ مشائخ شافعیہ میں ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کی داڑھی موتیوں اور جواہرات سے مرصّع ہے یعنی گویا موتی اور جواہرات ان کی داڑھی میں پیروئے ہوئے ہیں، صبح میں انھوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت! آج رات میں نے آپ کے بارے میں ایسا خواب دیکھا ہے، انھوں نے کہا کہ تم نے صحیح کہا، صدقتَ، إنی مسحتُ البارحة قدمَ أمّي [2]: میں نے گذشتہ رات اس سے اپنی ماں کے ایک پاؤں کو جھاڑا تھا۔

---

(۱) الجامع الکبیر للسیوطی [الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية]، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنهما، حرف المیم، رقم الحدیث: ۱۹۶۸۳.

(۲) نزهة المجالس ومنتخب النفائس [الناشر: المطبعه الكاستلية - مصر]: ۱۹۸/۱، باب بر الوالدين.

والدہ کی خدمت نے جنت میں حضرت موسیٰؑ کا رفیق بنادیا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! جنت میں میرا رفیق کون ہے؟ یہ مجھے بتایا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیجی کہ فلانے شہر میں، فلانی بستی میں ایک نوجوان قصّاب ہے، وہ جنت میں تمھارا رفیق ہے۔ حضرت موسیٰؑ وہاں پہنچے اور تحقیق کی کہ یہ کون ہیں، شام کے وقت مغرب سے پہلے وہاں پہنچے تھے، دیکھا کہ ایک نوجوان قصاب، گوشت بیچنے والا اپنی دوکان بند کرنے کی تیاری کر رہا ہے، حضرتؑ پہنچے اور سلام کیا، اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں رکھا اور چلنے لگا، حضرتؑ نے اس کو سلام کیا اور پوچھا کہ کیا ایک پردیسی کو تم آج مہمان بناؤ گے؟ تو جواب دیا کہ ضرور! تشریف لائیے۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس کے ساتھ اس کے گھر گئے، دیکھا کہ جب یہ گھر پہنچ گئے تو گھر پہنچنے کے بعد جو گوشت ساتھ لے کر آئے تھے، اس کو زنبیل سے نکالا اور اس کو پکا کر اس کا شوربہ، سوپ بنایا، وہاں ایک زنبیل لٹکی ہوئی تھی، وہ اتاری، دیکھا کہ اندر ایک بوڑھیا تھی، وہ اس قدر بوڑھی ہوگئی تھی کہ بالکل چھوٹے چوزے کی طرح ہوگئی تھی، اس کو باہر نکالا، اس کو غسل دیا، کپڑے بدلوائے اور بڑی محبت سے یہ سوپ پلایا، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بوڑھیا کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، ہل رہے تھے، میں نے قریب منہ

لے جا کر سنا تو وہ کہہ رہی تھی کہ اے اللہ! میرے اس بیٹے کو جنت میں حضرت موسیٰؑ کا رفیق بنائیو۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ سنا تو فرمایا کہ خوش خبری سن لو کہ میں (حضرت) موسیٰ ہوں اور تیرا بیٹا جنت میں میرا رفیق ہوگا[۱]۔

اس لیے ماں باپ کی خدمت بہت ہی اہم چیز ہے اور ان کے دل سے نکلی ہوئی دعا آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ رد نہیں کرتے۔

اور ماں باپ کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ ماں باپ کی وفات کے بعد بھی ان کے باقاعدہ حقوق بتلائے گئے ہیں کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے، ان کے دوستوں سے بھلائی کا سلوک کیا جائے۔

والدین کے ساتھ سب سے بڑا حسنِ سلوک اور نیکی

مسلم شریف کے اندر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث ہے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ کہ آدمی کی سب سے بڑی نیکی ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے ساتھ محبت رکھنے والے، ان کے دوست احباب کے ساتھ آدمی

---

[۱] الزهر الفائح في ذكر من تنزه عن الذنوب والقبائح لابن الجزري [الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان] ص: ۲۹، إياك وعقوق الوالدين.

اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرے۔

روایتِ حدیث کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے جہاں یہ روایت نقل فرمائی ہے، وہاں ایک واقعہ پیش آیا: حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جارہے تھے، راستے میں ایک دیہاتی ملا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے اپنی سواری کا گدھا اور عمامہ اتار کر اس دیہاتی کو دے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جو رفقائے سفر تھے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ تو دیہات کا رہنے والا تھا، اگر معمولی سی چیز بھی دے دیتے تو خوش ہو جاتا، آپ نے تو اس کے ساتھ بہت بڑا سلوک کیا کہ اپنی سواری کا گدھا بھی دے دیا اور عمامہ بھی اتار کر کے اس کو دے دیا تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے جواب میں فرمایا کہ اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ باپ کے انتقال کر جانے کے بعد اس کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنا یہ بہت بڑی نیکی اور ماں باپ کے ساتھ بہت بڑا

حسنِ سلوک ہے[1]۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی سہیلیوں کا خیال ولحاظ

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی بکری ذبح ہوتی تھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوچھ پوچھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سہیلیوں کے گھر گوشت پہنچاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی اور زوجہ پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی، جتنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا پر آتی ہے، حالاں کہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا زمانہ نہیں پایا کہ میرے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پہلے ہی وہ تو انتقال کر گئی تھیں لیکن جس کثرت سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا تذکرہ کرتے تھے، اس پر مجھے غیرت آتی تھی[2]۔

---

(۱) صحیح مسلم، باب فَضْلِ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الأَبِ وَالأُمِّ وَنَحْوِهِمَا، رقم الحدیث: ۲۵۵۲.

(۲) صحیح البخاری، بَابُ تَزْوِیجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةَ وَفَضْلِهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، رقم الحدیث: ۳۸۱۶.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھیا آیا کرتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی توجہ سے ان کا حال دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا حال ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ گھر میں سب خیریت سے ہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بوڑھیا کون ہے جس کا آپ اتنا احترام کرتے ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدیجہ کی بہن ہے[۱]۔

تو ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا بھی والدین کے حقوق میں داخل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

والدین کی وفات کے بعد اولاد پر ان کے پانچ حقوق

حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلۂ بنوسلمہ کا ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں، ان کا انتقال ہوگیا ہے، اب ان کے انتقال کر جانے کے بعد بھی ان کا کوئی حق ہے جس کو میں ادا کرسکتا ہوں؟ یا ابھی

---

(۱) صحیح البخاری، بَابُ تَزْوِيجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةَ وَفَضْلِهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، رقم الحدیث: ۳۸۲۱.

مرنے کے بعد بھی ان کی کوئی خدمت میرے ذمے ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نَعَمْ الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا: نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اب بھی ان کے کچھ حقوق باقی ہیں، کچھ خدمتیں ہیں جو تم کو اب بھی انجام دینی ہیں، وہ کیا ہیں؟۔

پہلا حق: والدین کے لیے رحمت کی دعا کرنا

تو پہلی خدمت ارشاد فرمائی: الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا: ان کے لیے رحمت کی دعا کرنا۔

جن کے بھی ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے، ان کو چاہیے کہ وہ روزانہ اپنے ماں باپ کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں، یہ ان کا حق ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

دوسرا حق: والدین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا

دوسری بات ارشاد فرمائی: وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا: ان کے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔ رحمت کی دعا الگ ہے اور مغفرت کی دعا الگ ہے، اس لیے ان کے گناہوں کی مغفرت کے لیے بھی خصوصی دعا کرے۔

تیسرا حق: والدین کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا

تیسری بات ارشاد فرمائی: وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا: انھوں نے اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی عہد و معاہدہ کیا ہو تو اس معاہدے کو بھی پورا کرنے کی کوشش

کرو۔ عہد ماں باپ نے کیا ہے لیکن ان کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا گویا اولاد کی ذمہ داری ہے، ماں باپ کا حق ہے۔

چوتھا حق: والدین کی وجہ سے جو رشتہ داری ہے، اس کے حقوق ادا کرنا

چوتھی بات ارشاد فرمائی: وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا: وہ رشتہ داریاں جو آپ کے ماں باپ کی وجہ سے ہیں۔ جیسے بھائی، بہن، بھتیجے، بھانجے، بھتیجیاں اور بھانجیاں وغیرہ، یہ رشتہ داریاں ماں باپ کی وجہ سے ہیں، ان سب کا خیال رکھنا۔ ان سب کا خیال رکھنا یہ بھی ماں باپ کا دنیا سے جانے کے بعد اولاد کے اوپر ان کا حق ہے کہ ان لوگوں کا لحاظ کرے۔ بھائی کے لیے، بہن کے لیے، ان کی اولاد کے لیے یہ سوچو کہ یہ سب میرے ماں باپ کی اولاد ہے، ان کا میرے اوپر حق ہے، اس حق کو ادا کرنا میرے لیے ضروری ہے۔

پانچواں حق: والدین کے دوست واحباب کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا

اور پانچویں بات ارشاد فرمائی: وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا: باپ کے جو دوست ہیں، ماں کی جو سہیلیاں ہیں، ان کا ادب واحترام کرنا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، یہ بھی ماں باپ کے انتقال کے بعد ماں باپ کے حقوق میں سے ہے۔

اب اندازہ لگاؤ کہ ہم تو یوں سمجھتے ہیں کہ جب تک زندہ ہیں، وہاں تک ان کے حقوق ہیں، مرنے کے بعد کوئی حق باقی نہیں رہتا، نہیں! یہ سارے سلسلے وہ ہیں جو ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور ہمیں ان کو ادا کرنا ہے۔

تو ماں باپ کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری بہت اہم چیز ہے، یہی چیز آدمی کی ترقیات کا اور اس کی روزی میں برکت کا اور اس کی دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

بوڑھے والدین کی طرف سے ناگوار امور پر صبر کیجیے

چاہے ان کی طرف سے ہمیں ناگواری اور تکلیف لاحق ہو، کیوں کہ آدمی جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو بڑھاپے میں آدمی کے اندر چڑچڑاپن آجاتا ہے، بے صبری آجاتی ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ط﴾ [النحل:۷۰] کہ: عمر کی وہ منزل جس میں آدمی سب کچھ بھول بھال جاتا ہے۔

اس عمر میں آدمی کو زیادہ کچھ یاد نہیں رہتا، آپ نے ان کو کھانا کھلا دیا لیکن وہ اس کو کچھ دیر میں بھول گیا اور کہتا ہے کہ کھانا بھی نہیں دیتے تو اس پر آدمی کو ناراض نہیں ہونا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔

اس شخص کی ناک خاک آلود ہو

والدین کی اطاعت اور خدمت کتنی اہم چیز ہے اور ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کتنا خطرناک گناہ ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مسلم شریف کے اندر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ: اس آدمی کی ناک

خاک آلود ہو، ذلیل ہو، رسوا ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیھم أجمعین نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون؟ کس کی ناک خاک آلود ہو؟ تو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے جواب دیا: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ کہ: جس نے اپنے ماں باپ میں سے دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کی، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم اس کے لیے بددعا فرماتے ہیں[1]۔

والدین کی نافرمانی کرنے والے کے لیے حضرت جبرئیلؑ کی بددعا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین

بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھ رہے ہیں، تشریف لے جا رہے ہیں، جب پہلے زینے پر قدم رکھا تو آپؐ نے فرمایا: آمین، دوسرے زینے پر جب قدم رکھا تو آپؐ نے فرمایا: آمین اور تیسرے زینے پر جب قدم رکھا تو پھر آپ نے فرمایا: آمین۔ خطبے کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیھم أجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج ہم نے ایک عجیب چیز دیکھی!

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، باب رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ، رقم الحدیث: ۲۵۵۱.

جب آپ خطبے کے لیے منبر پر تشریف لے جارہے تھے تو ہر زینے پر آپ نے آمین کہی؟ تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يَغْفَرْ لَهُ قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انھوں نے تین بددعائیں دیں: ایک تو یہ کہ جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور اس کے باوجود اپنی مغفرت نہیں کروائی، وہ ہلاک ہو اور ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نامِ مبارک آیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہیں کہا اور ہلاک ہوجیو وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو پایا، یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا [1]۔

سونے پہ سہاگہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام دعا کررہے ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم آمین فرمارہے ہیں، اندازہ لگایئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا اور حضور

---

(۱) المستدرك على الصحيحين [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله تعالى عنه، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، رقم الحديث: ۷۲۵۶.

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آمین اور وہ دعا بھی کہاں؟ مسجدِ نبوی میں، منبرِ نبوی کے اوپر! ایسی جگہ یہ دعا ہو رہی ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تاکید فرمائی کہ آپ آمین کہیے [1]، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کے والدین کے حقوق کی کتنی زیادہ تاکید ہے۔

تمھاری یہ خدمت (تمھیں جننے کے وقت کی) ماں کی کراہنے کی آہ آہ کی آواز کا بدل بھی نہیں بن سکتی

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیت اللہ کا طواف کرر ہے تھے، اس طواف کے دوران دیکھا کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ پر اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرارہا ہے، اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو دیکھا، کسی نے بتلایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ہیں تو اس نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں اور یمن سے یہاں اپنی ماں کو پیٹھ پر لاد کر حج کرانے کے لیے لایا ہوں اور اپنے کندھے پر اس کو سوار کر کے اس کو طواف کرارہا ہوں، کیا ایسا کر کے میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ: تیری پیدائش کے وقت تیری ماں نے جو تکلیف اٹھائی ہے اور ''آہ آہ'' کی ہے، تیری یہ ساری محنت

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد[الناشر: مکتبة القدسي، القاهرة]: ۱۳۹/۸، عَنْ جَابِرِبْنَ سَمُرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَفِي الْبِرِّ وَحَقِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم الحدیث: ۱۳۴۰۹ .

وکاوش اس وقت کی ایک ''آہ'' کا بدلہ بھی نہیں بن سکتی۔ ذرا اندازہ لگائیے۔

جب امت پندرہ کام کرے گی تو......

خطبے میں مَیں نے جو روایتیں پڑھیں، ان میں سے ایک روایت حضرت علی کی ہے جو بڑی لمبی چوڑی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میری امت یہ پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائشوں اور بلاؤں کے اندر مبتلا ہو جائے گی۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ پندرہ کام کون سے ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ پندرہ کام گنوائے، ان پندرہ کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کام یہ گنوائے: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: جب آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

شریعت میں ہر ایک کا حق متعین ہے

ایک بات یاد رہے کہ شریعت مطہرہ کی طرف سے ہر ایک کے حقوق متعین ہیں، کس کا کیا حق ہے، اس کو بیان کر دیا ہے: ماں باپ کے حقوق، بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق، تمام کے حق شریعت نے بیان کر دیے ہیں، شریعت کسی کے حقوق کی ادائیگی سے نہیں روکتی بلکہ ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتی ہے۔

---

(۱) الأدب المفرد، ص ۱۸، بَابُ جَزَاءِ الْوَالِدَيْنِ، رقم الحديث: ۱۱.

مؤمن اور کافر کے حقوق کی ادائیگی میں فرق

ایک مؤمن جو حقوق کی ادائیگی کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کرتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ بھلائی تو کافر بھی کرتا ہے، بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کافر بھی کرتا ہے لیکن مؤمن جب اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، وہ صرف اپنے دل کے تقاضے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر۔

اولاد کے ساتھ اچھا سلوک، ان کے کھانے پینے کا انتظام، ان کی دیگر ضرورتوں کا انتظام ایک غیر مسلم بھی کرتا ہے لیکن مسلمان جب کرے گا تو خالی اپنے دل کے تقاضے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر۔

ہر ایک کا حق ادا کرنے میں انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھیں

ان حقوق کی ادائیگی کے دوران انصاف کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہے۔ اب ہمارے یہاں ہوتا کیا ہے؟ ہمارے یہاں شریعت کے احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔ شریعت ہمیں ہر جگہ انصاف اور قانون پکڑے رہنے کی تاکید کرتی ہے۔

بعض اولاد کو کچھ دینا اور بعض کو نہ دینا ظلم ہے

حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہما ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ترمذی شریف میں ان کی روایت موجود ہے، فرماتے ہیں کہ ان کی ماں تھی: حضرت عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ مشہور صحابی ہیں جو غزوۂ موتہ کے اندر شہید ہوئے، شاعرِ اسلام تھے، یہ ان کی بہن تھیں۔ ان کے مطالبے پر ان کے والد نے ان کو ایک غلام ہدیے میں دیا، ماں کا تقاضا تھا کہ میرے بیٹے کو غلام ہدیہ دیا جائے، ان کی دوسری بیوی تھی، اس سے بھی اولاد تھی، اس ماں نے تقاضا کر کے ہدیہ دلوا دیا، ہدیہ تو دلوا دیا- اب عورتیں ہیں، ان کی ڈیمانڈ (demand) بھی ایسی ہوتی ہے- اس نے پھر مطالبہ کیا کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو گواہ بنایا جائے، ہدیہ تو دیا لیکن ساتھ میں کہا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے یہ کہو کہ میں نے اس کو ہدیہ دیا ہے، آپ اس کے گواہ رہیے۔

چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ میرے ابا مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور یوں کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس بیٹے کو جو میری فلانی بیوی سے ہے، یہ غلام ہدیے میں دیا ہے اور ان کا تقاضا اور اصرار یہ ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں، آپ اس پر گواہ رہیے۔

تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَكَ وَلَدٌ سِوَاهُ؟ کہ: تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! ہے، تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پوچھا: فَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَ النُّعْمَانَ؟ کہ: کیا تم نے ان کو بھی اسی طرح غلام ہدیے میں دیا ہے جس طرح نعمان کو دیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نہیں دیا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:" هَذَا جَوْرٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: »هَذَا تَلْجِئَةٌ

فَأَشْهِدْ عَلَى هَذَا غَيْرِي« کہ: ایسی ظلم اور ناانصافی کی بات پر میں گواہ بنتا نہیں ہوں، کسی اور کو گواہ بنالو- اس کو ظلم فرمایا- اور پھر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ لَهُمْ عَلَيْكَ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَعْدِلَ بَيْنَهُمْ كَمَا أَنَّ لَكَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ أَنْ يَبَرُّوكَ: تم پر اپنی اولاد کا حق ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، جیسا کہ ان پر تمھارا حق ہے کہ وہ تمھارے ساتھ حسنِ سلوک کرے پھر فرمایا: أَلَيْسَ يَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبِرِّ وَاللُّطْفِ سَوَاءً: کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار رہے، تمھاری خدمت کرے؟[1]۔

انسان کی ساری اولاد اس کی فرماں بردار کیسے ہوسکتی ہے؟

دیکھو! ہر باپ کی یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ اس کے چار بیٹے ہیں تو اس کے چاروں کے چاروں بیٹے اس کے اطاعت گزار رہیں اور اس کی خدمت کریں، ایک بیٹا خدمت کر رہا ہو تو کافی ہے اور اگرچہ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، پھر بھی اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ چاروں اس کی خدمت کریں، چاروں اس کے فرماں بردار ہوں، اس کا حکم بجالائے، حالاں کہ کام تو ایک سے چل رہا ہے لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کے چاروں بیٹے فرماں برداری میں برابر ہوں۔

تو جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری ساری اولاد تمہاری فرماں بردار،

---

① سنن أبي داود، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُفَضِّلُ بَعْضَ وَلَدِهِ فِي النُّحْلِ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ تعالی عنها، رقم الحديث: ٣٥٤٢.

اطاعت گزار ہو، تمہاری خدمت گزار ہو، تمہارا حکم مانیں، اس طرح تم بھی ان سب کے ساتھ یکساں طور پر محبت کا اور داد و دہش کا معاملہ کرو، جب تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری سب اولاد تمہاری فرماں بردار بن کر رہے تو تم پر لازم ہے کہ تم سب کے ساتھ یکساں اور برابر کا سلوک کرو۔

بعض اولاد کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنے کے برے نتائج

ماں باپ بچپن سے اولاد کے ساتھ ترجیحی معاملہ کرتے ہیں کہ چھوٹے کے ساتھ زیادہ حسنِ سلوک ہو رہا ہے، زیادہ داد و دہش کا معاملہ ہو رہا ہے اور بڑے کے ساتھ ایسا محبت اور داد و دہش کا معاملہ نہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ارے بھائی! چھوٹا بھی آپ ہی کی اولاد ہے اور بڑا بھی آپ ہی کا بچہ ہے، اب ان کے اندر فطری طور پر جو صلاحیتوں کا فرق ہوتا ہے، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک بیٹا زیادہ ہوشیار ہے، پڑھنے میں تیز ہے اور دوسرا بیٹا ایسا نہیں ہے، کمزور ہے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں بچے کا تو کوئی قصور نہیں ہے اور وہ بھی تو آپ ہی کی اولاد ہے، دونوں آپ کے حق میں برابر ہیں، اس لیے آپ دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں لیکن ماں باپ ایسا کرتے نہیں ہیں۔

اب اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے اولاد کا ذہن ماں باپ کی طرف سے خراب ہو جاتا ہے، جس کے ساتھ حسنِ سلوک میں کمی گئی، وہ ماں باپ کی طرف سے بدظن ہوتا جاتا ہے اور اسی بدگمانی کے ساتھ بڑا ہوتا جاتا ہے اور جب

بڑا ہو جاتا ہے تو اسی ذہنیت کے ساتھ بڑا ہوتا ہے کہ ماں باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے تو ماں باپ کا نافرمان اور خودسر بنتا ہے۔ اب اس کو نافرمان اور خودسر بنانے والا کون ہے؟ ماں باپ ہی تو ہیں۔

شریعت ایسی ناانصافی اور ظلم کی اجازت نہیں دیتی، شریعت تو ساری اولاد کے ساتھ برابری کا حکم دیتی ہے۔

مؤمن کا اصل تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے

ایک مؤمن جن لوگوں کے بھی حقوق ادا کرتا ہے: ماں باپ کے، بیوی کے، اولاد کے، بھائی، بہنوں کے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کرتا ہے، مؤمن کا اصل تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہے، باپ کی مانتا ہے تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ باپ کی اطاعت کرو، ماں کی مانتا ہے تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ باپ کی اطاعت کرو، بیوی کو راحت پہنچاتا ہے تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو، اولاد کے ساتھ محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اولاد کے ساتھ محبت کرو، ان کے حقوق ادا کرو۔

گویا مؤمن کا اصل تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہے، آپ کا کنیکشن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، گویا آپ کی ''کال'' جڑی ہوئی ہے ایکسچینج (exchange) میں اور پھر اس ایکسچینج کے واسطے سے آپ کی کال دیگر ان لوگوں کے ساتھ جڑتی ہے جن کا آپ سے کنکشن ہے تو براہِ راست آپ کا ان لوگوں کے ساتھ تعلق نہیں ہے بلکہ ایکسچینج

کے واسطے سے تعلق ہے۔

الغرض! ہر مؤمن کا اصل تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا حکم بیوی کے حقوق ادا کرنے سے متعلق بھی ہے، ہر ایک کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے واسطے ادا کرنا ہے، کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کے حقوق کو ضائع کرنے اور زیادتی کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے۔

باپ بیمار اور بیٹا دوستوں کے ساتھ پارٹی بازی میں مشغول

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: جب آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

ماں باپ کے کہنے سے بیوی پر ظلم جائز نہیں

ویسے بیوی کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں، اس کو یاد رکھئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماں باپ کے کہنے سے بیوی پر ظلم کرو۔ نہیں، شریعت اس کی بالکل اجازت نہیں دیتی لیکن بات یہ بھی ہے کہ بیوی کے کہنے کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ بھی ظلم مت کرو۔

اور اپنے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور باپ کے ساتھ ظلم کرے۔ بیٹا دوستوں کے ساتھ پارٹیاں کر رہا ہے ان کی دعوتیں ہو رہی ہیں، کھلایا پلایا جا رہا ہے اور باپ بستر کے اوپر بیماری کی وجہ سے پڑا ہوا ہے اور بیٹا اس کی تیمارداری اور علاج

معالجے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

یہ سب چیزیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور ہدایات کو سامنے رکھ کر ماں باپ کے حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اور پوری امت کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

صلہ رحمی کی برکات اور قطع رحمی کی نحوستیں

(۱) بوقت: ۱۹/ ۸/ ۲۰۱۸ء، بمقام: منارہ مسجد، ویراول، (۲) بوقت: ۲۶/ ۱۱/ ۲۰۱۸ء، بمقام: مدینہ مسجد، پناما، (۳) بوقت: ۱۴/ ۵/ ۲۰۱۵ء، بمقام: مالّینسن، (۴) ۲۴/ ۸/ ۲۰۱۸ء، بمقام: کلیرکس ڈروپ

اور دوسرے پانچ بیانات کا مجموعہ

اقتباس

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:﴿فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ﴾: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو کانوں کو بہرا کر دیا، قوتِ شنوائی سلب کر لی اور آنکھوں کو اندھا کر دیا، قوتِ بینائی بھی ختم کر دی۔

جب آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں تو ساری دنیا سمجھاتی ہے کہ یہ تمھارے والدین ہیں، یہ تمھارے بھائی بہن ہیں، ان سے تعلقات کو درست کر لو، ایک چھوٹا بچہ بھی ان تعلقات کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا، کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں، وہ حقیقت جو ساری دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، اس کو وہ نظر نہیں آتی، یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا، ساری دنیا کہتی ہے لیکن یہ بھائی کو بھائی ماننے کے لیے تیار نہیں، اسی کو فرمایا:﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾﴾: یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے لعنت کی، ان کے کانوں کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ وہ رشتے جن کو ایک عام آدمی، معمولی سمجھ رکھنے والا بھی سمجھ جاتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ساری دنیا سمجھا رہی ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مل لو لیکن یہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا،ونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذبالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا،من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلله فلا هادي له ، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانامحمداعبده ورسوله،أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا،وداعيا إلى الله بإذنه وسراجامنيرا،صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا،أمابعد:

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ،بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ:﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ‌ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ۝١﴾

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: فَذَاكِ لَكِ " ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا } [محمد: ۲۳]وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ[2] . وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ[3] . وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنہا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللهُ[4] .وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:" مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً "، قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: " نَعَمْ، اللهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ

[1] (کے لئے نشان آیت کے آخر میں) ①صحیح مسلم،کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا، رقم الحدیث: ۲۵۵۴.

②صحیح مسلم،کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ، وَنَحْوِهِمَا،رقم الحدیث: ۲۵۵۲.

③صحیح البخاری،كِتَابُ الأَدَبِ،بَابُ مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصِلَةِ الرَّحِمِ،رقم الحدیث: ۵۹۸۶.

④صحیح مسلم،کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا، رقم الحدیث: ۲۵۵۵.

[1]"وَقَالَ النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ تعالىٰ عليه وسلم: كُلُّ الذُّنُوبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَاءَإِلَّا عُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّهُ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ[2] .وَقَالَ النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ تعالىٰ عليه وسلم:بِرُّوا آباءَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ[3] .وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا البَلَاءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ القَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الخُمُورُ، وَلُبِسَ الحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ القَيْنَاتُ وَالمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا[4] أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

(۱) شعب الإيمان [الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند]، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابٌ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، رقم الحديث: ۷۴۸۲.

(۲) شعب الإيمان، حَدِيثُ جُرَيْجٍ الْعَابِدِ فِي فَضْلِ حِفْظِ قَلْبِ الْأُمِّ، رقم الحديث: ۷۵۰۶.

(۳) المستدرك على الصحيحين [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۴/۱۷۱، عن جابر، رضي الله عنه، كتاب البر والصلة، رقم الحديث: ۷۲۵۹.

(۴) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْفِتَنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالخَسْفِ، رقم الحديث: ۲۲۱۰.

جو آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی، وہ سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے: ﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾، اس میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! ڈرو تم اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

یہاں ایک جان بول کر حضرت آدم علی نبینا وعلیه الصلوۃ والسلام کو مراد لیا گیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی شخصیت حضرت آدم علی نبینا وعلیه الصلوۃ والسلام سے پیدا فرمایا ہے، حضرت آدمؑ کا پتلا مٹی سے پیدا فرمایا اور باقی انسانوں کو حضرت آدمؑ کی ذات سے پیدا فرمایا، کیسے؟ تو فرماتے ہیں: ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾۔ سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے جسم سے ان کا جوڑا حضرت حوّا رضی اللّٰہ تعالی عنھا کو پیدا فرمایا، چنانچہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّاءؓ کو پیدا فرمایا[1]۔

حضرت آدمؑ وحواؓ سے نسلِ انسانی کیسے پھیلی؟

﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾: اس کے بعد ان دونوں کے میلاپ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے زمین

---

(۱) وقيل: أراد به أن أول النساء حواء أخرجت من ضلع آدم الأيسر.(إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري للقسطلانی[الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر]:۳۲۳/۵، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خَلْقِ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ)

کے اندر پھیلا دیا۔شروع میں یہ ہوتا تھا کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالی عنہا سے جو بھی اولاد ہوتی تھی، وہ جوڑیوں کی شکل میں (یعنی لڑکا اور لڑکی)ہی ہوتی تھی۔آج ایک جوڑا لڑکا اور لڑکی کا پیدا ہوا تو بعد میں دوسرا جوڑا پیدا ہوتا تھا۔ بڑے ہونے پر پہلے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، اس کے ساتھ کل والے لڑکے کا نکاح اور اس لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ہابیل اور قابیل کا قصہ آپ حضرات نے سنا ہی ہوگا جس کی تفصیل میں اس وقت جانا نہیں چاہتا۔

مطالبۂ حقوق کے سلسلے میں اہل دنیا کا ایک دستور

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ڈرو تم اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا سوال کرتے ہو۔

پتہ ہے نا کہ دنیا کا دستور کیا ہے؟ اگر ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر کوئی حق اور مطالبہ ہے تو جس کا مطالبہ ہے، وہ قوی، طاقت ور اور توانا ہے اور جس کے اوپر مطالبہ ہے، وہ کمزور ہے تو وہاں تو لڑائی اور ہاتھا پائی ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہاں تو وہ کمزور اپنے طاقت ور صاحبِ حق کے تیور دیکھ کر ہی اس کو اس کا حق ادا کر دے گا۔

لیکن اگر معاملہ برعکس ہے، الٹا ہے، جس کا حق ہے، وہ کمزور ہے اور جس کے اوپر حق ہے، وہ طاقت ور ہے تو عام طور پر دنیا کا دستور یہ ہے کہ یہ طاقت ور اس کمزور کا حق ادا کرنے کے معاملے میں ٹال مٹول کرتا ہے اور بہانے بناتا ہے، نہیں ادا کرتا اور

شرارت پر آمادہ ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں دوں گا، بولو! کیا کرلو گے؟۔

ایسے وقت میں وہ کمزور صاحبِ حق اپنے طاقت ور مدمقابل کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہے: ارے بھائی! اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، ذرا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا حق ادا کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور اپنے اعمال کا حساب دینے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے ڈراتا ہے اور اس طرح اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔

مذکورہ دستور کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ کا بندوں سے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا مطالبہ

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾: تم اپنے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو کہ اگر تم کمزور ہو اور کسی طاقت ور پر تمھارا حق ہے اور وہ تمھارا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے اور بہانے بنا رہا ہے تو ایسے موقع پر تم اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلا کر اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہو تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اپنا حق لینے کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلا رہے ہو تو اگر کسی دوسرے کا تم پر حق ہے اور وہ تمھارے مقابلے میں کمزور ہے تو وہاں پر تم کو بھی تو ڈرنا چاہیے کہ ون سائیڈ ٹرافک (one side traffic) تو نہیں ہوا کرتا کہ اپنا حق لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دو اور جب ہمارے سامنے کوئی کمزور آجائے تو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہو!۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو کہ جب تم اپنا حق لینے کے لیے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حوالہ دیتے ہو تو تم کو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے بچنے کا حکمِ خداوندی

اور آگے فرماتے ہیں: ﴿وَالْاَرْحَامَ ط﴾: اور رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرو۔ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرا رہے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾: اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہیں، تمھارے سارے حال سے واقف ہیں، اس لیے دھیان رکھنا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرایا ہے، آگاہ کیا ہے، متنبہ کیا ہے، وارننگ (warning) دی ہے کہ تم رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرو۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی کی عام فہم تعریف

''اَرْحَامٌ'' یہ ''رَحِمٌ'' کی جمع ہے اور ''رَحِمٌ'' عربی زبان میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، عورت کے پیٹ میں ایک خاص عضو ہوتا ہے جس میں بچہ پرورش پاتا ہے، یہ مرد کے جسم میں نہیں ہے، حمل تو عورت کو ہی ٹھیرتا ہے تو حمل جس عضو میں اور ٹھیرتا اور پرورش پاتا ہے، اسی عضو کو عربی زبان میں ''رَحِمٌ'' کہتے ہیں جس کو ہم اردو کے اندر بچہ دانی کہتے ہیں، یہ جتنی بھی رشتہ داریاں ہیں، قرآن وحدیث میں ان رشتہ داریوں کو تعبیر کرنے

کے لیے یہی لفظ ''رَحِمٌ'' استعمال کیا گیا ہے اور سارے رشتے اسی سے بنتے ہیں، اسی سے جڑتے ہیں۔

اور اسی رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اس کو عربی زبان میں صِلَۃُ رَحِمٍ یعنی صلہ رحمی کہتے ہیں۔

اور اگر کوئی آدمی اس کے خلاف کرتا ہے یعنی رشتہ داری کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کا معاملہ نہیں کرتا، اسی کو عربی زبان میں قطعِ رحمی کہتے ہیں۔

والدین اور رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی کے لیے محدثین کے خاص اصطلاحی الفاظ

اس رشتہ داری کے بڑے حقوق ہیں، اس کو ادا کرنا فرض ہے، اسی کو صلہ رحمی کہتے ہیں، اس میں ماں باپ کے حقوق بھی آجاتے ہیں، ماں باپ تو اس رشتہ داری کی بنیاد ہیں، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کو قرآن وحدیث کی زبان میں ''بِرٌّ'' کہا گیا ہے، ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے حقوق کو ادا کرنا ''بِرُّ الوالدین'' کہلاتا ہے۔

حضراتِ محدثین جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنی کتابوں میں مختلف عنوانات سے جمع کرتے ہیں: نماز کے متعلق احادیث کو جمع کرتے ہوئے ''کِتَابُ الصَّلٰوۃ'' لکھتے ہیں، زکوۃ کے متعلق احادیث کو جمع کرتے ہیں تو ''کِتَابُ

الزَّكٰوة'' کا عنوان دیتے ہیں، ایسے ہی ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جو ہدایتیں ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جو ارشادات ہیں، ان کو بیان کرنے کے لیے ان کے یہاں عنوان ہے: **كِتَابُ البِرِّ والصِّلَةِ** یعنی ہم اس میں ماں باپ کی فرماں برداری کے متعلق بھی اور صلہ یعنی دیگر رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے کے متعلق بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اقوال، ارشادات، ہدایات اور فرامین کو جمع کر کے پیش کریں گے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم ہر دین ومذہب میں موجود ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں جن پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک صلہ رحمی کی تعلیم بھی ہے اور اس کو بہت بنیادی تعلیمات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہر مذہب اور ہر دھرم میں ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی جاتی ہے تو اسلام جو پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آیا اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالی نے پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے، ان کو پایۂ تمام تک پہنچانے کے لیے، اوجِ کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا[1]، بھلا وہ کیسے اس پاکیزہ خلق اور عمدہ چیز کی تعلیم سے خالی رہتا۔

---

① إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ. (السنن الكبرى [الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت]: ١٠/ ٣٢٣، باب: بَيَانُ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَعَالِيهَا، رقم الحديث: ٢٠٧٨٢)

قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، میں نے آپ کے سامنے قرآنِ کریم کی آیت اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چند ارشادات پیش کیے اور دوسرے ارشادات بھی پیش کروں گا، ان میں اسی کی بڑی تاکید اور اسی کے اوپر بڑا فوکس کیا گیا ہے۔

صلہ رحمی کے سلسلے میں یاد رکھنے کے قابل ایک اہم اصول

صلہ رحمی کا مطلب ہے: رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا اور قطع رحمی کا مطلب ہے: رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنا، ضائع اور برباد کرنا۔ صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے۔ آدمی صلہ رحمی یہ سمجھ کر کرے کہ کوئی بدلہ ملے یا نہ ملے، ہم ماں باپ کے ساتھ بھلائی کریں گے، بیوی کا حق ادا کریں گے، اولاد کے حقوق ادا کریں گے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی کی نوبت نہیں آئے گی۔ ایک مؤمن کا اصل رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ماں کا یہ حق ہے اس لیے وہ ادا کر رہا ہے۔ باپ کا یہ حق ہے، تو وہ ادا کر رہا ہے۔ بیوی کا یہ حق ہے تو ادا کر رہا ہے۔ شوہر کا یہ حق ہے تو ادا کر رہی ہے، اولاد کا یہ حق اللہ تعالی نے بتایا ہے، اس لیے وہ ادا کر رہا ہے۔ گویا ہر کام میں اصل تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ کے گھر میں ٹیلیفون ہے، اس کا اصل رابطہ اور کونٹیکٹ ایکسچینج سے ہے اور اسی ایکسچینج سے دوسروں کے کونٹیکٹ بھی ہیں۔ آپ کے پڑوس میں جو مکان ہے، اس کی اور آپ کے مکان کی دیوار ایک ہے۔ آپ کے

گھر میں بھی فون ہے اور اس کے گھر میں بھی فون ہے، پھر بھی آپ اس کو فون کریں گے تو آپ کا فون سیدھا وہاں نہیں جائے گا، بلکہ آپ کا فون پہلے ایکسچینج میں جائے گا، پھر اس کے یہاں جائے گا، اور وہ جو جواب دے گا، وہ بھی ایکسچینج جائے گا پھر آپ کے یہاں آئے گا۔ آپ کا تعلق ایکسچینج سے ہے اور ایکسچینج کا وہاں سے ہے۔ اسی طرح مؤمن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا، اس لیے ہمیں بجالانا ہے۔

رشتہ داری کی دو قسمیں

رشتہ داریاں دو طرح کی ہیں: ایک نسبی اور دوسری سسرالی، یہ دونوں رشتہ داریاں اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہیں اور باری تعالیٰ نے ان دونوں رشتوں کا تذکرہ قرآنِ پاک میں اپنی نعمت کے طور پر کیا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط﴾ [الفرقان:۵۴] : اللہ وہی ذات ہے جس نے پانی کے نطفے سے یعنی منی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو نسبی اور سسرالی رشتوں والا بنایا۔

نسبی رشتے کی تفصیلات

جو رشتہ داریاں آدمی اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر کے آتا ہے، ان کو نسبی رشتہ داری کہا جاتا ہے۔ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو جس عورت کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا، وہ اس کی ماں بن جاتی ہے اور اس کا شوہر کہ جس کے نطفے سے حمل ٹھہرا تھا، وہ اس بچے کا باپ بن جاتا ہے، یہ ماں اور باپ سارے رشتوں کی بنیاد اور جڑ ہے، آگے سارے رشتے اسی سے وجود میں آتے ہیں: ماں کی ماں نانی کہلاتی ہے، ماں کا باپ نانا کہلاتا

ہے، ماں کا بھائی ماموں کہلاتا ہے، ماں کی بہن خالہ کہلاتی ہے، باپ کی ماں دادی کہلاتی ہے، باپ کا باپ دادا کہلاتا ہے، باپ کا بھائی چچا کہلاتا ہے، باپ کی بہن پھوپھی کہلاتی ہے، ان ہی ماں باپ سے جو بچے پیدا ہوں، وہ بھائی بہن کہلاتے ہیں، اگر اکیلے باپ سے اولاد ہے تو وہ علّاتی یعنی باپ شریک بھائی بہن ہیں، اکیلی ماں سے ہیں تو وہ اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن کہلاتے ہیں اور پھر ان کی جو اولادیں ہیں، وہ بھانجے، بھتیجے، بھانجیاں، بھتیجیاں کہلاتی ہیں، یہ ایک سلسلہ ہے جو آگے تک چلا جاتا ہے۔ یہ سب ''رَحِمٌ'' یعنی نسبی رشتہ داریاں ہیں جو بچہ ماں کے پیٹ سے لے کر کے آتا ہے۔

سسرالی رشتے کی تفصیلات

پھر بچہ جب بڑا ہو گیا شادی کے لائق ہو گیا اور اس کا نکاح کسی عورت کے ساتھ ہو گیا تو جس عورت کے ساتھ نکاح ہوا تو اس عورت کے ماں باپ کے ساتھ بھی ایک رشتہ اور تعلق پیدا ہو گیا، اس کو سسرالی رشتے سے تعبیر کرتے ہیں اور شریعت نے اس کو وہی مقام اور حیثیت دی ہے جو نسبی رشتہ داری کو دی ہے یعنی اب اپنی بیوی کے باپ کو بھی آپ اپنا باپ ہی سمجھئے، بیوی کا باپ آپ کے باپ کی طرح ہے، بیوی کی جو ماں ہے، وہ آپ کی ماں کی طرح ہے، گویا اب رشتہ داری کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔

چنانچہ نکاح ہونے کے بعد دونوں آپس میں ملے جس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہوا تو وہ کسی ایک کا نہیں؛ بلکہ دونوں کا ہے۔ ان دونوں کے درمیاں ایسا مضوط اور گہرا تعلق ہو جاتا ہے کہ جس طرح آدمی پر اپنے اصول وفروع حرام ہوتے ہیں، اسی طرح بیوی کے اصول وفروع بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

ایک مرد کے لیے اپنے اصول یعنی جن عورتوں سے وہ پیدا ہوا ہے، ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اپنے فروع یعنی جو عورتیں اس سے پیدا ہوئی ہیں، ان کے ساتھ بھی نکاح کرنا حرام ہے یعنی ماں کے ساتھ، نانی کے ساتھ، اپنی بیٹی، پوتی اور نواسی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد اپنی بیوی کے اصول وفروع سے نکاح کرنا بھی حرام ہے، وہ بھی اسی طرح قریبی رشتہ دار بن جاتے ہیں۔

چنانچہ اب بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام، بیوی کی بیٹی سے نکاح حرام، چاہے اس کے نطفے سے نہ ہو، کسی اور شوہر سے ہو، اس کی پوتی نواسی جو دوسرے شوہر سے ہوں، اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام۔ گویا جیسی اپنی ماں، اسی طرح بیوی کی ماں، جیسی اپنی بیٹی، ویسی بیوی کی بیٹی۔

اور بیوی کے لیے بھی ایسا ہی حکم ہے، اس کے لیے اپنے باپ اور بیٹے سے اوپر تک اور نیچے تک نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح دونوں میں رشتہ پیدا ہونے کے بعد شوہر کے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام یعنی جو حکم بیوی کے لیے اپنے باپ کا ہے، وہی حکم شوہر کے باپ کا ہے۔

اس لیے کہ شادی کے نتیجے میں جب بیوی شوہر کے یہاں آتی ہے تو علماء جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو نکاح کے نتیجے میں جزئیت اور بعضیت کا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی بیوی کے ماں باپ اس کے حق میں ایسے ہی ہیں، جیسے اس کے اپنے ماں باپ اور شوہر کے ماں باپ بیوی کے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے اپنے ماں باپ۔ دونوں

کے لیے ایک دوسرے کے ماں باپ، ماں باپ بن جاتے ہیں، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اِسی لیے حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض! سسرالی رشتہ کو بھی شریعت نے وہی حیثیت دی ہے جو نسبی رشتہ کو حاصل ہے، اس رشتے کے بھی شریعت نے حقوق رکھے ہیں اور ان کا لحاظ کرنے کا بھی قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے اس کی اہمیت کو امت کے سامنے واضح فرمایا ہے۔

سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عملی تعلیم

چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی بکری ذبح ہوتی تھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پوچھ پوچھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سہیلیوں کے گھر گوشت پہنچاتے تھے [1]۔

---

(۱) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ فَضْلِ خَدِيجَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، رقم الحديث: ۳۸۷۵.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھیا آیا کرتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی توجہ سے ان کا حال دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا حال ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ گھر میں سب خیریت سے ہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بوڑھیا کون ہے جس کا آپ اتنا احترام کرتے ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدیجہ کی بہن ہے [۱]۔

کسی ایک قسم کے رشتہ داروں کی طرف جھکاؤ کا فاسد مزاج

الغرض! سسرالی رشتے کا بھی حق ہے، اس حق کی ادائیگی بھی ضروری ہے مگر ہمارے سماج میں ایک مزاج بنتا جارہا ہے، تقسیم کا مزاج بنتا جارہا ہے: کہیں تو کوئی اُدھر جھک جاتا ہے اور کہیں کوئی اِدھر جھک جاتا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے، دونوں کے حقوق ہیں اور دونوں کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لڑکے کے ماں باپ یوں چاہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا ہمارا ہی بن کر رہے اور اپنے سُسرال والوں کے ساتھ کچھ سلوک کرے ہی نہیں، ان سے بالکل کٹ جائے اور اِدھر بیوی کی اور اس کے ماں باپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میرا شوہر اپنے خاندان والوں کے ساتھ کوئی سلوک کرے ہی نہیں، میرا اور میرے

---

(۱) صحیح البخاری، بَابُ تَزْوِيجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةَ وَفَضْلِهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، رقم الحدیث: ۳۸۲۱.

ماں باپ کا بن کر رہ جائے ۔ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط۔

شریعت اعتدال چاہتی ہے

شریعت اعتدال چاہتی ہے کہ دونوں کے حقوق ادا کرو۔ جو ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا سسرال میں جاوے ہی نہیں، ساس اور سسر سے ملے ہی نہیں اور اگر جاتا ہے تو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ تو اپنے ساس سسر کا ہو کر رہ گیا ہے تو ہم لڑکے کے ماں باپ سے کہیں گے کہ تم ایسا مت کہو کہ یہ اپنی بیوی کے ماں باپ کا ہو گیا، وہ بھی اس کے ماں باپ کی طرح ہیں، تمہارا بھی حق ادا کر رہا ہے اور ساس سسر کا بھی حق ہے، ان کا حق بھی ادا کرنے دیجیے اور شریعت تو نام ہی حقوق کا، اگر ہر ایک کے حقوق کو ادا کرنے دیں گے، تب آپ شریعت کے تقاضوں پر عمل کرنے والے قرار دیے جائیں گے، کسی ایک طرف اگر آپ جھک گئے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، جس کا جتنا حق ہے، اس کے مطابق آپ بیلنس اور توازن برقرار رکھئے، تبھی آپ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب بنیں گے اور اگر آپ کسی ایک جانب جھک گئے تو پھر آپ کو اس کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑے گا اور آخرت میں بھی بھگتنا پڑے گا۔

ہاں! اگر تمہارا حق ادا نہ کرتا ہو تو بولو کہ ہمارا حق تو ادا نہیں کرتا، جب تمہارے ساتھ پورا احسان اور سلوک کرتا ہے اور پھر کچھ سلوک اور بھلائی اپنی بیوی کے ماں باپ کے ساتھ اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی کر رہا ہے تو تمہارے پیٹ میں کیوں درد ہوتا ہے؟ بلکہ اگر وہ ان کے ساتھ سلوک نہ کرتا ہو تو آپ کو چاہیے تھا کہ اس کو تاکید

کرتے۔ اس لیے کہ اس کی ازدواجی زندگی اور گھریلو زندگی تب ہی ٹھیک ہوسکتی ہے، جب ادھر کا معاملہ بھی ٹھیک ہو۔

بیوی اور سسرال والوں کی غلط سوچ

اسی طریقہ سے اگر شوہر بیوی کا حق ادا کر رہا ہے، اس کے ماں باپ کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے، تو بعض عورتیں یوں چاہتی ہیں کہ اب یہ اپنے ماں باپ سے، اپنے بھائی بہنوں سے اور اپنے رشتہ داروں سے کٹ جائے۔ بعض عورتیں تو باقاعدہ پہرہ لگا دیتی ہیں اور شوہر کو بھی ایسا قبضے میں کر لیتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! بے چارہ ماں باپ کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا۔ پہلے بیوی کی نظر کو دیکھے گا کہ کہاں ہے؟ اس کے بعد ہی ماں باپ کی طرف دیکھنے کی ہمت کرے گا، یہ بھی غلط ہے۔

یہ سب سے خطرناک بات ہے، ایسی عورتوں سے میں کہوں گا کہ جو بیٹا ماں باپ سے کٹ گیا تو ان کا نافرمان بنا اور ماں باپ کا نافرمان بن کر اور ان سے کٹ کر اولاد کہیں کامیابی حاصل کر سکتی ہے؟ نہ دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے اور نہ آخرت میں بلکہ حدیث کی رو سے ایسی اولاد دنیا کے اندر بھی سزا پائے گی۔ اب اگر تمہارا شوہر سزا پائے گا تو کیا تم اسے سزا سے بچا سکو گی؟ جب مصیبت میں وہ گرفتار ہوگا تو وہ مصیبت بیوی پر بھی آئے گی۔

ایسی بیوی اپنی اور اپنے شوہر کی بدخواہ ہے

جو سسرالی والے ایسی سازش رچا کر اپنے داماد کو اس کے ماں باپ سے کاٹنے

کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس کی بدخواہی کرتے ہیں، اس کی بھلائی نہیں چاہتے، دنیوی اعتبار سے بھی اس کا برا چاہتے ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی، اس لیے عورتیں اگر چاہتی ہیں کہ ان کے گھروں میں خیر و برکت ہو تو اپنے شوہروں سے کہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا حق ادا کریں۔ اگر نہیں کرتا ہے تو اُس کو مجبور کرو۔ بیویوں کو چاہیے کہ وہ حق ادا کروائیں۔ عورتیں اس معاملہ میں بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ آج کی عورتیں بہت کچھ کر رہی ہیں لیکن غلط کر رہی ہیں۔ میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہوں گا کہ اس کی طرف توجہ کرو۔ صلہ رحمی کا معاملہ مردوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ میں زیادہ ہے، مرد تو اپنے کاروبار میں ایسا کھپا ہوا ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں ہی کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے سارے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں کو ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

الغرض! شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں ہی رشتہ داریوں کا بھرپور لحاظ کرے، کسی کے اکسانے پر کسی ایک طرف ہرگز نہ جھکے۔

حقوق کی ادائیگی میں کسی ایک طرف جھکنے والے کی اخروی سزا

ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں، بیویاں ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں اور دونوں کے حقوق بھی برابر ہیں، حدیث میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر شوہر ان میں سے ایک بیوی کی طرف جھک گیا اور اسی کا ہو کے رہ گیا، دوسری بیوی کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں

آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ فالج زدہ ہوگا یعنی اس کو لقوہ مار گیا ہوگا[1]۔ گویا دنیا میں اس نے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا، اسی کے مناسب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو سزا دی تو کسی ایک کی طرف مائل ہوجانے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ہمارے معاشرے میں اس طرح دونوں طرف سے جو کوششیں ہوتی ہیں، غلط ہیں بلکہ شریعت کی طرف سے جس کو جو حقوق عطا کیے گئے ہیں، ان حقوق کے ادائیگی کا اہتمام کرایا جائے۔

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾: تم اپنے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور رشتہ داری کے حقوق ضائع کرنے سے بھی ڈرو۔

''رَحِم'' کے حقوق اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعین فرمائے ہیں، ان ہی حقوق کے ادا کرنے کا نام صلہ رحمی ہے اور ان ہی حقوق کو ضائع اور برباد کرنے کا نام قطعِ رحمی ہے۔ صلہ رحمی کی قرآن وحدیث میں بڑی تاکید ہے اور اس کے بڑے فضائل ہیں اور قطعِ رحمی پر بڑی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

آج ہمارے سماج کے اندر توازن نہیں رہا، حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں بڑی غفلت برتی جارہی ہے جس کے نتیجے میں قطعِ رحمی کی جو وعیدیں ہیں، ان کا کثرت سے ظہور ہورہا ہے اور قطعِ رحمی پر اتنی خطرناک وعیدیں ہیں کہ ہم سوچ نہیں سکتے۔

قطع رحمی پر وعید سے متعلق حدیث کی شرح

---

① سنن أبی داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، بَابٌ فِي الْقَسْمِ بَيْنَ النِّسَاءِ، رقم: ۲۱۳۳.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس کے الفاظ مسلم شریف کے ہیں، ویسے بخاری میں بھی یہ حدیث ایک ذرا سے فرق کے ساتھ آئی ہے، اس حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ قَامَتِ الرَّحِمُ: اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ مخلوقات میں خالی انسان ہی نہیں بلکہ انسان، جنات، جانور، فرشتے سب کو پیدا فرمایا اوران کے ساتھ تعلق رکھنے والی جو دوسری چیزیں ہیں: رشتہ داریاں اور حقوق وغیرہ سب کو پیدا کیا، کائنات کو جب وجود بخشا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری چیزیں جو اس وقت کائنات کے اندر ہیں، چاہیں وہ محسوسات کے قبیل سے ہوں، چاہے وہ معنویات کے قبیل سے ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کو پیدا کیا۔

رشتہ داری کا اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونا اوراس پر ایک اشکال وجواب

حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ: جب اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہوئے تو قَامَتِ الرَّحِمُ: رشتہ داری کھڑی ہوگئی اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے عرش کا پایہ پکڑ لیا۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ رشتہ داری ایک معنوی چیز ہے، اس کے لیے کوئی جسم نہیں ہے، یہ تو تعلق کا نام ہے پھر اس کا کھڑا ہونا، عرش کا پایہ پکڑنا اور اللہ کے سامنے عرض معروض کرنا؛ ان سب کا مطلب کیا ہے؟۔ بھائی! ہمارا اور آپ کا معاملہ ہوتا

تو یہ اشکال بجا تھا لیکن یہاں معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے، جن کو ہم معنوی سمجھتے ہیں، ان معنوی چیزوں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت سے جسم بھی عطا فرماتے ہیں۔ احادیث میں اس کے نمونے موجود ہیں۔

اہل جنت کے جنت میں اور اہل جہنم کے جہنم میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا اعلان

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف میں بھی یہ روایت ہے کہ قیامت کے روز جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو اس کے بعد اعلان کیا جائے گا: **يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ**: اے جنتیو! تو جنتی لوگ ڈرتے ڈرتے اپنا سر اونچا کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکلنے کی بات کریں، حدیث کے الفاظ ہیں: **فَيَطَّلِعُونَ خَائِفِينَ**: ڈرتے ڈرتے سر اٹھائیں گے۔ آدمی جب اچھی جگہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ بس اب یہاں سے ہٹنے کی، نکلنے کی نوبت نہ آوے، اس لیے ڈرتے ڈرتے اپنا سر اونچا کریں گے پھر جہنمیوں کو پکاریں گے: **يَا أَهْلَ النَّارِ**: اے جہنمیو!، **فَيَطَّلِعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ يَرْجُونَ الشَّفَاعَةَ**: تو جہنمی لوگ خوشی خوشی اپنا سر اٹھائیں گے اس امید میں کہ ضرور ہماری کسی نے سفارش کی ہے اور وہ سفارش ہمارے حق میں منظور ہوگئی ہے، اس لیے جہنم سے رہائی کا پروانہ ملنے والا ہے، اس کے بعد ان کو ایک مینڈھا دکھلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ موت کو مینڈھے کی شکل عطا فرمائیں گے،

يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ[۱] اور فرشتہ اس کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ تو دونوں فریق کہیں گے کہ ہاں! پہنچانتے ہیں، ہم سب نے اس کا مزہ چکھا ہے۔ جب دونوں فریق اس کو دیکھ لیں گے تو اس کے بعد اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا اور پھر اعلان ہوگا کہ اے جنتیو! اب تمھیں ہمیشہ جنت میں رہنا ہے، اب موت آنے والی نہیں ہے کہ موت کو ہی موت آ گئی اور اے جہنمیو! اب تم کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ہے، تم کو بھی اب موت نہیں آئے گی[۲]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر خوشی کی وجہ سے کسی کو موت آ جاتی تو جنتیوں کو آتی اور غم کی وجہ سے کسی کو موت آ جاتی تو جہنمیوں کو آتی[۳]۔

میں نے تو یہ حدیث یہاں اس لیے ذکر کی کہ دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں موت کو ایک شکل عطا فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ قدرت رکھتے ہیں کہ معنوی چیزوں کو بھی شکل عطا فرمائے۔

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِهِ: {وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الحَسْرَةِ} [مريم: ۳۹]، رقم الحديث: ۴۷۳۰.

② سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ، رقم الحديث: ۲۵۵۷.

③ سنن الترمذی، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ، رقم الحديث: ۲۵۵۸.

اسی طرح اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتہ داری کو بھی شکل عطا فرمائی، اب یہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کی کیا شکل تھی، علماء جانتے ہیں کہ ملائے اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے معنوی حقائق کو بھی شکلیں دی ہیں۔ اسی طرح رشتہ داری کو بھی جسم عطا کیا اور وہ کھڑی ہوئی۔

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہوئے تو قَامَتِ الرَّحِمُ: رشتہ داری کھڑی ہوگئی اور کھڑی ہو کر کے کہنے لگی: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ: میں اس وقت اس لیے کھڑی ہوئی ہوں کہ میرے حقوق کو پامال کیے جانے کے معاملے میں مَیں آپ کی پناہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے مجھے پیدا کیا ہے۔

رشتہ داری کے تمام حقوق پہلے سے طے شدہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری کو پیدا کیا اور رشتہ داری کے حقوق بھی اللہ نے طے کر دیے کہ یہ حقوق ہیں کہ باپ بیٹے کے درمیان رشتہ داری ہے، ماں بیٹے کے درمیان رشتہ داری ہے، بھائی بھائی کے درمیان رشتہ داری ہے، بھائی بہن کے درمیان رشتہ داری ہے، یہ سب رشتہ داریاں ہیں اور ان کے حقوق طے ہیں کہ بیٹے کے اوپر ماں کے یہ حقوق ہیں، بیٹے کے اوپر باپ کے یہ حقوق ہیں، ماں باپ پر اولاد کے یہ حقوق ہیں، بھائی پر بھائی کے یہ حقوق ہیں، بیوی کے اوپر شوہر کے اور شوہر کے اوپر بیوی کے اور ساری رشتہ داریوں کے حقوق ہیں، رشتہ داری کو پیدا کر کے ان رشتہ داریوں کے حقوق اللہ تعالیٰ نے لازم کیے، ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا تو وہاں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف

سے بتادیا گیا کہ تمھارے بھائی کے تمھارے اوپر یہ حقوق ہیں۔ بیٹے کو بتایا گیا کہ باپ کے تم پر یہ حقوق ہیں اور باپ کو یہ بتایا گیا کہ بیٹے کے تم پر یہ حقوق ہیں۔ الغرض! جتنی بھی رشتہ داریاں ہیں اور ان رشتہ داریوں سے جو فریق تعلق رکھتے ہیں، ان تمام فریقوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان رشتہ داریوں کے حقوق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے واسطے سے بتادیے گئے۔

رشتہ داری کے حقوق تو بتادیے گئے لیکن اب یہ لوگ ان حقوق کو ادا کریں گے یا نہیں؟ بیٹا باپ کے حقوق ادا کرے گا یا باپ کو فٹ پاتھ پر بٹھادے گا، بھائی بھائی کے حقوق ادا کرے گا یا بھائی کو انگوٹھا بتادے گا تو رشتہ داری کے حقوق تو بتادیے لیکن یہ حقوق ادا ہوں گے بھی یا نہیں، اس کی اس رشتہ داری کو فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا اور میرے حقوق بھی بتلادیے لیکن لوگ توجہ سے، دھیان دے کر میرے حقوق ادا کریں گے یا نہیں، کہیں غفلت تو نہیں برتیں گے؟۔

اعمال کی انجام دہی کے سلسلے میں انسانی فطرت

اس لیے ضرورت ہے کہ حقوق کو ادا کرنے کے لیے ان کو لالچ دیا جائے کہ تم حقوق ادا کرو گے تو تم کو یہ انعام ملے گا اور اگر تم ان حقوق کو ضائع کرو گے تو یہ سزا ملے گی۔ انسان کا مزاج اور اس کی فطرت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے پر اس کو کسی انعام کا لالچ دیا جاتا ہے یا اس کے نہ کرنے پر کسی سزا کی دھمکی دی جاتی ہے تو وہ اس انعام کے لالچ کی وجہ سے یا اس دھمکی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے وہ اس کام کو کرلیتا ہے۔

شریعت نے بھی جن کاموں کے کرنے کی تاکید کی ہے یا بچنے کے لیے تاکید کی ہے، ان تمام جگہ یہی اصول اپنایا ہے کہ کرنے پر آپ کو یہ انعام دیا جائے گا، جنت دی جائے گی اور نہ کرنے پر جہنم کی دھمکی دی گئی۔

اپنے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں رشتہ داری کو اندیشہ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ضمانت کا مطالبہ

تو رشتہ داری کے حقوق تو متعین کیے لیکن خود رشتہ داری کو یہ فکر ہوا کہ لوگ ـــــ میرے حقوق ادا کریں گے یا نہیں، حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں مجھے کچھ اطمینان ملنا چاہیے، کچھ گارنٹی ملنی چاہیے، اس لیے رشتہ دارے نے کھڑے ہو کر اپنی درخواست اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کی۔

جب وہ کھڑی ہوئی تو باری تعالیٰ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: یہ اس شخص کا کھڑا ہونا ہے جو آپ سے رشتہ داری کے حقوق ضائع ہونے سے پناہ چاہتا ہے، میں تو اپنے حقوق کے ضائع ہونے سے آپ کی پناہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشتہ داری کی عرضی کی منظوری

قَالَ: نَعَمْ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بالکل ٹھیک ہے، تمھاری درخواست قبول کی جاتی ہے اور گارنٹی کیا دی جارہی ہے؟۔

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟: کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے گا، میں اس کو جوڑوں گا، کون کہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کہتے

ہیں کہ تجھے جو جوڑے گا، میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا؛ میں اس کو کاٹوں گا؟

دیکھو! وعدہ بھی بہت بڑا، بہت اونچا اور دھمکی بھی بڑی خطرناک۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ یہ گارنٹی تجھے چاہیے؟، اگر میں یہ گارنٹی تجھے دے دوں تو تجھے اطمینان ہو جائے گا؟، قَالَتْ: بَلَى: رشتہ داری نے کہا: کیوں نہیں! اگر آپ کی طرف سے مجھے گارنٹی مجھے مل جائے کہ جو مجھے جوڑے گا، اسے آپ جوڑیں گے اور جو مجھے کاٹے گا، اسے آپ کاٹیں گے تو میں اس پر راضی ہوں، مجھے اس پر اطمینان ہے، اس گارنٹی کو لے کر مجھے اپنے حقوق کا پرامیس مل جائے گا تو باری تعالیٰ نے کہا: فَذَاكِ لَكِ: جا! تجھے یہ وعدہ دے دیا، ہماری طرف سے یہ گارنٹی تجھے دی جاتی ہے۔ اس کو یہ کہہ دیا گیا کہ جو رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرے گا، اللہ اس کو جوڑے گا اور جو رشتہ داری کے حقوق کو توڑے گا، اللہ اس کو کاٹے گا۔

دیکھو! ہماری پیدائش سے پہلے، انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے یہ معاملہ طے ہو چکا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتہ داری کے حقوق کے سلسلے میں رشتہ داری کو ان الفاظ میں گارنٹی دے دی ہے۔

آدمی کے پاس جب طاقت آجاتی ہے تو وہ قطع رحمی کرنے لگتا ہے

آگے اسی روایت میں ہے: ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس

کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری بات کی مزید تائید کے لیے اگر تم چاہو تو قرآنِ پاک کی اس آیت کو پڑھ لو: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝٢٢﴾: کیا تمھیں اس بات کی توقع اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہوا، طاقت تمھارے پاس آ گئی تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو گے۔ رشتہ داری کے حقوق کب ضائع ہوتے ہیں؟ جب آدمی میں ذرا طاقت اور قوت آ جاتی ہے منی پاور (mony power)، مسلس پاور (muscle power) آ جاتا ہے، اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝٢٢﴾: کیا تم سے اس بات کی توقع نہیں ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر تم کو زمین میں اختیارات حاصل ہوں، سَتّا تمھارے ہاتھ میں آ گئی، بادشاہت تمھارے ہاتھ میں آ گئی تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو گے۔

قطع رحمی کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار نہیں ہیں

پھر کیا ہوگا؟ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝٢٣﴾: یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والے لعنت کے حق دار ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار نہیں ہیں۔

قطع رحمی کرنے والے اندھے، بہرے ہو جاتے ہیں

آگے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے کانوں کو بہرا کر دیا، قوتِ شنوائی سلب کر لی اور آنکھوں کو اندھا کر دیا، قوتِ بینائی بھی ختم کر دی۔

جب آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں تو ساری دنیا سمجھاتی ہے کہ یہ تمھارے والدین ہیں، یہ تمھارے بھائی بہن ہیں، ان سے تعلقات کو درست کر لو، ایک چھوٹا بچہ بھی ان تعلقات کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا، کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں، وہ حقیقت جو ساری دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، اس کو وہ نظر نہیں آتی، یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا، ساری دنیا کہتی ہے لیکن یہ بھائی کو بھائی ماننے کے لیے تیار نہیں، اسی کو فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝۲۳﴾: یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے لعنت کی، ان کے کانوں کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ وہ رشتے جن کو ایک عام آدمی، معمولی سمجھ رکھنے والا بھی سمجھ جاتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ساری دنیا سمجھا رہی ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مل لو لیکن یہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

جو مجھے جوڑے گا، اللہ تعالیٰ اسے جوڑیں گے اور.......

قطع رحمی پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث مسلم شریف کے اندر موجود ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے

فرمایا: الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللهُ: رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور وہ ہر وقت دعا کرتی ہے، اس کی زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ جو مجھے جوڑے گا، اللہ اُس کو جوڑیں گے اور جو مجھے کاٹے گا، اللہ اُس کو کاٹیں گے (۱)۔

صلہ رحمی یعنی رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنا بہت بڑا کام ہے اور شریعت نے قرآن میں بھی اور حدیث میں بھی اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات میں سے اس کو شمار کیا گیا ہے۔

شاہِ روم کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوتِ اسلام کا خط

چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب دنیا کے بادشاہوں کے نام خطوط بھیجے تو ایک خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر ہرقل شاہِ روم کے نام بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا۔

قیصرِ روم اپنی نذر پوری کرنے کے لیے بیت المقدس میں

اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ جس زمانے میں وہ خط بھیجا گیا تھا، اس زمانے میں وہ اپنی ایک ضرورت کے لیے اور منت اور نذر پوری کرنے کے لیے شام، بیت المقدس پہنچا ہوا تھا، وہ نصرانی تھا، عیسائی تھا، اس نے ایک منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے میرے دشمن فارس کے مقابلے میں کامیابی دے گا تو میں بیت المقدس کی پیدل زیارت

---

(۱) صحيح مسلم، بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا، رقم الحديث: ۲۵۵۵.

کروں گا، چنانچہ جب اس کو فارس کے مقابلے میں کامیابی ملی تو اس نذر کو پورا کرنے کے لیے وہ پہلے قسطنطنیہ سے حلب آیا، یہ حلب بھی روم کا پایۂ تخت تھا، وہاں سے وہ باقاعدہ پیدل یروشلم گیا اور بیت المقدس کی زیارت کی۔

اسی وقت نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وہ خط اس کو دیا گیا اور اس کو بتلایا گیا کہ عرب کے اندر ایک شخص ظاہر ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول اور نبی بتاتے ہیں، اس کی طرف سے یہ خط آپ کے نام بھیجا گیا ہے۔

زمانۂ نبوی میں دینِ عیسائیت کے دو سب سے بڑے عالم

یہ ہرقل اگلی آسمانی کتابوں کا بہت بڑا عالم بھی تھا، اس زمانے میں عیسائیوں کے اندر اگلی آسمانی کتابوں کے دو ہی بڑے عالم تھے، ایک تو یہ خود قیصرِ روم جس کا نام ہرقل تھا، وہ بادشاہ ہونے کے باوجود تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا بہت بڑا عالم تھا اور دوسرا اس زمانے میں عیسائیوں کا جو لاٹ پادری تھا، سب پادریوں کا سردار، اسقف الأساقفه جس کا نام زوغاطر تھا، وہ بھی بہت بڑا عالم تھا، یہ دو بڑے عالم تھے۔

تو بادشاہ خود دین عیسائیت کا بہت بڑا عالم تھا، اس لیے اگلی آسمانی کتابوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں بتلائی گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو نشانیاں اور علامتیں بتلائی گئی ہیں، ان سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی تحقیق کے لیے قیصر کی چارہ جوئی

اسی لیے جب اس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط پہنچایا گیا اور اس کو یہ بتلایا گیا کہ عرب کے اندر ایک شخص ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتلاتے ہیں، ان کی طرف سے یہ خط آپ کو بھیجا گیا ہے، یہ پہلا موقع تھا جب اس کے علم میں یہ بات آئی کہ ایک نبی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اس نے اس خط کو ابھی کھول کر پڑھا بھی نہیں، اس سے پہلے- یہ اس کی عقل اور دانش مندی تھی کہ سب سے پہلے- اس شخص کے حالات اور اوصاف معلوم کیے جائیں چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں سے پوچھا کہ جس کی طرف سے یہ خط بھیجا گیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس شخص نے جس علاقے یعنی حجازِ مقدس سے خط بھیجا ہے، اس علاقے کا کوئی آدمی یہاں موجود ہے؟ اگر وہاں کے کچھ لوگ مل جائیں تو ہم ان سے اس آدمی کے بارے میں تحقیق کرلیں۔ لوگوں نے بتلایا کہ مل جائیں گے؛ کیوں کہ اس علاقے سے تجارتی قافلے آتے رہتے ہیں، ہم تلاش کرتے ہیں، ممکن ہے کوئی قافلہ مل جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے سلسلے میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے قیصر کے سوالات

تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک قافلہ مکہ مکرمہ سے آیا ہوا ہے اور اتفاق کی بات کہ اس قافلے کے سردار ابوسفیان تھے جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے

بڑے دشمن تھے، حزبِ مخالف کے لیڈر، اپوزیشن لیڈر رہی تھے، وہی اس وقت یروشلم میں موجود تھے۔ چنانچہ ہرقل نے باقاعدہ دربار کو سجایا، منعقد کیا اور اس قافلے کے لوگوں کو بلایا اور ان ہی سے ہرقل نے کچھ سوالات کیے جس کے جوابات انھوں نے دیے اور ان کے ان جوابات ہی سے ہرقل نے یہ نتیجہ نکالا کہ جس کی طرف سے یہ خط آیا ہے، وہ نبیٔ برحق ہیں۔

ہرقل نے سب سے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعوی کرتے ہیں، اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتے ہیں، ان کے ساتھ خاندانی اور نسبی اعتبار سے تم میں سب سے زیادہ کون قریبی تعلق رکھنے والا ہے؟ سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟ یہ سوال اس لیے تھا کہ جو خاندانی اعتبار سے سب سے زیادہ قریب ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ اندرونی حالات سے واقف ہوگا۔ یہ ابوسفیان ہی سب سے قریبی رشتہ دار تھے، اگرچہ دشمن تھے لیکن تھے سب سے قریبی تو انھوں نے کہا کہ میں سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوسفیان کی نسبی رشتہ داری کی نوعیت

اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جو دادا ہیں عبد المطلب، ان کے دادا عبد مناف ہیں، عبد مناف کے چار بیٹے تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) نوفل (۴) عبد شمس۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہاشم کی اولاد میں سے ہیں اور ابوسفیان عبد شمس کی اولاد میں سے ہیں، گویا اس قافلے میں خاندانی اور نسبی اعتبار سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار یہی ابوسفیان تھے۔

چنانچہ ہرقل نے ان کو آگے بٹھایا اور دوسروں کو پیچھے بٹھا کر اپنے ترجمان اور

''دو بھاشیے'' کے ذریعہ سے ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! میں ان سے کچھ سوالات کروں گا، اگر اس کے جواب میں یہ جھوٹ، غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیں تو تم بتا دینا۔

یہ واقعہ خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے سامنے بیان کیا، بخاری شریف کی روایت میں ہے: حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ: یعنی ان کے منہ سے میرے منہ تک یعنی سیدھا، بہ راہِ راست، منہ در منہ انھوں نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی ہے۔

حضرت ابوسفیان دشمن ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹ کیوں نہیں بولے؟

اس میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ یقین تھا کہ اگر میں بادشاہ کے سامنے جھوٹ کہوں گا تو برسر دربار میرے ساتھیوں میں سے کوئی بھی میری تغلیط اور تکذیب نہیں کرے گا، یعنی بادشاہ سے تو کوئی نہیں کہے گا کہ انھوں نے یہ غلط جواب دیا ہے لیکن وہاں سے واپس آنے کے بعد مکہ میں اس کا ضرور چرچا ہوگا کہ وہاں بادشاہ کی طرف سے ایسے سوالات کیے گئے تھے اور انھوں نے اس کا غلط جواب دیا تھا، میری طرف جھوٹ کی نسبت ہوگی، ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں اس کو اپنے لیے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

بہر حال! بادشاہ نے ان سے بہت سارے سوالات کیے، بخاری شریف میں بڑی لمبی چوڑی روایت ہے، دس سولات کیے اور انھوں نے اس کے جوابات دیے اور

ان کے ان جوابات سے ہرقل نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نبیٔ برحق ہیں، سچے نبی ہیں اور وہی آخری نبی ہیں جن کی بشارتیں اگلی آسمانی کتابوں میں تواتر سے چلی آئی ہیں۔

صلہ رحمی کی اہمیت پر دلالت کرنے والا جملہ

اسی روایت میں اخیر میں یہ ہے کہ یہ سب ہو چکنے کے بعد ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: مَاذَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ؟ کہ: یہ نبی تم کو کیا تعلیم دیتے ہیں؟ کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب میں کہا تھا: يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّدْقِ وَالعَفَافِ وَالصِّلَةِ کہ: یہ نبی ہم کو نماز کا، سچائی کا اور عفت و پاک دامنی کا اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے حکم دیتے ہیں[1]۔

دیکھو! ایک بہت بڑا دشمن اس زمانے کے بہت بڑے بادشاہ کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ جو پیش کر رہا ہے، اس میں اس نے جن پانچ چیزوں کا نام لیا، ان میں صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شریعت کی نگاہ میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا کیا مقام اور کیا حیثیت ہے۔

نبوت ملنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے تھے

اور یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، رقم الحدیث: ۷۔

ہوئی اور آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز اگیا، اس سے پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کا اہتمام کرتے تھے۔

سب سے پہلی وحی

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت ہے کہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام غارِ حرا میں جب سب سے پہلی وحی لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ بھینچا اور پھر وہ وحی آپ ﷺ تک پہنچائی، جس میں سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیتیں تھیں: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾۔ یہ پانچ آیتیں پہلی وحی ہے جو آپؐ پر نازل ہوئی ہے۔

چوں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور وہ بھی غار کی تنہائیوں میں، دوسرا کوئی ہوتا تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا، یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوت عطا فرمائی تھی، اس کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے کی ہیبت ناکی کو برداشت کر گئے لیکن پھر بھی اس واقعے کی ہیبت ناکی کی وجہ سے آپ ﷺ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور آتے ہی کہا: زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ: مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا، بدن کانپ رہا تھا، آپ ﷺ کو چادر اوڑھائی گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان کا خطرہ

جب کچھ اطمینان ہوا، طبیعت ذرا پُرسکون ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سارا قصہ اپنی غم گسار رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کو سنایا اور سنانے کے بعد ایک جملہ کہا: لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي: اے خدیجہ! مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔

صلہ رحمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتے

اس پر حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اطمینان دلایا اور کہا: كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے محض اس جواب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس جواب کی دلیل بھی دی کہ آپ رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرتے ہیں اور جو آدمی اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اپنا خرچہ برداشت نہیں کرسکتا، اس کے بوجھ کو آپ اٹھاتے ہیں اور جس کے پاس مال ودولت نہیں ہے، آپ مال ودولت کما کر کے اس کو دیتے ہیں اور مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور قدرت کی طرف سے جو مصیبتیں آتی ہیں: سیلاب آ گیا، زلزلہ آ گیا، کوئی اور مصیبت آ گئی، اس موقع پر آپ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اور جو آدمی ان خوبیوں والا ہو، ان خوبیوں کا حامل ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے آدمی کو کبھی ضائع اور برباد

نہیں کرتے①۔

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو، اس سے پہلے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو جن خوبیوں سے نوازا تھا، جن کمالات اور جن اوصاف سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مالا مال فرمایا تھا، ان کمالات اور خوبیوں میں سب سے پہلی بات ''إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ'' یعنی صلہ رحمی ہے، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ یہ یہودیت کے بہت بڑے عالم تھے۔ مدینہ میں یہود کے بھی دو قبیلے آباد تھے: (۱) بنونضیر (۲) بنوقریظہ اور عرب کے بھی دو قبیلے تھے: (۱) اوس (۲) خزرج۔ بنوقریظہ کی ایک شاخ تھی: بنوحارثہ، اسی سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ تعلق رکھتے تھے اور بہت بڑے عالم تھے، توریت اور دوسری سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا علم ان کے پاس تھا۔

ان کتابوں میں نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں، ان کے جو حالات، نشانیاں اور علامتیں بیان کی گئی تھیں، ان سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

مدینہ منورہ کے لوگوں میں سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر ایمان

---

① صحیح البخاری، عَنْ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، رقم الحديث: ۳.

لانے والے قبیلۂ خزرج کے چھے آدمی تھے جو حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تھے، یہ نبوت کے گیارہویں سال کی بات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ان کی ملاقات منٰی میں جمرۂ عقبہ -جس کو بڑا شیطان کہتے ہیں- کے پاس ہوئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کو ایمان واسلام کی دعوت پیش کی اور کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس وحی آتی ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی بہار

چنانچہ یہ چھے کے چھے ایمان لے آئے، انھوں نے وعدہ کیا کہ ہم آئندہ سال مزید آدمیوں کے ساتھ آئیں گے اور پھر مدینہ منورہ آ گئے اور یہاں آ کر یہ بات دوسرے لوگوں کو بتلائی تو مدینے بھر میں اس کا چرچا ہونے لگا، جہاں کہیں کوئی مجلس ہے، کچھ لوگ جمع ہوئے ہیں تو وہاں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی باتوں کا چرچا ہو رہا ہے، مدینہ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چرچے سے بھر گیا، مردوں میں، عورتوں میں اور اس طرح یہ دعوت وہاں پھیلنے لگی۔

بیعتِ عقبۂ اولی

اس کے بعد دوسرے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال بارہ آدمی جن میں گذشتہ سال کے چھے آدمیوں میں سے پانچ بھی تھے اور باقی سات نئے تھے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ یہ بیعتِ عقبۂ اولی کہلاتی ہے۔ عقبہ یعنی

جمرۂ عقبہ جس کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں اور انھوں نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ سال ہم مزید لوگوں کو لائیں گے۔

انھوں نے درخواست کی آپ ہمیں اسلام کی تعلیمات اور قرآن سکھانے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجیے، اہلِ مدینہ کی اس درخواست پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیه وسلم نے دو آدمیوں کو ان کی تعلیم کے لیے بھیجا: (۱) حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنه اور (۲) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنه۔ وہاں جا کر انھوں نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی اور بہت بڑی تعداد ایمان لائی۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ

تیسرے سال یعنی نبوت کے تیرہویں سال "۷۵" لوگ آئے جن میں دو عورتیں اور باقی مرد تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیه وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے، یہ دوسری بیعتِ عقبہ کہلاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں آفتابِ نبوت کے جلوہ افروز ہونے کی تیاریاں

اسی موقع پر رات کے اندھیرے میں، مکہ والوں کو پتہ نہ چلے، قریش کو پتہ نہ چلے، اس طرح چپکے سے باتیں ہوئیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیه وسلم نے ان سے کہا کہ کیا تم مجھے پناہ دو گے کہ میں آؤں اور آزادی کے ساتھ لوگوں کے سامنے ایمان واسلام کی دعوت پیش کروں؟ ان حضرات نے جواب دیا کہ بالکل! آپ آئیے اور ان کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ ہوا جس میں انھوں نے کہا کہ جس طرح ہم اپنی اور اپنے بال بچوں

کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور آپ کے دعوت کے اس کام میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ اسی معاہدے کی بنیاد پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا یہودیوں تک

مدینہ کے جو عرب تھے، وہ تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہی مل چکے تھے اور یہودی حج کے لیے جاتے نہیں تھے، ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن وہ ان عربوں کی زبانی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حالات سنتے رہتے تھے، خزرج کے ساتھ اوس والے بھی ایمان لائے تھے اور بیعتِ عقبۂ اولی اور بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بعد تو اس کا خوب چرچا ہوا اور ایمان واسلام کی خوب دعوت دی جانے لگی اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حالات سے واقفیت بڑھنے لگی۔ یہود نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حالات سنے تو ان میں جو عالم اور جان کار لوگ تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جو نشانیاں آسمانی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں، ان سے وہ واقف تھے تو ان کو تو یہ باتیں سن کر اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جو آخری زمانے میں آنے والے ہیں اور جن کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔ گویا حالات سن کر ان کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ کی قسمت میں اللہ تعالی نے ہدایت

لکھ دی تھی، انھوں نے بھی جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حالات سنے، آپ کو دیکھا تو تھا نہیں، حالات سنتے ہی ان کو یقین ہو گیا کہ یہی نبیٔ آخر الزمان ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنتا رہتا تھا اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ یہ وہی آخری نبی ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کا پہلا قیام قُبا میں رہا، جو آج کل مدینہ منورہ کا ایک حصہ ہے، اس زمانے میں یہ مدینہ منورہ سے الگ تین میل کی دوری پر ایک مستقل آبادی تھی، وہاں ان ہی انصار کے کچھ قبائل آباد تھے، وہاں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا پہلا قیام رہا اور جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ چودہ یا چوبیس روز قیام فرمایا[1]۔ چودہ والی روایت کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ چودہ روز نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وہاں قیام پذیر رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کی خبر مدینہ منورہ میں ایک آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے، آپ کی زیارت اور آپ کو دیکھنے کے لیے جماعت در جماعت اور گروہ در گروہ

---

(۱) صحيح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَقْدَمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابِهِ الْمَدِينَةَ، رقم الحديث: ۳۹۳۲.

جانے لگے۔ جیسے کوئی خاص آدمی آنے والا ہوتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک تجسس سا پیدا ہوتا ہے کہ ذرا دیکھیں تو سہی کہ کون ہے اور کیسا ہے؟۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ردِّ عمل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کھجور کے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا کہ اس وقت مجھے اطلاع ملی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو یہ سن کر میں مارے خوشی کے درخت سے کود پڑا۔ اس وقت میری پھوپھی وہاں باغ میں موجود تھی-یہ بھی یہودی تھے اور وہ بھی یہودن تھی-انھوں نے میری خوشی کا یہ عالم دیکھ کر کے مجھے کہا کہ تم تو ان کی آمد پر ایسی خوشی ظاہر کر رہے ہو، جیسے حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام آ گئے ہوں۔

اظہارِ مسرت پر پھوپھی کا سوال

چوں کہ یہودی حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا نبی مانتے ہیں تو یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ آ جاتے تو ان کی آمد پر جیسی خوشی کا اظہار کیا جاتا، آپ نے درخت سے چھلانگ لگا کر ویسی ہی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ یہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جس گروہ سے حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تعلق رکھتے ہیں۔ گویا نبیوں کا گروہ اور نبیوں کی جماعت سے ان کا تعلق ہے۔ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ پھوپھی نے پوچھا کہ یہ اللہ

کے سچے نبی ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ ہاں! اللہ کے سچے نبی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ابتدائی تاثر

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کہہ کر کے میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جلدی سے قبا کی طرف چلا اور دور سے جب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کے اوپر میری نظر پڑی تو روایت کے الفاظ ہیں: فَلَمَّا رَأَيْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ کہ: جب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بابرکت چہرے پر میری نظر پڑی تو نظر پڑتے ہی میرے دل کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا[1]۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزاتی حسن و جمال

اللہ تبارک وتعالی نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو وہ حسن و جمال، وہ رعب اور وجاہت عطا فرمائی تھی، آپ کے چہرۂ انور میں اللہ تبارک وتعالی نے وہ بات رکھی تھی کہ دیکھنے والے اس کو دیکھ کر کے آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور آپ کی

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في دخول عبد الله بن سلام رضي الله عنه على رسول الله حين قدم المدينة الخ

حقّانیت کا اقرار کرنے لگتے تھے اور دشمن بھی اس چیز کو تسلیم کرتے تھے۔

اسی لیے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے دل نے گواہی دی کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تو دور سے دیکھنے پر ان کا تأثر تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہوا سب سے پہلا کلام

جب آپ کی مجلس کے قریب پہنچے اور اتنے قریب پہنچے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جو باتیں ارشاد فرما رہے تھے، ان کی آواز ان کے کان میں پڑنے لگی۔ یہی بات میں اصل میں سنانا چاہتا ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی کون سی تعلیمات سکھا رہے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا کلام اور سب سے پہلی بات جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی، وہ یہ تھی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ[1]: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ۔

سلام ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے

دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے جب ملے تو اس کو چاہیے کہ اس کو سلام کرے، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کچھ حقوق

---

(۱) سنن الدارمی، بَابٌ: فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ، رقم الحدیث: ۲۶۷۴.

بتلائے ہیں، ان حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔

سلام کا مطلب ومفہوم اور عظیم فوائد

آج سلام کا سلسلہ ہمارے اندر باقی نہیں رہا، ختم ہوتا جا رہا ہے۔ سلام تو اتنی برکت والی چیز ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ سلام کیا ہے؟ **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ**: تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوں۔ اس میں تین دعائیں ہیں۔

اب اندازہ لگاؤ کہ میں آپ کو سلام کروں اور اس کے جواب میں آپ یوں کہیں گے: **وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ** تو یہی تین دعائیں آپ مجھے دیں گے۔ اگر ہمارے سماج میں اس سلام کا رواج عام ہو جائے تو ایک ایک دن میں بیسیوں، سینکڑوں دعائیں ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے ملیں گی اور پتہ نہیں کس کی زبان سے نکلی ہوئی دعا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک رحمت ہمارا بیڑا پار کرنے کے لیے کافی ہے۔

ہمارے اسلاف تو ایسے تھے کہ ایسی دعاؤں کو حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔

چھینک کے موقع پر نبوی تعلیم

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، ایک مرتبہ ایک بڑی کشتی

میں بیٹھ کر کے کہیں جارہے تھے، کنارے پر ایک آدمی کھڑا تھا، اس کو چھینک آئی اور اس نے ’’الحمد للہ‘‘ کہا۔ ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی کو چھینک آوے تو چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور جو آدمی اس کی الحمد للہ کو سنے، اس کے جواب میں ’’یَرْحَمُكَ اللّٰہُ‘‘ کہے، چھینک کھانے والے کے لیے الحمد للہ کہنا تو سنت ہے، واجب نہیں۔ نہیں کہے گا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن اس نے الحمد للہ کہی تو سننے والے کے لیے اس کے جواب میں ’’یَرْحَمُكَ اللّٰہُ‘‘ کہنا واجب ہے، نہیں کہے گا تو گنہگار رہوگا[۱]۔

اور اس سلسلے میں آگے ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب سننے والا ’’یَرْحَمُكَ اللّٰہُ‘‘ کہے تو چھینک کھانے والا اس کے جواب میں کہے گا: ’’یَهْدِیكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ‘‘ کہ اللہ تعالی تمھیں ہدایت کا راستہ عطا فرمائے اور تمھارا حال درست فرمائے[۲]۔

امام ابوداودؒ اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عجیب وغریب اہتمام

تو ایک آدمی کنارے پر کھڑا تھا جہاں سے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کشتی گذری، اس کو چھینک آئی اور اس نے ’’الحمد للہ‘‘ کہا۔ اب یہ ان کے جواب میں ’’یَرْحَمُكَ اللّٰہُ‘‘

---

(۱) وَرَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ عَلَى الْفَوْرِ(قَوْلُهُ وَرَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ عَلَى الْفَوْرِ) ظَاهِرُهُ أَنَّهُ إذَا أَخَّرَهُ لِغَيْرِ عُذْرٍ كُرِهَ تَحْرِيمًا وَلَا يَرْتَفِعُ الْإِثْمُ بِالرَّدِّ بَلْ بِالتَّوْبَةِ ط وَفِي تَبْيِينِ الْمَحَارِمِ تَشْمِيتُ الْعَاطِسِ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ عِنْدَ الْأَكْثَرِينَ.(رد المحتار علی الدر المختار [الناشر: دار الفكر-بيروت]: ۶/ ۴۱۴، فصل في البيع)

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تعالی عَنْهُ، بَابُ إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ.

کہیں، اس سے پہلے ہی ان کا جہاز تیزی سے آگے نکل گیا، اب اگر ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ''
کہتے بھی ہیں تو اس کے کان تک آواز پہنچتی نہیں ہے۔

چھینک اور سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت

ایک بات اور بھی یاد رہے کہ چھینک کھانے والے کے الحمد للہ کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنا یا سلام کرنے والے کے ''السلام علیکم'' کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہنا واجب ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس نے چھینک کھائی ہے یا سلام کیا ہے، اس کے کانوں تک جواب کی یہ آواز پہنچے؛ کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ آواز پہنچے گی، وہ سنے گا، تو ہی یہ حق ادا ہوگا۔ آپ اپنے من ہی من کے اندر بول دیں گے یا اتنا آہستہ بولیں گے کہ اس کے کانوں تک آواز نہ پہنچے تو یہ واجب ادا نہ ہوگا[1]۔

تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ جس کشتی میں سوار تھے، وہ ذرا تیزی سے چل رہی تھی، اس نے چھینک کھانے کے بعد جب الحمد للہ کہا اور ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنے کا وقت آیا تو وہ

---

① وَشُرِطَ فِي الرَّدِّ وَجَوَابُ الْعُطَاسِ إِسْمَاعُهُ فَلَوْ أَصَمَّ يُرِيهِ تَحْرِيكَ شَفَتَيْهِ(قَوْلُهُ فَلَوْ أَصَمَّ يُرِيهِ تَحْرِيكَ شَفَتَيْهِ) قَالَ فِي شَرْحِ الشِّرْعَةِ: وَاعْلَمْ أَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّ السَّلَامَ سُنَّةٌ وَاسْتِمَاعَهُ مُسْتَحَبٌّ، وَجَوَابُهُ أَيْ رَدُّهُ فَرْضُ كِفَايَةٍ، وَإِسْمَاعُ رَدِّهِ وَاجِبٌ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يَسْمَعْهُ لَا يَسْقُطُ هَذَا الْفَرْضُ عَنْ السَّامِعِ حَتَّى قِيلَ لَوْ كَانَ الْمُسَلِّمُ أَصَمَّ يَجِبُ عَلَى الرَّادِّ أَنْ يُحَرِّكَ شَفَتَيْهِ وَيُرِيَهُ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يَكُنْ أَصَمَّ لَسَمِعَهُ اهـ (رد المحتار على الدر المختار[الناشر: دار الفكر-بيروت]: ٤١٣/٦، فصل في البيع)

جہاز اتنا دور جا چکا تھا کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہوا کہ اب اگر میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہوں گا تو اس کی آواز اس چھینک کھانے والے تک نہیں پہنچے گی تو انھوں نے اس بڑی کشتی میں سے ایک چھوٹی کشتی نکلوائی۔

جیسے آج کل اسٹیمروں میں جو سفر کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی ہیں؛ تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان کو دریا میں ڈال کر کام لیا جا سکے، اس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا کہ بڑے جہاز میں چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی تھیں کہ جس میں ایک، دو آدمی سوار ہو سکیں، چپو سے چلائی جاتی تھی۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے وہ چھوٹی کشتی ایک درہم میں کرایے پر لی، نیچے اتاری اور اس پر سوار ہو کر کنارے پر جا کر اس کو جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہا، اس کے جواب میں اس نے ''یَهْدِیكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہا اور واپس اپنے جہاز میں آ کر سوار ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ زحمت کیوں اٹھائی؟ تو جواب دیا کہ اس دعا ''یَهْدِیكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کو حاصل کرنے کے لیے۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درہم میں جنت خرید لی

ان کا یہ عمل اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے -وہ اصل میں فرشتہ تھا- کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔

یہ دعائیں آج ہم نے چھوڑ دیں، کوئی پہچان والا نظر آتا ہے تو سلام کر لیتے ہیں، حالاں کہ حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ

جس کو نہ پہچانتے ہوں، اس کو بھی سلام کرو، تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ [1]۔ اگر ہم کسی کو چہرے مہرے سے پہچانتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے تو اس کو سلام کرو۔

تعلیماتِ شرعیہ سے ہماری ناواقفیت کا ایک نمونہ

آج تو پہچان والوں کو ہی سلام کیا جاتا ہے، ہمارے ایک دوست لطیفہ سناتے تھے کہ ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کو سلام کیا۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پہچاننے میں غفلت ہو جاتی ہے، اپنے کسی دوست کا چہرہ کسی دوسرے سے ملتا جلتا ہوتا ہے تو وہ یوں سمجھا کہ یہ میرا فلاں پہچان والا ہے تو اس کو سلام کر دیا۔ جب قریب آیا تو دیکھا کہ یہ تو دوسرا ہی کوئی ہے تو کہتا ہے کہ بھائی! معاف کرنا، بھول ہوگئی، میں تو سمجھا کہ فلاں صاحب ہے؛ اس لیے غلطی سے سلام کرلیا، گویا سلام کر کے بڑا جرم کرلیا ہو کہ اس کی معافی مانگی جارہی ہے۔

اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت بھی سلام کرلیا کرو

بہر حال! یہ دعائیں دو اور لو، گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو، اس کی وجہ سے گھر میں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ ہمارا حال تو یہ ہوگیا کہ نہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور نہ گھر میں داخل ہوتے ہیں، اس وقت سلام کرتے ہیں، حالاں کہ

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب إِفْشَاءِ السَّلَامِ مِنَ الإِسْلَامِ، رقم الحدیث: ۲۸۔

شریعت نے اس کی تاکید کی ہے کہ گھر میں داخل ہوتو سلام کرو بلکہ رات میں داخل ہوتو تب بھی سلام کا حکم ہے مگر اتنا ہے کہ پست آواز سے سلام کرے؛ تاکہ جو بیدار ہیں، وہ سن لیں اور جو سوئے ہیں، ان کی نیند میں خلل نہ ہو۔ اب تو گھر میں جاتے وقت سلام کا رواج ختم ہوگیا تو گھر بھی برکتوں سے خالی ہوگیا۔ بلکہ گھر میں کوئی نہ ہو، تب بھی سلام کا طریقہ بتلایا کہ السَّلَام علینا وَعَلَی عباد الله الصَّالِحِین کہہ کر گھر میں داخل ہو، اس صورت میں بھی سلام کر کے داخل ہونے کی تعلیم ہے؛ تاکہ برکتیں نازل ہوں[۱]۔

ہمارا حال کیا ہے؟ ہمارے یہاں گجرات کے ایک دیہات کا قصہ ہے کہ کسی مولوی صاحب نے بتایا کہ اپنی عورتوں کو بھی سلام کرو تو ایک بڑے میاں (گجراتی میں) کہنے لگے کہ عورتوں کو کیا سلام کرنا۔ گویا گھر کی عورتیں اور بیوی اس قابل بھی نہیں ہے کہ اس کو سلام کیا جائے، جہالت آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت دے۔ (آمین)

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: أَفْشُوا السَّلَامَ۔

حدیث میں کھانا کھلانے کا حکم مطلق وعام ہے

---

①وأخرج ابن أبي شيبة والبخاري في الأدب عن ابن عمر قال: اذا دخل البيت غير المسكون أو المسجد فيلقل: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين (الدر المنثور تحت قوله تعالى: {فإذا دخلتم بيوتا فسلموا على أنفسكم}

دوسری بات ارشاد فرمائی: وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ: اور کھانا کھلاؤ یعنی ہر ایک کو کھلاؤ، کوئی مسلمان کی قید نہیں ہے، مسلم غیر مسلم سب کو کھلاؤ اور انسان کی بھی قید نہیں ہے، جانوروں کو بھی کھلاؤ، جانور تک کے ساتھ آپ اچھا سلوک کریں گے، اس پر بھی آپ اجر و ثواب کے مستحق بنیں گے۔ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک فاحشہ عورت کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت فرما کر جنت میں داخلے کا فیصلہ فرما دیا۔

پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک فاحشہ عورت کی مغفرت

بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے، اس واقعہ کو سن کر حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو تعجب ہوا اور پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ: ہر تر جگر والے یعنی ہر جان دار کے ساتھ بھلائی کرنے میں اللہ تعالی کی طرف سے ثواب ملتا ہے[1]۔ کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر ان کی خیر خواہی کرنے پر اللہ تعالی کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے، ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ایک مؤمن کی شانِ امتیازی

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب الآبَارِ عَلَى الطُّرُقِ إِذَا لَمْ يُتَأَذَّ بِهَا، رقم الحديث: ۲۴۶۶.

ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے جو قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝٨ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝٩﴾ [الدھر]: وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں غریبوں کو، یتیموں کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھانا کھلا رہے ہیں، کوئی نام ونمود مقصود نہیں ہے، تمھاری طرف سے ''جَزاك الله'' یا شکریہ یا کوئی بدلے کی امید نہیں، کچھ نہیں چاہیے، ہم تو بس اللہ کے واسطے یہ کام کرتے ہیں۔

بہر حال! آگے فرمایا: وَصِلُوا الْأَرْحَامَ: اور صلہ رحمی کرو، رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرو۔

جنت میں داخل کرنے والے چار کام

یہ ہے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پہلی تعلیم کہ جس میں سلام پھیلانا، کھانا کھلانا اور صلہ رحمی کرنے کا ذکر ہے اور آگے فرمایا: وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ: اور راتوں کو نماز پڑھو، جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یعنی تہجد کی نماز پڑھو تو کیا ہوگا؟ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ: اگر یہ چار کام تم نے کر لیے تو سلامتی کے ساتھ جنت کے اندر داخل ہو جاؤ گے۔

مدینہ میں داخلے کے بعد کی پہلی تقریر میں صلہ رحمی کی تاکید

میں نے تو یہ بتلانے کے لیے یہ حدیث بیان کی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ؐ کی پہلی تقریر یہ تھی، اپنی اس پہلی تقریر میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کی تاکید فرمائی۔

رشتہ داری کے کچھ حقوق

تو صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنا بڑی اہمیت کی حامل چیز ہے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ اس کو سلام کریں اور اس کے علاوہ دوسرے بھی حقوق ہیں کہ بوقتِ مصیبت آپ اس کی مدد کریں، پریشانی کے وقت اس کو تسلی دیں، خوشی کے موقع پر آپ اس کو مبارک باد دیں۔ ان سب حقوق کو ادا کرنا ہے۔

نسب اور رشتہ داریوں کو پہچاننے کا نبوی حکم

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی بہت اہم چیز ہے اور دیکھو! صلہ رحمی میں ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا کا بھی فائدہ ہے، آخرت کا بھی فائدہ ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الأَثَرِ**: تم اپنے نسبوں کو سیکھو، رشتہ داریوں کو پہچانو۔

ایک وہ دور تھا

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، وہ ایسا زمانہ ہے کہ جس میں اس چیز کی

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ النَّسَبِ، رقم الحديث: ۱۹۷۹.

اہمیت بالکل ختم ہوگئی۔ پرانے لوگ تو بچوں کو رشتہ داری سکھلاتے تھے کہ یہ ہمارے فلانے رشتہ دار ہیں، ان کے ساتھ یہ تعلق ہے، خاص کر کے پرانے زمانے کی بوڑھیاں تو دور دور کے ایسے رشتے لاتی تھیں کہ ہماری تو جلدی سے سمجھ میں بھی نہ آوے۔

ایک یہ دور ہے

لیکن آج ایک ایسا زمانہ آ گیا کہ آج کی اولاد کو کچھ پتہ نہیں، دادا کو بھی نہیں جانتے، نانا اگر دور رہتے ہوں تو ان کو بھی نہیں پہچانتے، دوسرے رشتہ داروں کو پہچاننے کی بات دور رہی۔

اہل یورپ کو رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرنے ہیں، اس لیے ان کے علیحدہ نام بھی نہیں ہیں

یہ جو یورپ والوں کا فیشن ہے، میں یورپ میں جاتا ہوں تو کہا کرتا ہوں کہ تمھارے یہاں تو ساری رشتہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اور رشتہ داروں کی پہچان کروانے کے لیے الفاظ بھی نہیں ہیں، رشتہ داریوں کے الگ نام تک نہیں: ماں باپ کا الگ نام رکھ دیا کہ باپ کے لیے ہے فادر (father) اور ماں کے لیے ہے مدر (mother)، بس ہو گیا۔ اس کے بعد اوپر دادا اور نانا کی بات آئے گی تو دونوں کے لیے ایک ہی لفظ گرانڈ فادھر (grandfather) ہے۔ اب گرانڈ فادھر بولتے ہیں تو کون ہے؟ دادا ہے کہ نانا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔

اسی طرح دادی ہو کہ نانی، دونوں کے لیے گرانڈ مدھر (grandmother)

ہے۔ پھر چچا، ماموں، پھوپھا، خالو چاروں کے لیے بس ایک لفظ ہے: انکل (uncle) سب کو ایک لفظ میں سمو دیا۔ یہ انکل نے ایسا الجھا دیا ہے کہ انکل بولے گا تو آپ سوچتے ہی رہیں گے کہ یہ کون سا انکل ہے، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون ہے؟ پوچھنا پڑے گا کہ آپ انکل کہہ رہے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟ باپ کا بھائی ہے یا ماں کا بھائی ہے؟ ماں کا بہنوئی یعنی خالو ہے یا باپ کا بہنوئی یعنی پھوپھا ہے؟ اور پھر آنٹی (Aunt) میں سب کو ایسی آنٹی دے دیتے ہیں کہ خالہ، ممانی، چچی، پھوپھی؛ سب ہی اسی میں آ گئیں اور پھر خالہ کا لڑکا ہو، پھوپھی کا لڑکا ہو، ماموں کا لڑکا ہو، چچا کا لڑکا ہو، یہ سب کزن (cousin) میں آ گئے، اب کزن کہیں گے تو پتہ ہی نہیں چلے گا، پوچھنا پڑتا ہے کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے، وضاحت کرنی پڑتی ہے۔

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ رشتوں کے لیے جن کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں تو وہ حقوق کیا ادا کریں گے؟ اور ان کو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے بھی نہیں ہیں، اس لیے کیا ضرورت ہے سب کو الگ الگ جاننے کی؟۔

ہمیں تو اسلام نے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان رشتوں کو پہچانو اور ان کو پہچان کر ان کے حقوق کو ادا کرو، اس لیے ہمارے یہاں ان ساری رشتہ داریوں کے نام ہیں: باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، خالہ، پھوپھی، چچازاد بھائی، خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی وغیرہ۔

رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی رشتہ داروں کو جاننے پر موقوف ہے

اس لیے ضرورت ہے کہ ان رشتہ داریوں کو پہچانیں، اپنے بچوں کو سکھلاؤ، ہم

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ: تم اپنے نسبوں کو سیکھو، رشتہ داریوں کو پہچانو؛ تاکہ تم صلہ رحمی کرسکو، رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرسکو۔

کون تمھارا بھائی ہے، کون بہن ہے، کون بھتیجا ہے، کون بھتیجی ہے، کون بھانجہ ہے، کون بھانجی ہے، کون چچا ہے، کون پھوپھی اور پھوپھا ہے، کون خالہ اور خالو ہے اور کون ماموں ہے، ان سب کو جانو؛ تاکہ ان کا حق ادا کرسکو، صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرسکو۔ اب جانیں گے ہی نہیں تو کون کیا حقوق ادا کرے گا؟۔

اس لیے بچوں کو یہ ساری رشتہ داریاں سکھلانی چاہئیں۔ آج کل ماں باپ بتاتے ہی نہیں، پہلے بتایا جاتا تھا، اب تو کسی کو کچھ پڑی ہی نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو فرصت ہی نہیں۔

صلہ رحمی کے تین فائدے

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم رشتہ داریوں کو پہچانو؛ تاکہ تم صلہ رحمی کرسکو، رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرسکو۔ رشتہ داریوں کو پہچاننے اور ان کا حق ادا کرنے کا حکم کیوں ہے؟ تو آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ: ان رشتہ اداریوں کے حقوق کو ادا کرنے کے کیا فائدے ہیں؟ تو تین فائدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے۔

پہلا فائدہ: آپس میں محبت بڑھتی ہے

پہلا فائدہ بیان فرمایا: **مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ**: آپس میں محبت ہوگی۔ جو آدمی اپنے رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرتا ہے تو سب اس سے محبت کرتے ہیں، سب اس کو چاہتے ہیں، سب کو اس کی فکر ہوتی ہے، سب اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کا دھیان اس کی طرف لگا رہتا ہے۔

آج کے لوگوں کا مزاج ایسا فاسد ہوگیا ہے کہ ایسے آدمی کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی جیب میں پیسے نہیں ہیں، اس لیے ایسا کرتا ہے۔ ارے بھائی! ایسا نہیں ہے، پیسوں کی کیا حیثیت ہے؟، پیسے تو عارضی چیز ہے، اصل چیز تو محبت ہے، وہ اسی محبت کی وجہ سے صلہ رحمی کر رہا ہے تو پہلا فائدہ بیان فرمایا: **مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ**: رشتہ داروں میں آپس میں محبت بڑھے گی۔

دوسرا فائدہ: مال و دولت میں اضافہ

دوسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: **مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ**: آج کا سب سے بڑا مسئلہ اس سے حل ہوتا ہے کہ مال کے اندر زیادتی ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے مال کو بڑھانا چاہتے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا نسخہ بتلاتے ہیں کہ رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرو، آپ کا مال بڑھے گا۔

تیسرا فائدہ: عمر میں زیادتی

تیسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: **مَنْسَأَةٌ فِي الأَثَرِ**: آپ کی عمر اور زندگی

کے اندر اضافہ ہوگا، زیادتی ہوگی۔ دیکھو! صلہ رحمی کی وجہ سے مال میں بھی زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں بھی زیادتی ہوتی ہے۔

لوگوں کے سب سے بڑے مسئلے تنگیٔ رزق کا حل حدیث کی روشنی میں صلہ رحمی ہے

لوگ وظیفے پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب! روزی میں اضافہ ہو، ایسا کوئی وظیفہ بتلاؤ، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وظیفہ بتلادیا، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے: **مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ:** حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں برکت ہو اور اس کی عمر زیادہ ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے، رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرے[۱]۔

یہ ایسا وظیفہ ہے کہ اس کو اختیار کر لینے کے بعد آپ کو دوسرا کوئی وظیفہ پڑھنے کی اور عاملوں اور مولویوں کے چکر کاٹنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ ایک کام کرلو کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہو، ان شاء اللہ! آپ کی روزی میں بھی برکت ہوگی اور آپ کی عمر میں بھی زیادتی ہوگی، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتایا ہوا وظیفہ ہے اور بالکل صحیح حدیث ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، رقم الحدیث: ۵۹۸۶۔

وظیفچی بننے کا خبط

لوگ اِدھر اُدھر کے وظیفے پڑھتے رہتے ہیں اور چوبیسوں گھنٹے ہاتھ میں لمبی سی تسبیح لے کے وظیفچی بن جاتے ہیں، گویا اور کوئی دھندا ہی نہیں، فرائض کا کوئی فکر نہیں، واجبات کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں، کسی نے کوئی وظیفہ بتادیا کہ اس سے روزی میں برکت ہوگی تو بس اس کو لے کے بیٹھ جائیں گے، یہ ایک مزاج بنتا جارہا ہے، شریعت کی جو اصل تعلیمات ہیں، ان سے ہم دور ہوتے جارہے ہیں اور دوسری چیزوں کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔

بہر حال! روزی کی برکت حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتلاتے ہیں کہ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

اور دیکھو! قطعِ رحمی پر بڑی وعیدیں ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے: لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَاطِعٌ: جو آدمی قطعِ رحمی کرتا ہے، رشتہ داری کے حقوق کو ادا نہیں کرتا، رشتہ داریوں کو توڑتا ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا[1]۔

اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں اترتی

بلکہ شعب الایمان کی ایک روایت میں تو یہاں تک ہے: لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ تعالی عنه، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ القَاطِعِ، رقم الحدیث: ۵۹۸۴.

عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ کہ: جس قوم میں ایک آدمی رشتہ داری کو توڑنے والا ہو، اس کے حقوق کو ادا نہ کرنے والا ہو، اس پوری قوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی[1]۔

اب دیکھو بھائی! حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ پوری قوم میں، آپ کی پوری برادری، آپ کے پورے ویراول میں ایک آدمی بھی اگر ایسا ہو جو رشتہ داری کے حقوق کو ادا نہیں کرتا تو آپ کی پوری برادری اور آپ کے پورے ویرال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوگی اور اگر گھر گھر میں ایسے ہوں تو کیا ہوگا؟ بہت خطرناک بات ہے۔

قطع رحمی ہر گھر کا مسئلہ

آج معمولی معمولی باتوں پر اپنے بھائیوں، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق قطع کر دیتے ہیں۔ کون سا گھر ہے جہاں آج گھر گھر میں قطع رحمی نہ ہو؟ گھر گھر میں یہ لعنت پائی جاتی ہے، بیٹے کے باپ کے ساتھ تعلقات خراب ہیں، بھائی کے بھائی کے ساتھ تعلقات خراب ہیں، بھتیجے کے چچا کے ساتھ تعلقات خراب ہیں، بھانجے کے ماموں کے ساتھ تعلقات خراب ہیں، آپس میں لڑائیاں ہی لڑائیاں نظر آتی ہیں، معمولی معمولی باتوں پر ناراضگیاں ہیں اور صرف یہی نہیں کہ قطع تعلق کیے ہوئے ہیں بلکہ نقصان

---

① شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رضى الله تعالى عنهما، بَابٌ فِي صِلَةِ الْأَرْحَامِ، رقم الحديث: ۷۵۹۰۔

پہنچانے کے درپے ہیں، کب موقع ملے کہ اس کو برباد کروں، کب ایسا موقع ہاتھ آئے کہ اس کو سب کے سامنے رُسوا کروں، اس کی ایذارسانی اور اس کی رسوائی کو گویا اس نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے، مقصدِ زندگی بنالیا، اسی کے اندر اپنی دولت کو بھی خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ (آمین)

آپس میں ہدیے کی لین دین سے محبت بڑھتی ہے

ارے بھائی! رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے رہا کرو، آپس میں ملتے جلتے رہا کرو، سلام کلام کرتے رہو، خیر خیریت پوچھتے رہو، موقع بموقع ان کے ساتھ ہدیوں کی لین دین کا تعلق رکھو، حدیث میں بھی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تَهَادَوا تَحَابُّوا [1]: آپس میں ہدیہ لینے دینے کا تعلق رکھو، اس سے محبت بڑھے گی، محبت میں اضافہ ہوگا۔

ہمارے معاشرے کی ایک غلط سوچ

ہمارے یہاں کیا دیکھا جاتا ہے؟ ہمارے یہاں اگر کوئی خوشی کا موقع ہے، شادی بیاہ کی تقریب ہے تو پوچھتے ہیں کہ بھائی کو دعوت دی؟ تو جواب ملتا ہے کہ اس نے ہم کو کہاں دعوت دی تھی؟ اس کے یہاں اس کے بیٹے کی شادی ہوئی تھی تو اس نے ہمیں دعوت نہیں دی تھی؛ اس لیے ہم بھی اس کو دعوت نہیں دیں گے، گویا ہم اسی شخص کو دعوت دیں گے جس نے ہم کو دعوت دی تھی۔

---

(۱) الأدب المفرد، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ، رقم: ۵۹۴.

حقیقی معنی میں صلہ رحمی کرنے والا

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت ہے:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا: جو برابر کا بدلہ دینے والا ہے، وہ رشتہ داری کا حق ادا کرنے والا نہیں ہے، حقیقت میں رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے والا تو وہ ہے کہ سامنے والا اس کے ساتھ تعلق توڑ رہا ہے لیکن یہ اس کے حق کو ادا کر رہا ہے۔[۱]

یہ مت دیکھو کہ میرا بھائی کیا کر رہا ہے بلکہ یہ سوچو کہ ہمیں رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے، جب اس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو اس کا بدلہ بھی ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیں گے، ہمیں ان سے بدلہ نہیں چاہیے۔

اور ہو کبھی صلے کے نہ امیدوار تم

آج کل تو کیا ہو گیا ہے؟ آج کل تو یہ ہو گیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے بھائی کے ساتھ کوئی احسان کر بھی دیا، اپنے کسی رشتہ دار پر کوئی احسان کر بھی دیا تو اندر سے یہ چاہتا ہے کہ وہ میرا شکریہ ادا کرے اور لوگوں میں اس کا چرچا کرے کہ فلانے صاحب تو بہت اچھے ہیں، دبئی رہتے ہیں، ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں اور اگر شکریہ ادا نہیں کرتا، لوگوں کے درمیان اس کے احسانات کا چرچا نہیں کرتا تو پھر دوبارہ اس کی طرف کبھی دھیان

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله تعالى عنهما، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابٌ: لَيْسَ الوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، رقم الحديث: ۵۹۹۱.

بھی نہیں دیتا۔

ارے بھائی! آپ نے رشتہ داری کا حق اس لیے ادا کیا تھا کہ آپ کا شکریہ ادا کیا جائے؟ ابھی میں نے قرآن کی ایک آیت پڑھ کر سنائی تھی: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝٩﴾ [الدھر]: ہم تو یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں، ہمیں اس پر تم سے کوئی بدلہ، کوئی شکریہ نہیں چاہیے بلکہ وہ گالیاں دیں تو بھی آپ ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں، اسی کا نام تو صلہ رحمی ہے۔

تمھارے بھائی نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا، اس کے بدلے میں تم بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو یہ کون سا کمال ہو گیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ تو برابر کا بدلہ ہو گیا۔

بھائی نہیں بلکہ کوئی غیر، اجنبی آدمی جو رشتہ دار نہیں ہے، وہ اگر ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو اگر ہمارے اندر شرافت ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو اچھا سلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، یہ صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ آپ کا رشتہ دار آپ کو گالیاں دے رہا ہے، برا کہہ رہا ہے تو بھی آپ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، وہ بددعائیں دے رہا ہے تو بھی آپ اس کو دعا دیجیے، وہ گالیاں دے رہا ہے، آپ اس کی تعریف کیجیے، یہی تو صلہ رحمی ہے، تب ہی تو اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، تب ہی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے برکت ڈالی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تصور کر کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو

دیکھو! ہم سوچتے ہیں کہ اس نے ہمارا کیا حق ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم

نہیں دیا کہ وہ تمھارا حق ادا کرے تو ہی تم اس کا حق ادا کرنا، وہ تمھارا حق ادا نہ کرے تو تم بھی اس کا حق ادا مت کرنا۔ ہمیں تو یہ حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم ہمیں دیا ہے تو ہم تو اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے کی نیت سے ہی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں، جب بھی ان کے ساتھ کوئی حسنِ سلوک کریں تو دل میں یہی ہو کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ یہ احسان کر رہا ہوں، جب یہ نیت ہوگی تو اگر وہ آپ کو اچھا بدلہ نہ بھی دے، آپ کا شکریہ نہ بھی ادا کرے تو بھی آپ کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اور اگر یہ نیت آپ کی نہیں ہے، بدلے کی نیت سے حسنِ سلوک کر رہے ہیں، شکریے کے لیے کر رہے ہیں تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ سلسلہ ختم کر دیں گے۔

رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کا بدلہ چاہنا حماقت کی انتہاء ہے

بھائی! آپ بدلہ کیوں چاہتے ہیں؟ میں تو کہا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں بدلہ کیا دے گا؟، وہ تو ہماری طرح ایک انسان ہے، ہمیں تو بدلہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے چاہیے، وہ آکے دیوے تو بھی ہمیں نہیں لینا ہے کہ ہمیں اس کا بدلہ نہیں چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں برکت دے، تم اپنے پاس رکھو۔ یہ کتنی بے وقوفی کی بات ہے کہ ہم اپنے اس رشتہ دار سے بھلائی کر کے پھر اسی سے شکریہ یا بدلہ کی توقع قائم کرتے ہیں۔ اس طرح تو اپنی حیثیت کو ہم نے بہت گرا دیا اور بہت کم پر راضی ہو گئے۔

میں اس کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی بادشاہ نے یا آپ

کے پریسیڈنٹ نے یا حکومت کے کسی بڑے آدمی نے ایک آدمی کو آپ کے پاس بھیجا اور آپ پر یہ کہلوایا کہ ذرا اس کا یہ کام تم کردو، اس کے ساتھ یہ بھلائی کرو کہ وہ دو روز تمہارے یہاں مہمان رہے گا، اس کو کھلاؤ، پلاؤ، اور اس کا یہ کام کردو۔ چنانچہ آپ نے دو روز اس کو کھلایا پلایا اور اس کا کام پورا کردیا۔

ہمارا کھاتہ اللہ تعالیٰ کے یہاں چلتا ہے

اب جب آپ نے اس کا یہ کام کردیا تو وہ آدمی خود اس کے بدلے میں آپ کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے، آپ کے اس احسان کے بدلہ کے طور پر از خود وہ آپ کو کچھ دینا چاہتا ہے، تب بھی آپ منع کردیں گے، اس سے کچھ نہیں لیں گے۔ اور آپ کہیں گے: نہیں بھائی! میرا معاملہ پریسیڈنٹ صاحب سے ہے، اس کے ساتھ ہے جس نے تمھیں بھیجا ہے، میں نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ ان کے کہنے سے کیا، کھاتہ وہاں چلتا ہے، مجھے تو وہاں سے پیمینٹ (Payment) لینا ہے۔

اسی طرح ہمیں اللہ تعالی کے کہنے سے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ ہمارا کھاتہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلتا ہے، ہمیں تو اللہ تعالیٰ سے چاہیے، اسی سے بدلہ لینا ہے، وہ دینے والا ہے اور اس کا خزانہ بھرا ہوا ہے، وہ ہمیں ایسا بدلہ دے گا کہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا، کوئی دوسری طاقت ایسا بدلہ نہیں دے سکتی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری روزی میں بھی برکت دیں گے، عمر میں بھی برکت دیں گے، کوئی اور ہماری روزی میں برکت دے سکتا ہے؟ عمر بڑھا سکتا ہے؟ کوئی کتنا

بھی بدلہ دینا چاہے، ہماری عمر زیادہ نہیں کر سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ تو عمر بھی بڑھا دیتے ہیں۔ ہم اتنا بڑا بدلہ چھوڑ کر چھوٹے بدلہ پر بچوں کی طرح خوش ہو جائیں، یہ کوئی دانش مندی کی بات ہوئی ؟۔

ارے بھائی! دنیا کی طرف نگاہ اٹھانے کو چھوڑو۔ اگر وہ دیتا ہو، تب بھی نہیں لینا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں ان سے کوئی توقع نہیں رکھنی ہے، نہ شکریہ کی نہ بدلے کی۔ یہ سارے جھگڑے اسی کے ہوتے ہیں۔

گڑبڑ کی جڑ

گڑبڑیں کہاں ہوتی ہیں؟ آپس میں تعلقات کہاں خراب ہوتے ہیں؟ جب ہم بھلائی کرتے ہیں تو اس موقع پر دل میں اندر یہ خیال ہوتا ہے کہ جب میں اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو وہ بھی میرے ساتھ بھلائی کرے یا کم از کم میرا شکریہ ادا کرے، لوگوں میں میرا چرچا کرے، دوسروں سے اس کا تذکرہ کرے کہ یہ میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا ہے، بڑا سخی اور نیک آدمی ہے۔

ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

نہیں بھائی! ایسی کوئی تمنا نہ رکھو، بغیر کسی تمنا کے محض اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے عمل کا بدلہ حاصل کرنے کی نیت سے ان کے ساتھ بھلائی کرو، تب یہ صلہ رحمی ہوگی اور پھر اللہ تعالیٰ جب بدلہ دیں گے تو اس وقت ہمیں اس عمل کی حقیقی معنی میں قدر ہوگی،

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

احسان جتلانے کی لعنت اور اس کا سخت وبال

ہم لوگ شکریے کے چند الفاظ کے لیے مرتے ہیں اور اس سے بھی ایک اور بڑی مصیبت احسان جتلانے کی ہے جس میں بعض لوگ مبتلا ہیں، اپنے بھائی کے ساتھ، اپنے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ آپ کچھ احسان کرتے ہیں، آپ دُبئی میں رہتے ہیں اور ان پر کچھ پیسے بھیجتے رہتے ہیں، کبھی کوئی ناگواری کی بات پیش آگئی تو کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو! اس نالائق کو اتنے سالوں سے پیسے بھیجتے رہتے ہیں، یہ اس کا بھی ذرا لحاظ نہیں کرتا اور ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے۔ بھائی! وقت آنے پر احسان جتلانا یہ تو عورتوں کی عادت ہے، مردوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

احسان جتلانا یہ تو کبیرہ گناہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس سے صاف منع فرمایا ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ [البقرۃ: ۲۶۴]: اے ایمان والو! تکلیف پہنچا کر اور احسان جتلا کر اپنے صدقات کو باطل اور ضائع مت کرو۔

احسان کر کے جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ، وَلَا عَاقٌّ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ: جو احسان کر کے احسان جتلائے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، جو ماں باپ کی نافرمانی کرے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور شراب کا عادی

جنت میں داخل نہیں ہوگا[۱]۔

یہ احسان جتلانا بہت خطرناک گناہ ہے، ہم احسان جتلا کر کے اپنی نیکیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں، اس احسان کا کوئی بدلہ آخرت میں نہیں ملے گا۔ آج کل ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے کہ جو کچھ احسان کرتی بھی ہے تو وہ اس طرح موقع آنے پر احسان جتلا کر کے اپنا سارا کیا کرایا برباد کر دیتے ہیں۔ کچھ بھی ہو جاوے، آپ نے زندگی بھر احسان کیا، روزانہ احسان کیا لیکن اگر اس کی طرف سے ذرا سی بھی کوئی ناگواری کی بات پیش تو آپ کی زبان پر ہرگز اس طرح کی بات نہیں آنی چاہیے کہ آپ نے اس کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ کیا تھا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا تھا، معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی کسی بات کی طرف توجہ نہیں کرنی ہے۔

پھر تو تو ان کو گرم راکھ کھلا رہا ہے

ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اللہ کے رسول! میرے رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہوں؛ لیکن وہ میرے ساتھ بُرائی کا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کے حقوق ادا کرتا ہوں مگر وہ میرا حق ضائع کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھائی سے پیش آتا ہوں، پھر بھی وہ میرے ساتھ بُرائی سے پیش آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے کہا: کیا ایسا ہی ہے؟ کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر

---

(۱) سنن النسائی، الرِّوَايَةُ فِي الْمُدْمِنِينَ فِي الْخَمْرِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ تعالی عنہما، رقم الحدیث: ۵۶۷۲۔

تو تو ان کو گرم راکھ کھلا رہا ہے اور اللہ کی طرف سے تیرے لیے ہر وقت مددگار فرشتہ ان کے مقابلہ میں مقرر رہے جو تیری مدد کرتا ہے اور تیرے لیے دعا کرتا ہے[۱]۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بدلہ دیں یا نہ دیں، ہمیں صلہ رحمی کرنی ہے، ہم کیوں اُن سے توقع رکھیں؟ ہم تو اللہ سے توقع رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بھلائی کا معاملہ کرتے رہیں۔

عورتیں صلہ رحمی میں ٹانگ اڑاتی ہیں

ہمارے یہاں اصل میں چلن عورتوں کا ہے۔ جو لوگ حقیقی صلہ رحمی کرنے والے ہیں، وہ تو عورتوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دیتے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس کو پتہ چلے گا تو وہ ٹانگ اڑائے گی، اس لیے حقیقی بھلائی کرنے والے عورتوں کو پتہ ہی نہیں چلنے دیتے۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عورتوں کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تو وہ لوگ عورتوں کو پوچھ کر بھلائی کرتے ہیں اور پھر عورتیں احسان جتلاتی ہیں یا پھر کسی حیلے بہانے سے دینے سے ہی روک دیتی ہیں، مثلاً کہتی ہیں: ارے جب اس کے گھر کوئی موقع اور تقریب آئے تو دیجیو۔ ارے بھائی! کوئی صلہ رحمی اس پر موقوف ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی ہو، تب دینا؟۔ بھائی بہن کے درمیان سلوک کرنے میں بھی اس طرح کے مواقع کا انتظار کیا جاتا ہے، ارے بھائی! جب شادی وغیرہ کا موقع آئے گا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ، رقم الحدیث: ۲٦٧ .

تو اس وقت بھی حسنِ سلوک کر لینا لیکن ابھی حسنِ سلوک سے کیوں کترا رہے ہو؟۔

شادی کے مواقع کی بے کار رسمی لین دین

پھر ان مواقع اور تقریبات کے موقع پر ہم کیا کرتے ہیں؟ بھائی کے یہاں اس کے بیٹے کا نکاح ہے تو بہن کو ایک جوڑی کپڑا لا کر دیں گے، حالاں کہ کپڑے تو اس کے پاس ہیں، دوسری ضرورتیں ہیں، ہمیں تو ایسے مواقع پر اپنے ان رشتہ داروں کی ضرورتوں کو دیکھنا ہے، ایسی چیز دینی ہے کہ جو اس کے کام آوے، اس میں اس کا فائدہ اور بھلائی ہو اور اس کو دیکھا ہی نہیں جاتا ہے۔

زیادہ ملنے کی امید میں ہدیہ دینا بے برکتی کا باعث ہے

پھر شادی کے موقع پر بھی ہم جو اس کو ہدیہ دے رہے ہیں تو اس ساتھ اب یہ امید کیے بیٹھے ہیں کہ کل میرے گھر جب شادی ہو تو یہ مجھے ہدیہ پیش کرے، مگر اللہ تعالیٰ ہماری ساری بیماریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ [الروم: ۳۹]۔ تم یہ ہدیہ اس لیے دیتے ہو کہ مجھے بھی ہدیہ ملے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ انسان کا یہ ایک مزاج ہے کہ ہدیہ اس لیے دیتا ہے کہ وہاں سے بھی کوئی ہدیہ ملے، اس کو حرام تو نہیں کہا؛ لیکن یہ ضرور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر کوئی اجر اور برکت نہیں ہوتی ہے۔

ایسے بدلے کی توقع سے لین دین مت کرو، ہدیہ دے کر بھول جاؤ اور اللہ

تعالیٰ ہی سے اس کے بدلے کی توقع رکھو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں اس کا ایسا بدلہ دے گا کہ تمھارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ صلہ رحمی پر روزی میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

بہنوں کی میراث میں ڈنڈی مارنے والے

بعض جگہ پر کہنے کے لیے بہن کو وراثت میں کچھ حصہ دیتے ہیں، وہ بھی پورا نہیں دیتے، ڈنڈی مار کے ہی دیتے ہیں، وہاں جو انصاف کے لیے بیٹھتے ہیں، وہ بھی دینے والوں کی طرح ظالم ہوتے ہیں، باپ کے ترکے کا حساب کرنے میں بھی ڈنڈی مارتے ہیں اور حصہ بنتا ہو دس لاکھ کا اور بتاتے ہیں پانچ لاکھ پھر قرض کا حساب لگائیں گے کہ ابّا کے علاج میں اتنا خرچ ہوا اور فلاں ضرورت میں اتنا خرچہ ہوا، اس طرح اس معمولی سے رقم میں سے بھی ڈنڈی ماریں گے۔ کیا یہ یقین بھی ختم ہوگیا ہے کہ یہاں تو کوئی پکڑ ہو نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں تو پکڑ ہونے ہی والی ہے۔

تھوڑی سی میراث دینے کے باوجود بہنوں پر مظالم

پھر یہ ڈنڈی مار کے جو میراث دی ہے، وہ تم نے دی ہے؟ نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے باپ کی ملک میں بیٹی کا اتنا حصہ رکھا تھا، وہ دیا ہے، تم نے کچھ تھوڑا دیا ہے، تم نے یہ حصہ دے کر کوئی احسان نہیں کیا ہے پھر بھی آگے چل کر یہ بھابیاں کہتی ہیں کہ باپ کے مال میں سے اپنا حصہ تو لے گئیں، اب ان کا یہاں کیا رکھا ہے! یہ یہاں کا ہے کو آتی ہیں! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ارے بھائی! میراث میں سے اس کو پورا حصہ دو اور اس کے بعد بھی اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہو، یہ اصل میں صلہ رحمی ہے مگر اس کو کرتا کون ہے؟ بہت کم اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جو اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔

بیل گاڑی کے نیچے چلنے والی گلہری کے مصداق بعض بڑے بیٹے

ہمارے معاشرے کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ ایک باپ ہے جو کاروبار کرتا ہے، اس نے اپنا کاروبار برابر جمایا پھر اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا، اس کو پڑھایا لکھایا، اس کے بعد دوسرا، تیسرا، چوتھا بیٹا بھی آیا، اب اس کا جو بڑا بیٹا ہے، وہ تو پڑھ کر فارغ ہو گیا اور یہ تین لڑکے ابھی پڑھ رہے ہیں، اب باپ کا جو جما جمایا کاروبار ہے، بڑا ہونے اور پڑھائی سے فارغ ہونے کی وجہ سے اس کو سونپا اور اب بیٹا اس کاروبار کو چلا رہا ہے اور دوسرے بیٹے ابھی چھوٹے ہیں، جب بڑے ہوں گے تو ان کو بھی اس میں لگائیں گے، ابھی اس کا وقت آیا نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ نوجوان آدمی ہے، صلاحیتوں والا ہے، محنت کرتا ہے، اس لیے کاروبار میں بھی ترقی ہوگی، اب یہ حضرت سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ گھر میں آرہا ہے، وہ سب کچھ میں لا رہا ہوں، یہ سب میرا کمال ہے۔

یہ تو ایسا ہوا، جیسے بیل گاڑی کے نیچے چلنے والی گلہری کہ وہ بیل گاڑی کے نیچے چلتی ہے تو یوں سمجھتی ہے کہ سارا بوجھ میں ہی اٹھا رہی ہوں، حالاں کہ اس کی یہ سوچ احمقانہ ہے۔

بہر حال! اس کے بعد شادی جو ہوئی تو بیگم صاحبہ آئیں، وہ یہ سمجھتی ہے کہ میاں

ہی سارے گھر کو چلا رہے ہیں۔ دوسرے بھائی تو بڑے ہوئے نہیں۔ کوئی اسکول پڑھ رہا ہے، کوئی مدرسہ جا رہا ہے۔ ابھی کاروبار میں لگے نہیں۔ ایک دو سال تک تو وہ خاموشی سے بیٹھ کر تماشا دیکھتی رہی پھر اس نے دیکھا کہ یہ جو چھوٹے بھائی ہیں، وہ تو کچھ کرتے ہی نہیں اور ہمارا میاں تو صبح سویرے ہم سے الگ ہو کر جاتا ہے تو دن بھر کام میں مشغول رہتا ہے، آرڈر لینے کے لیے وہاں جاتا ہے پھر وہاں مال لے کر کے سپلائی کرنے جاتا ہے اور یہ تینوں بھائی تو اپنی مستی کے اندر مشغول رہتے ہیں، کچھ کرتے نہیں، موٹر سائیکل لے کر گھومتے رہتے ہیں، بے تحاشہ پیسے خرچ کرتے ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اب وہ رات کو اپنے شوہر کے کان بھرتی ہے کہ آپ کی اتنی محنت ہے کہ صبح سے دکان پر جاتے ہیں تو شام کو آتے ہیں۔ یہ تمہارا بھائی تو برابر اسکول بھی نہیں جاتا، پیسے ایسے ہی اڑاتا رہتا ہے، ابّا تو اسی کی فیور کرتے ہیں۔ اس طرح یہ روزانہ جو کان میں پھونک مارے گی تو اس کا اثر تو ہوگا ہی۔

گھر ایک ہونے کی وجہ سے آپس میں کچھ ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ ماں باپ کے ساتھ بیٹوں کی، اولاد کی، میاں بیوی کی، مختلف ناگواریاں ہوتی ہیں، بیوی کو ساس کے ساتھ ناگواری پیش آتی ہے۔ یہ سب ہوتا رہتا ہے، مزاج کے فرق کی وجہ سے ناگواریاں ہونا ضروری ہے۔ مزاج کا فرق ہوتا ہے، اس کی وجہ سے گھروں میں یہ چیزیں پیش آتی ہیں۔

کبھی گھر میں ذرا سا کچھ ہو گیا تو ناراضگی ہوئی، پھر بہو کو یعنی بیٹے کی بیوی کو،

ادھر (اس کے ماں باپ کی طرف) سے بھی سپورٹ مل رہا ہے، وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ اب یہ (یعنی شوہر اپنے) ماں باپ کے ساتھ نہ رہے۔ پھر ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے روزانہ شکایات کا۔ اور دفتر میں اندراج رہتا ہے۔ آؤ تو بیان ہوتا ہے کہ آج تو ایسا ہوا، آج تو امی نے ایسا کیا۔ کبھی تو میاں طیش میں آکر بیوی کی ہمدردی اور اس کے فیور میں آکر ماں سے لڑ بیٹھتے ہیں، باپ پر ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اور اور اس کا بڑا برا انجام بھگتنا ہوتا ہے۔ اب روزانہ ایسا ہوتا ہے، آدمی ہے، اثر بھی ہوگا۔

دل ہی تو ہے، نہ سنگ وخشت

ایک ہی بات بار بار سنتا ہے تو اثر ہوتا ہے، بیوی روزانہ ٹار چنگ کرتی ہے، دھیرے دھیرے اس کے دماغ میں کچھ آنے لگتا ہے، اب بیٹا یوں سمجھتا ہے کہ میں ہی کماتا ہوں؛ اس لیے ایک وقت آتا ہے کہ میاں صاحب نے ماں باپ کو کہہ دیا کہ میں الگ رہوں گا اور اپنی تجارت اور کاروبار الگ کروں گا، ماں باپ بے چارے کیا کر سکتے ہیں، سمجھایا لیکن نہیں مانا۔ بیوی کی بات زیادہ غالب آگئی۔

اب بیٹے کو کاروبار کرنا آتو گیا لیکن یہ سارا کاروبار تو باپ کا جما جمایا ہے، اس نے تو دوسرے تاجروں سے اس کے رابطے کرائے تھے، ورنہ اس کو کون پہچانتا تھا لیکن چند دن دکان پر کیا بیٹھا، صاحب یہ سمجھنے لگے کہ یہ میرا کاروبار ہے، اس کی ترقی میری بدولت ہے، ارے بھائی! یہ تیرا نہیں ہے۔

تمھیں تمھارے کمزور اہل وعیال کی برکت سے روزی دی جاتی ہے

دیکھو بھائی! ہمارے جو نوجوان کماتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنے ماں باپ کو پال رہے ہیں، اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو پال رہے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ کہ تم کو تمہارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے ①۔

دیکھو! دنیا کو تو یہ نظر آتا ہے کہ بڑا بیٹا کما رہا ہے، اور ماں باپ کو کھلا رہا ہے، اور نبیٔ کریم ﷺ ہم کو یوں بتلا رہے ہیں کہ تم کو جو مل رہا ہے، وہ تمھارے ماں باپ اور تمھارے چھوٹے بھائی بہنوں کی وجہ سے مل رہا ہے، ماں باپ تم کو کھلا رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو تم ہاتھ پیر مار رہے ہو لیکن حقیقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سے جو مل رہا ہے، وہ ان کی وجہ سے ملتا ہے۔ یہ حدیث ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے، اس پر ہمارا ایمان ہونا چاہیے۔

بھائی! یہ تو ایمان کی بات ہے، آنکھوں سے جو نظر آتا ہے، اس کو مانو گے یا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فرما رہے ہیں، اس کو مانو گے؟ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات مانیں گے۔

حضور ﷺ کے ارشاد پر یقین کا ایک مثالی واقعہ

---

① صحیح البخاری، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابُ مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِينَ فِي الحَرْبِ، رقم الحدیث: ۲۸۹۶.

حضور اکرم ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالی عنہ چھوٹے تھے، دودھ پینے کی عمر تھی، ایک عورت دودھ پلا رہی تھی، جب انتقال ہوا تو وہ دودھ پینے کی عمر میں تھے، ابھی ڈیڑھ سال کی عمر تھی، دودھ چھڑایا نہیں گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی دودھ پلانے والی عورت آئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ابراہیم کی جدائی کا بڑا غم ہے اور میری چھاتی میں دودھ جوش مار رہا ہے۔ ماں کا دودھ چھاتی میں باقی رہتا ہے تو اس کی وجہ سے درد ہوتا ہے۔ یہ اسی درد کا ذکر کر رہی تھی۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: تم کیوں غم کرتی ہو؟ ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے اللہ نے جنت میں دودھ پلانے والی متعین کر دی ہے۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھو، وہ نظر آئے گی۔ تو وہ کہتی ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! نہیں؛ میں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھوں گی، آپ کے ارشاد پر مجھے اپنی آنکھوں سے زیادہ یقین ہے۔ دیکھیے، ایک عورت کو حضور ﷺ کے ارشاد پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی جانے والی غیب کی خبر پر کتنا زیادہ یقین تھا!۔

تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑا بیٹا کما کر کھلا رہا ہے لیکن ہمیں حضور ﷺ بتلا رہے ہیں کہ تم بھول میں ہو، تم کو تو تمہارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے، تمھارے ماں باپ تم کو کھلا رہے ہیں، اس پر ہمیں مکمل یقین ہونا چاہیے۔

علیٰحدگی کی بے برکتی اور کاروبار میں خسارہ

بہر حال! بڑا بیٹا الگ ہو گیا، اس نے اپنا کاروبار الگ کر لیا، وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میرے اندر یہ صلاحیت ہے، یہ خوبیاں ہیں، میں اس طرح کماؤں گا اور تجارت

کو ترقی پر پہنچاؤں گا اور خوب نام کماؤں گا۔ اب وہ گاہکوں کے ساتھ اِدھر اُدھر کانٹیکٹ کررہا ہے، اِدھر اُدھر ہاتھ پیر ماررہا ہے لیکن کچھ نہیں ہورہا ہے، کاروبار میں کامیابی نہیں ہورہی ہے، خسارہ ہورہا ہے۔

مارے گھٹنا پھوٹے سر

اب شیطان نے اس کو دھوکہ دیا، وہ سوچ رہا ہے کہ میں اتنا اچھا کاروبار کررہا تھا اور اب کھوٹ کیوں ہورہی ہے، ضرور کسی نے کچھ کالا جادو کروادیا ہے، کسی عامل کے پاس جاؤ اور تعویذ اور عملیات لے آؤ۔ آدمی پر جب حالات آتے ہیں تو حالات آنے پر آدمی اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ میرے اعمال میں کون سی کمی آئی جس کی وجہ سے یہ حالات پیش آئے، وہ دوسروں کو دیکھتا ہے، حالاں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال کے اثرات بتلادیے کہ یہ عمل کروگے تو اس کا یہ اثر ہوگا، یہ عمل کروگے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا، جو کریں گے، اس کا انجام بھگتنا ہے۔

بہر حال! حالات پیش آئے، کاروبار خراب ہونا شروع ہوا، پھر بھی اس کو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ میں نے قطع رحمی کی، اس کا یہ اثر ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قطع رحمی ایک ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے دنیا ہی میں اس کی سزا دیتے ہیں، صلہ رحمی کا نیک بدلہ بھی دنیا ہی میں دیتے ہیں، کاروبار خراب ہونا شروع ہوا تو بھی اپنے آپ پر نظر گئی نہیں اور یہ سوچتا ہے کہ میں تو اتنا کماتا تھا، میں نے الگ کاروبار کیا، تو کیوں نہیں چلتا؟ ضرور کسی نے باہر کا کچھ کردیا ہے۔ کسی نے کچھ کردیا ہے، کون کرے گا، بھائی نے ہی کیا ہوگا، گھر والوں نے ہی کیا ہوگا۔

آج کل تو عاملین اور باباؤں کی بھی کمی نہیں، کسی کے بھی پاس تعویذ لینے پہنچ جائیں گے۔ کسی کے ذہن میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کرنے کا خیال نہیں آتا۔ اللہ سے مانگنا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں۔ ذرا کچھ ہوگا تو کوئی عامل ڈھونڈیں گے۔ گویا عامل ہی ساری دنیا کا حل ہے۔ عامل کے پاس سارا کچھ ہوتا تو وہ کیوں مارا مارا پھرتا، خود اس کو تو دیکھو۔

عاملوں کے چکر

الغرض! یہ صاحب عامل کے پاس جاتے ہیں، عامل بھی فوراً کہہ دیتا ہے کہ تمھارے کاروبار پر تو کسی نے کچھ کر دیا ہے، ''بندش'' کر رکھی ہے۔ لو بھائی! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی روزی پر کوئی بندہ بندش لگا سکتا ہے؟، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر تو درخت کا ایک پتہ تک ہل نہیں سکتا اور یہاں یہ عامل کہہ رہا ہے کہ ایک انسان نے بندش لگا رکھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ﴾ [فاطر: ۲]: اللہ تعالیٰ جب اپنی رحمت کو کسی کے لیے کھول دیتے ہیں تو کسی کی طاقت نہیں ہے کہ وہ اس رحمت کو اس بندے تک پہنچنے سے روکے۔

آگے وہ عامل کہتا ہے کہ تمہارے گھر میں ہی کوئی ہے، سوچ لو، کون تمہارا دشمن ہے؟ اُسی نے کچھ کر دیا ہے، بس بات ختم ہوگئی۔ دشمنی میں اس کے ذہن میں سیدھا بھائی، بہن نظر آئیں گے، بعض تو سیدھا ماں باپ پر الزام لگاتے ہیں کہ میرے باپ نے کرادیا۔ کاروبار تو گیا تھا، اب دین بھی گیا۔ اس کے ذہن میں یہ بیٹھ گیا کہ یہ لوگ

میرے دشمن ہیں۔ اب وہ اسی پٹری پر چل رہا ہے۔ کوئی کتنا ہی سمجھائے اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ جس کے دل میں قطع رحمی کے خیالات ہوں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں، **فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ**۔

ارے بھائی! اگر توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت بھی آتی؛ لیکن اب تو گناہ میں آگے بڑھ رہا ہے۔ ایک تو ان سے الگ ہوا اور اب ان پر ہی الزام لگاتا ہے کہ یہی میرا بُرا کر رہے ہیں۔ بھلا ماں باپ کسی کا کبھی بُرا کرتے ہیں؟ ماں باپ کبھی بیٹے کی بدخواہی نہیں کر سکتے، بیٹا چاہے کیسا بھی ہو؛ لیکن اس بیٹے کے ذہن میں تو بیوی اور عامل نے یہی بٹھا دیا ہے۔

اس کے بعد عامل اس کے جیب پر ہاتھ ڈال کر اس کو مزید صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اب یوں کرو، یہ تعویذ گھر کے فلاں حصے میں دبا دو، یہ تعویذ فلاں جگہ لٹکا دو، فلاں چیز لاؤ، اس پر پڑھ کر دم کردوں گا تو یوں ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ لمبے عرصے تک چلتا رہا اور اس چکر میں جو سرمایہ تھا، وہ بھی ختم ہو گیا لیکن کاروبار چلنے کا نام نہیں۔

اب وہ باپو کہتا ہے کہ کوئی چیز دفن کردی ہے، وہ دفن کی ہوئی چیز جب تک نہیں نکالیں گے، وہاں تک یہ بلا ٹلنے والی نہیں ہے۔ اگر دفن کیا تھا تو اس کا پتہ آج چل رہا ہے؟ پیسے کھا کھا کے دو سال بعد پتہ چل رہا ہے؟ پہلے نہیں بتا سکتا تھا؟ یہ اور زیادہ نقصان میں اترتا جاتا ہے۔

یہ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سب اس کی حماقت کا نتیجہ ہے، اصل سبب ان مصیبتوں کا یہ ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ سے تعلق توڑا اور جس خدمت پر اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اس کو مل رہا تھا، اب قطع تعلق کی وجہ سے وہ سب کہاں ملنے والا ہے؟ وہ سمجھتا تھا کہ میری صلاحیتوں کی وجہ سے مل رہا ہے، حالاں کہ یہ تو ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور خدمت کی وجہ سے مل رہا تھا، صلہ رحمی کی وجہ سے مل رہا تھا اور اس کو تو چھوڑ دیا ہے تو وہ برکتیں اب کہاں ملنے والی ہیں؟۔

اپنے شوہروں کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں ڈالنے والی عورتوں سے خاص خطاب

اور ایسی عورتوں سے جو اپنے شوہروں کو ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی سے روکتی ہیں، میں تاکید کے ساتھ کہوں گا کہ جو بیٹا ماں باپ کا نافرمان بنا، حدیث کی رو سے دنیا کے اندر وہ سزا پائے گا۔ اب اگر تمہارا شوہر سزا پائے گا تو کیا تم اسے سزا سے بچا سکوگی؟ جب مصیبت میں وہ گرفتار ہوگا تو وہ مصیبت بیوی پر بھی آئے گی۔ عورتیں اگر چاہتی ہیں کہ ان کے گھروں میں خیر و برکت ہو تو اپنے شوہروں سے کہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا حق ادا کریں۔ اگر نہیں کرتا ہے تو اُس کو مجبور کرو۔ بیویوں کو چاہیے کہ وہ حق ادا کروائیں۔ عورتیں اس معاملہ میں بہت کچھ کرسکتی ہیں۔ آج کی عورتیں بہت کچھ کر رہی ہیں، لیکن غلط کر رہی ہیں۔ میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہوں گا کہ اس کی طرف توجہ کرو۔ صلہ رحمی کا معاملہ مردوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ میں زیادہ ہے، مرد تو اپنے کاروبار میں ایسا کھپا ہوا ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں ہی کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے سارے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ اپنے

شوہروں کو ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

رزق کا مدار علم و ہنر اور عقل وفہم پر نہیں ہے

اور نوجوانو! تم بھی یادرکھو کہ تم کو جو کچھ مل رہا ہے، تمہاری طاقت کے بل بوتے پر نہیں، سرٹیفیکیٹ کی وجہ سے نہیں، صلاحیتوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل رہا ہے۔ بڑے بڑے عقل منداور بڑی بڑی ڈگریوں والے جوتے چٹخاتے پھر رہے ہیں، ان کے پاس جیب کے اندر ایک ڈالر بھی نہیں، لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں، اور جو بالکل جاہل اور اناڑی ہیں، جن کو دستخط کرنا تک نہیں آتا، وہ بڑے بڑے رئیس ہیں، اور بڑے بڑے پڑھے لکھے ان کے یہاں نوکریاں کرتے ہیں۔

تو بڑا منحوس آدمی ہے

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی سفر کررہا تھا، ساتھ میں اونٹ تھا جس پر بوجھ لادرکھا تھا، اس کی دونوں طرف دو بوریاں رکھی تھیں اور وہ خود پیدل چلا جارہا تھا، ایک دوسرا آدمی جو پڑھا لکھا تھا، اس سفر میں اس کے ساتھ ہو گیا، اس نے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک بوری میں گیہوں اور دوسری میں ریت بھری ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کی یہ ریت کی کیا ضرورت ہے؟ پورا صحرا پڑا ہے، جتنی چاہے لے لو تو اس نے کہا کہ یہ توازن اور بیلنس **(balance)** باقی رکھنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! توازن باقی رکھنے کے لیے تو ایسا بھی کرسکتا تھا کہ اس بوری کے گیہوں کو آدھا آدھا کر کے دو بوریوں میں بھر

دیتا تو توازن بھی برقرار رہتا اور اونٹ کا بوجھ بھی کم ہو جاتا۔ اس کی سمجھ میں بات آ گئی کہ واقعی ایسا کرنا بہتر تھا، اس نے اس بوری میں سے گیہوں نکالے اور دو حصوں میں تقسیم کر کے بیلنس برابر کر دیا۔

اب وہ دیہاتی اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس نے اتنا اچھا مشورہ مجھے دیا، اتنی اچھی بات بتائی تو یہ بڑا عقل والا ہے، اس کے پاس تو مجھ سے زیادہ مال و دولت ہوگی۔ اس نے پڑھے لکھے آدمی سے پوچھا کہ تمھارے پاس اونٹ کتنے ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ پوچھا: گائیں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں، پوچھا: بکریاں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ یہ جس مال کے متعلق بھی پوچھتا ہے، وہ انکار کرتا ہے تو وہ دیہاتی اس سے کہتا ہے: تو بڑا منحوس آدمی ہے، تیرے مشورے پر میں عمل نہیں کروں گا، ورنہ میں بھی تیری طرح فقیر بن جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے دوبارہ وہ گیہوں ایک بوری میں کر کے ریت والی بوری دوسری طرف رکھ دی۔

تو کم عقل لوگ بھوکے مرتے

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دولت وثروت علم وعقل کے ذریعہ نہیں آتی، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دولت عقل سے آتی تو دنیا میں جتنے کم عقل لوگ ہیں، سب بھوکے مرتے، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے: جو جاہل ہوتے ہیں، ان کے پاس پڑھے لکھوں کے مقابلہ میں خوب مال ہوتا ہے۔

میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ہمارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، وہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ہمیں ملی ہیں، چاہے وہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو۔ جتنے نوجوان

اچھا کماتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں اور ماں باپ کو دیتے ہیں، وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ہم اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کمار ہے ہیں۔ نہیں! بلکہ پتہ نہیں کون کمزور ہے جو تمہارے ذریعہ سے پل رہا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے تم کو روزی عطا فرماتے ہیں۔

قطع رحمی:

دنیا میں سب سے زیادہ جلدی عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والا گناہ

الغرض! صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور قطع رحمی بہت خطرناک چیز ہے۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللّٰہ تعالی عنه کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْبَغْيِ کہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی گناہ کی سزا اتنی جلدی نہیں دیتے، آخرت کے اندر تو سزا ملے ہے ہی لیکن دنیا میں بھی کسی گناہ کی سزا اتنی جدلی نہیں دیتے، جتنی جلدی قطع رحمی کرنے والے کو سزا دیتے ہیں[1]۔ جو رشتہ داری کے حقوق ضائع کرتا ہے، اس کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔

یہی قدرت کا قانون ہے جو ہمیں ہمارے نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم

---

(۱) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص:۳۷، بَابُ عُقُوبَةِ قَاطِعِ الرَّحِمِ فِي الدُّنْيَا، رقم الحديث:٦٧.

نے ہمیں بتلا دیا ہے، یہ قانون بدل نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا ارشد مدنی کا بیان کردہ ایک عجیب واقعہ

حضرت مولانا ارشد صاحب کی زبان سے سنا ہے کہ دیو بند کے ایک دوکان دار نے مجھ سے کہا کہ فلانی دوکان پر جو بوڑھا بیٹھا ہے، یہ دوکان اس کے باپ دادا کے زمانے سے چلی آرہی ہے، ایک مرتبہ یہ شخص اپنی جوانی کے زمانے میں آیا اور اپنے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچ کر نالی کے اندر ڈال دیا۔

اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اولاد میں اس کے یہاں صرف چار بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہیں تھا۔ وہ دوکان دار مولانا سے کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ واقعہ میرے دل ودماغ میں گھومتا رہتا تھا، میں سوچنے لگا کہ میں نے علماء سے سن رکھا ہے کہ جو آدمی اپنی ماں یا باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو اس کی اولاد اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے، اس نے اپنے باپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا اور اس کی اولاد میں کوئی لڑکا تو ہے نہیں تو یہ بات کیسے درست ہوگی؟۔ وہ آدمی کہتا ہے: ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کی چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی دوکان پر برقعہ پہن کر آئی اور اس نے اس بوڑھے دوکان دار کو اسی طرح ہاتھ پکڑ کر نیچے گرایا، جیسے اس نے اپنے باپ کو گرایا تھا اور نالی میں ڈال دیا۔ یہ ہے: جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ۔

بیٹے نے باپ کو ٹانگ میں رسّی ڈال کر وہاں تک گھسیٹا، جہاں تک اس نے اپنے باپ کو گھسیٹا تھا

قاضی ابوعلی تنوخیؒ ایک مؤرخ گذرے ہیں، ان کی کتاب ہے: نشوار المحاضرہ، اس میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اس کو کھینچا اور کھینچتے کھینچتے بڑی دور ایک درخت کا جھنڈ تھا، جھاڑی تھی، وہاں تک لے گیا، جب وہاں تک لے گیا تو باپ نے کہا کہ بیٹا! بس، اب آگے مت لے جائیو! تو بیٹے نے کہا کہ ابا! کیا بات ہے کہ پہلے کچھ نہیں کہا اور اب روک رہے ہو! تو باپ نے کہا کہ میں نے بھی اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اسی طرح کھینچا تھا اور اس جگہ تک لایا تھا[۱]۔ تو بہر حال! یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور گنبد کی صدا جیسی کہو، ویسی سنو۔ تاریخی واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

باپ کی کمر میں رسّا ڈال کر پانی کھنچوانے والا بیٹا اور اس کا دنیوی بدلہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک بوڑھے کی کمر کے اندر ایک بڑا رسّا باندھ کر کنویں میں سے کوس کھنچوا رہا ہے، کنویں میں سے پانی نکالنے کے لیے چمڑے کا ڈول ہوتا ہے، اس کو گجراتی میں کوس کہتے ہیں، وہ کھنچوا رہا ہے، حالاں کہ ایسا کوس تو اونٹ اور اس جیسے جانور کے ذریعہ کھنچوایا جاتا ہے لیکن یہ آدمی ایک بوڑھے سے وہ کوس کھنچوا رہا تھا۔ امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کے بندے! تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بوڑھے آدمی سے اتنا سخت کام لے رہا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ یہ تو میرا باپ ہے تو انھوں

---

[۱] نشوار المحاضرة وأخبار المذاكرة: ۲/۲۰۱، كما تدين تدان.

نے کہا: إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ، بوڑھا بھی ہے اور تیرا باپ بھی ہے، اس کے ساتھ ایسا سلوک کرر ہا ہے، یہ تو اور بھی زیادہ خطرناک بات ہے! تو اس نے جواب دیا کہ اس نے بھی اپنے باپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا[1]۔

تو ماں باپ کو تکلیف پہنچانے کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتے ہیں، جو لوگ اس کو دیکھتے ہیں، اگر ان کو اللہ تعالیٰ عمر دے گا تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس کی اولاد اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی، اس لیے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

باپ کو طمانچہ رسید کرنے والے کو اس کے بیٹے کا طمانچہ

ہمارے ایک ملنے والے محبت کرنے والے دوست ہیں، وہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا، میرے والد صاحب گھر سے باہر آنگن میں چار پائی ڈال دیتے تھے، ایک مرتبہ والد صاحب اس چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی ان کے پاس تھا، قریب میں باپ بیٹے کے درمیان کچھ تلخ کلامی چل رہی تھی تو بیٹے نے اٹھا کر باپ کو طمانچہ مار دیا۔ یہ دیکھ کر میرے والد صاحب نے مجھے کہا کہ بیٹا! دیکھو! اس نے جو اپنے باپ کو طمانچہ مارا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیں گے اور اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ یہ سلوک ضرور کرے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرے والد صاحب کا تو انتقال ہو گیا اور اس لڑکے کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس لڑکے کے یہاں بھی لڑکا ہوا جو آگے چل کر جوان

---

(۱) المحاسن والمساوئ لإبراهيم بن محمد البيهقي، ص: ۲۳۵، مساوئ عقوق البنين.

ہوا، ایک مرتبہ ان دونوں باپ بیٹے میں بھی کسی بات پر جھگڑا ہوا تو اس لڑکے کے بیٹے نے زور سے اٹھا کر طمانچہ مار دیا۔ دیکھیے! دنیا ہی میں اس کی سزا اس کو مل گئی۔ جو والدین کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے، ویسا پاتا ہے، یہ ہے: ؎

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے، ویسی سنے

یہی قدرت کا قانون ہے جو ہمیں ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے، یہ قانون بدل نہیں ہوسکتا۔

روزی میں بے برکتی کا ایک بڑا سبب قطع رحمی ہے

نیز قطع رحمی کی سزا یہ بھی ملتی ہے کہ اس کی روزی میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ آج لوگ روزی میں برکت پیدا کرنے اور بے برکتی کو دور کرنے کے لیے لمبے لمبے وظیفے پڑھتے ہیں شکایتیں کرتے ہیں لیکن ذرا تم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو کہ تمھارے رشتہ داروں کے ساتھ تمھارا معاملہ کیسا ہے۔ بڑی تعداد تو وہ ہے جن کا بھائی کے ساتھ جھگڑا ہے، بہنوں کے ساتھ جھگڑا ہے، رشتہ داروں کے ساتھ جھگڑا ہے، کسی کے ساتھ ہمیں جھگڑا نہیں رکھنا ہے، کوئی ہمارے ساتھ جھگڑا رکھتا ہو تو بھی ہم اس کے یہاں جائیں گے، سلام کریں گے، وہ چاہے ہمارے سلام کا جواب دیں یا نہ دیں، ہم تو بس اللہ تعالیٰ کا حکم دیکھ کر ان کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو کامیابی ہے، ورنہ اگر یہ دیکھتے رہو گے کہ اس نے تو میرے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تو میں پھر کیوں سلام کروں تو گویا آپ نے دنیا ہی میں جزا اور سزا کا سارا نظام قائم کرلیا۔

بدلہ دینے کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں

حالاں کہ روزانہ ہم سورۂ فاتحہ کے اندر یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿**مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ**﴾: اللہ تبارک وتعالیٰ روزِ جزا کا مالک ہے، بدلے کے دن کا مالک ہے، بدلہ تو وہاں ملے گا۔ اب ہم دنیا ہی میں لینا چاہتے ہیں اور اس کی وجہ سے اتنے جھگڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ!، بھائی بھائی کا منہ دیکھنے کے لیے تیار نہیں، باپ بیٹے کے درمیان ناچاقی ہے، بیٹا باپ سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں، بہن بہن کے درمیان لاتعلقی ہے، بھانجہ ماموں کے ساتھ قطع تعلق کیے ہوئے ہے، بھتیجا چچا کے ساتھ بات کرنے کو تیار نہیں، رشتہ داروں کے درمیان اس طرح کے سارے جھگڑے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ہٹانے والے ہیں۔

بعض وہ گنہگار جن کی شب برأت وشب قدر جیسی راتوں میں مغفرت نہیں ہوتی

اور دیکھو! لیلۃ القدر اور لیلۃ البرأۃ جیسی راتوں کے متعلق آتا ہے کہ اس رات میں سب گنہگاروں کی مغفرت کردی جاتی ہے لیکن دو چار لوگ ایسے ہیں جن کے متعلق یہ ہے کہ ان کی مغفرت نہیں کی جاتی، ان میں ایک وہ ہے جو احسان کر کے احسان جتلانے والا ہو اور باپ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور قطع رحمی کرنے والا ہو[1]۔

---

[1] هَذِهِ اللَّيْلَةُ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰهِ فِيهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُورِ غَنَمِ كَلْبٍ، لَا يَنْظُرُ اللهُ فِيهَا إِلَى مُشْرِكٍ، وَلَا إِلَى مُشَاحِنٍ، وَلَا إِلَى قَاطِعِ رَحِمٍ، وَلَا إِلَى مُسْبِلٍ، وَلَا إِلَى عَاقٍّ لِوَالِدَيْهِ، وَلَا إِلَى مُدْمِنِ خَمْرٍ. الحديث (شعب الإيمان، عَنْ عَائِشَةَ رضى الله تعالى عنها، مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، رقم الحديث: ۲۵۵۶)

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کریں، جن جن رشتہ داروں کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب ہیں، پہلی فرصت میں ان کے پاس جاؤ اور جا کر کے ان سے معافی مانگو اور معاملہ صاف کرلو، اس میں دنیا میں بھی عزت ہے اور آخرت میں بھی عزت ہے، دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی کامیابی ہے۔ بھائی! طے کرلو۔

دورِ حاضر کے مردوں کا مزاج

لوگوں کا حال یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ ہوتے ہیں تو بیوی سے کٹ جاتے ہیں اور بیوی کے پاس جاتے ہیں تو حضرت اسی کے بن کر رہ جاتے ہیں اور ماں باپ سے منہ موڑ لیتے ہیں، ماں باپ کی سننے پر آتے ہیں تو بیوی کے حقوق ادا کرنے پر تیار نہیں اور بیوی کی سننے پر آئے تو ماں باپ کے حقوق سے چشم پوشی کرنے لگتے ہیں۔

شریعت تو اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیتی ہے، ہر حق دار کا حق ادا کرو یہی تو شریعت کی تعلیم ہے، شریعت نام ہی ہے حقوق کی ادائیگی کا، کسی کے ساتھ زیادتی کی شریعت اجازت نہیں دیتی، نہ بیوی کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ زیادتی کی جائے اور نہ ماں باپ کی وجہ سے بیوی کے ساتھ زیادتی کی اجازت ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، یہ نہیں کہ اِس کی ماننے پر آئے تو اُس پر ظلم کیا اور اُس کی ماننے پر آئے تو اِس پر ظلم کیا۔

تو کھڑے کھڑے کہے گی، میں پڑے پڑے کہوں گی

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیفہ سناتے تھے کہ ایک مرتبہ ساس

اور بہو میں جھگڑا ہوا، ساس نے کہا کہ آنے دے میرے بیٹے کو، میں تیری پٹائی کرواتی ہوں۔ بہو کہنے لگی کہ میں بھی تو کہوں گی، وہ میری سنے گا، تمہاری نہیں سنے گا۔ تو ماں کہنے لگی: تیری کیوں سنے گا، میری سُنے گا، میں اس کی ماں ہوں۔ تو بہو کہنے لگی کہ تمھاری تھوڑی سنے گا، میری سنے گا۔ ساس نے پوچھا کیوں؟ تو بہو کہنے لگی: تو کھڑے کھڑے کہے گی، میں پڑے پڑے کہوں گی۔ تو وہ پڑے پڑے جو کچھ کہتی ہے، اس کا اثر بہت ہوتا ہے۔ بیوی جو کان بھرتی ہے تو ماں باپ کا سارا معاملہ ایک طرف رہ جاتا ہے۔

جو اپنے لیے پسند کرو، وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو

شریعت کی تعلیم تو یہ ہے: **لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**[1]: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے تو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

جب ہماری بیٹی دوسرے کے گھر جاتی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا داماد ہماری بیٹی کا غلام بن جائے، بیٹی اس کو کھڑا ہونے کو کہے تو وہ کھڑا ہو جائے اور بیٹھنے کو کہے تو بیٹھ جائے اور اس کے لیے عاملوں کے چکر لگائے جاتے ہیں کہ ایسی تعویذ دو کہ جس سے داماد قابو میں آجائے، ایک طرف تو یہ معاملہ ہے۔

دوسری طرف جب اپنے بیٹے کا نکاح کریں گے اور بہو گھر میں آئے گی تو کیا

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنه، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، رقم الحدیث: ۱۳.

کہیں گے کہ بیٹا بہو کی کچھ سنے ہی نہیں، ہماری ہی سنے۔ عجیب معاملہ ہے!، آپ اِدھر یہ بولتے ہیں اور اُدھر وہ بولتے ہیں۔ اگر یہی ہمارے اخلاق ہوں گے تو پھر آپس میں جھگڑا ہی ہوگا۔ اسلام اس کی تعلیم نہیں دیتا۔

اگر بیٹا بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے اور ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کرتا تو بیوی کے حقوق ادا کرنے پر ماں باپ کو بولنے کا کیا حق بنتا ہے؟ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

صلہ رحمی کے معاملے میں سوچ کو محدود مت رکھئے

کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کے ماں باپ کے ساتھ بہت بھلائی کرتا ہے۔ ارے بھائی! بیوی کے ماں باپ بھی تو اس کے ماں باپ ہیں، شریعت نے اس کو ان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں ان کی خاطر اگر وہ آپ کا حق مار رہا ہے تو آپ کو اعتراض کرنے کا حق ہے لیکن اگر وہ آپ کا پورا حق ادا کر رہا ہے، آپ کی خدمت کر رہا ہے، ضرورت کے مطابق آپ کو پیسے بھی دے رہا ہے، آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھ رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی بیوی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرتا ہے، اس کے ماں باپ کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے تو اس کی وجہ سے آپ اپنے بیٹے سے ناراض رہتے ہیں اور اس کو اس کے ساس سسر کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تو یہ غلط ہے، وہ تو شریعت کے حکم پر عمل کر رہا ہے۔

گویا ہماری سوچ محدود ہے۔ شریعت تو معاشرے کو، سماج کو، سوسائٹی کو ایک

اچھے انداز میں دیکھنا چاہتی ہے، آپس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہو بلکہ آپس میں محبتیں ہوں، رشتہ داری کے حقوق ادا کیے جا رہے ہوں۔ اس میں اگر آپ اس طرح کی محدود سوچ رکھیں تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی اور دونوں ہی فریق کے لیے یہ بات ہے۔

اگر شوہر بیوی کا حق ادا نہ کر رہا ہو، اس کے ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرتا ہو تو ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بیٹے کو حکم دیں کہ تو بیوی کے حقوق ادا کر، حدیث ہم کو یہی تعلیم دیتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا سبق آموز واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے اس بیٹے کا نکاح کرایا اور نکاح کے چند دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو کے پاس جا کر کے اپنے بیٹے کا حال پوچھا: کیا حال چال ہے؟ عبداللہ کیسے آدمی ہیں؟ تو بہو نے بتلایا کہ عبداللہ، وہ تو ماشاء اللہ! بہت اچھے اور نیک آدمی ہیں، ان کو دنیا سے کوئی دل چسپی ہی نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ بہو نے جو کہنا تھا، وہ ان ہی الفاظ میں کہہ دیا کہ گویا ان کو دنیا سے کوئی واسطہ ہے ہی نہیں، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیا کہنا چاہتی ہیں لیکن سوچا کہ کچھ دنوں کے بعد معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، کچھ دنوں کے بعد پھر سے پوچھا، پھر یہی جواب ملا۔

باپ کو اپنی شادی شدہ اولاد کی بھی نگرانی کرتے رہنا چاہیے

دیکھیے! حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ اپنے بیٹے کی شادی کرنے پر اکتفا کر کے بیٹھ نہیں گئے بلکہ اپنے بیٹے کی نگرانی بھی کررہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ باپ جب بیٹے کا نکاح کرائے تو اس کو چاہیے کہ حالات کا جائزہ لیتا رہے کہ بیٹا اپنی بیوی کا حق ادا کررہا ہے یا نہیں؟ کہیں بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی تو نہیں کررہا ہے؟، اس کی بھی جستجو اور خیال رکھے، اگر اس میں کوتاہی ہوتی ہو تو باپ کی طرف سے اس کو ادا کروانے کی کوشش ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ نکاح کرادیا، اب وہ جانیں اور اس کا کام، نہیں! یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عمروؓ اپنے بیٹے کی شکایت لے کر خدمتِ نبوی میں

دیکھیے! یہاں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ کو پتہ چلا کہ ان کے بیٹے سے حقوق کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی صادر ہورہی ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر شکایت کی، آپ کے سامنے سارا حال بیان کیا کہ میں نے ایک شریف گھرانے کی لڑکی سے ان کا نکاح کرایا لیکن ان پر تو عبادت کا ایسا غلبہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بیوی کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان کو بلا کر سمجھائیں۔

باپ اپنی اولاد کو بعض باتوں کی فہمائش بڑوں کے ذریعہ بھی کرا سکتا ہے

بعض مسائل اور باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں باپ بہ راہِ راست اپنے بیٹے سے گفتگو کرنے سے کتراتا ہے اور بڑوں کو بیچ میں ڈالا جاتا ہے اور وہ اس مسئلے میں سمجھاتے ہیں، یہ معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ اس سلسلے میں خود کچھ کہنے کے بہ جائے بڑوں کے ذریعہ ان کو سمجھایا جائے۔

چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے حقیقتِ حال آئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس خود تشریف لے گئے اور وہاں جب پہنچے تو انھوں نے باقاعدہ تکیہ پیش کیا، تکیے کے اس مسئلے کو ثابت کرنے ہی کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ روایت لائے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکیہ نہیں لیا بلکہ تکیہ درمیان میں رکھ کر بیٹھے، ان سے حال پوچھا اور گفتگو کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ تمھاری شکایت پہنچی ہے: **أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ**: اے عبداللہ! مجھے یہ بات بتلائی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہو، کیا یہ بات صحیح ہے؟ **قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ**: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما نے

کی سند سے یہ روایت بخاری شریف کے اندر موجود ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، بالکل، جو بات آپ تک پہنچی ہے، وہ درست ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: فَلاَ تَفْعَلْ،صُمْ وَأَفْطِرْ وَ قُمْ وَنَمْ،فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ چار الفاظ ارشاد فرمائے کہ ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ رکھو، کچھ دنوں میں افطار کرو، اور رات کے کچھ حصے میں آرام بھی کرو اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت کے اندر مشغول بھی رہو، پوری رات عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: بے شک تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، یہ جسم اللہ نے کام کرنے کے لیے دیا ہے، اس کو ہم تھکاتے ہی رہیں، تھکاتے ہی رہیں تو پھر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، جیسے مشین کو اگر آپ سروس نہ کریں تو وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، یہی حال تمہارے جسم کا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے۔

آنکھوں کا بھی حق ہے

اور آگے ارشاد فرمایا: وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری آنکھوں کا، ان کے آرام کا بھی حق ہے، ظاہر ہے کہ رات رات بھر بیدار رہو گے تو آنکھیں گہرائی میں چلی

جائیں گی اور آنکھیں ضائع اور برباد ہوجائیں گی۔

تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے

اور وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری ملاقات کے لیے آنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، اس کو بھی اعتدال کے ساتھ ادا کرنا چاہیے [1]۔

بہر حال! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں یہ ایک بڑی خرابی ہے، اس خرابی کو دور کرنے کی ضرورت ہے، یہ بھی نہیں کہ ماں باپ کی نافرمانی کرے اور صرف بیوی ہی کی مانے اور یہ بھی نہیں کی ماں باپ کی مان کر بیوی کے حقوق کو تلف اور ضائع کرے۔

اور غلط مطالبہ چاہے بیوی کی طرف سے ہو یا ماں باپ کی طرف سے ہو، اس کی تو شریعت کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتی۔

شریعت کی ماننے میں سب کا فائدہ ہے

اگر سب یہ طے کرلیں کہ شریعت کے حکم پر چلیں گے، ماں باپ بھی، بیٹا بھی، بیوی بھی، ساس سسر بھی سب یہ طے کرلیں کہ شریعت کا جو حکم ہو، وہ ہماری سر آنکھوں پر تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ شریعت کی ماننے میں سب کا فائدہ ہے کہ اس سے سب کے حقوق ادا ہوتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری، باب حق الجسم في الصوم، رقم الحدیث: ۱۹۷۵۔

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سامنے رکھیں اور صرف صلہ رحمی ہی کے باب میں نہیں بلکہ ہر شعبے میں ان کو ملحوظ رکھیں۔ جب تک کہ قدم قدم پر ہم شریعت کے احکام کو نہیں دیکھیں گے اور عمل نہیں کریں گے، وہاں تک ہمیں اپنی زندگی میں نہ راحت وسکون میسر ہونے والا ہے اور نہ کامیابی ملنے والی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم کو توڑنے کا وبال

غزوۂ احد کے موقع پر کیا ہوا تھا؟ غزوۂ احد کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو ایک جگہ پر مقرر فرما کر حکم دیا تھا کہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام ہوں، کچھ بھی ہوجائے، تم کو یہاں سے ہٹنا نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، دشمن بھاگنے لگا، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین مالِ غنیمت سمیٹنے لگے تو یہ پچاس تیر اندازوں میں سے بھی کچھ نے اپنی جگہ چھوڑ دی، امیر نے سمجھایا کہ اللہ کے بندو! کہاں جا رہے ہو؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیں حکم دیا ہے کہ کچھ بھی ہوجائے، یہیں جمے رہنا لیکن دوسرے حضرات اجتہاد کرنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم اسی وقت تک تھا، جب تک کہ جنگ کا فیصلہ نہ ہوجائے، اب تو فیصلہ ہو چکا ہے، دشمن بھاگ رہا ہے، میدان چھوڑ رہا ہے، لوگ مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہم بھی اس میں ان کی مدد کریں۔ الغرض! وہ نہیں مانے اور جگہ چھوڑ دی۔ دشمن نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اسی جگہ سے پلٹ کر وار کیا اور جنگ کا نقشہ پلٹ کر رہ گیا، فتح شکست میں بدل گئی اور اس جنگ میں ستّر سے زیادہ

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین شہید ہو گئے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بڑے زخمی ہوئے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو حکم توڑا گیا، وہ تو اسلامی احکام کے قبیل سے بھی نہیں تھا، ایک جنگی تدبیر تھی، جنگ سے تعلق رکھنے والا حکم تھا اور وہاں تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی موجود ہیں کہ جن کی موجودگی میں عذاب نازل نہ ہونے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۳۳﴾ [الأنفال]، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ پکڑ ہوئی۔

یہ جو شریعت کے احکام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں، جن کا ہمیں پابند کیا گیا ہے، اگر ان میں سے ایک حکم کو بھی توڑیں گے تو اس کا کیا انجام ہوگا، اس واقعے سے اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کی ہر نقل وحرکت کو، ہر چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے اور تعلیمات کے مطابق انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پڑوسیوں کے حقوق

اقتباس

بعض لوگ آ کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! دعا کرنا، پڑوسی سے بہت پریشان ہوں۔ جب پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں ایسا تو نہیں ہے، آج تک کوئی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔ یہ جو "کہہ نہیں سکتے" ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں ڈر گھسا ہوا ہے، حالاں کہ آج تک انگلی بھی نہیں لگائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پڑوسی کے دل میں ڈر بھی نہیں ہونا چاہیے، آپ کے پڑوسی کو آپ کی طرف سے بالکل اطمینان ہو کہ میرے پڑوسی سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، تب ہے مؤمن، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایمان کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰہ بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰہ تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾﴾ [النساء: ۳۶]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ

مُسْلِمًا، وَلاَ تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ[۱]. وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ[۲]. وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَه[۳]. وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ[۴]. وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ» قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ»[۵].

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم تمام مذاہب میں موجود ہے

محترم حضرات! پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی شریعت اسلامیہ میں بڑی

---

(۱) سنن الترمذی، بَابٌ: مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ، رقم الحدیث: ۲۳۰۵.

(۲) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّيْفِ، رقم الحدیث: ۸۵.

(۳) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، بَابٌ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ، رقم: ۶۰۱۸.

(۴) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، بَابُ الوَصَاةِ بِالْجَارِ، رقم: ۶۰۱۴.

(۵) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ، رقم الحدیث: ۶۰۱۶.

تاکید ہے،قرآن وحدیث میں اس کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے، پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک پر اجرِعظیم اوران کی ایذارسانی اوران کے ساتھ بدسلوکی پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

اوراس میں شریعت اسلامیہ ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید توتمام مذاہب میں موجود ہےلیکن شریعتِ اسلامیہ میں اس کی کچھ زیادہ ہی تاکید ہے۔

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی کثرتِ تاکید پر اس کووارث بنائے جانے کا خطرہ

بخاری شریف کی روایت ہے،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہافرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:**مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ**:حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ اچھاسلوک کرنے کی برابرتاکید کرتے رہےاوراتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھےخیال ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کومال میں وارث بنادیں گے[1]۔جیسے بیٹاوارث ہوتاہے،رشتہ داروارث ہوتے ہیں تواس تاکید کی کثرت کی وجہ سے مجھے یہ خیال ہواکہ شایدآگے جاکرکوئی ایساحکم آئے گا کہ رشتہ داروں کی طرح پڑوسی بھی وارث ہیں، پڑوسی کے ساتھ اچھاسلوک کرنے کی اتنی زیادہ تاکید ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، بَابُ الْوَصَاةِ بِالْجَارِ، رقم:۲۰۱۴.

قرآنِ پاک میں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

قرآنِ پاک میں بھی باری تعالیٰ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ﴾ [النساء:۳۶]۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں اس کی خوب تاکید فرمائی ہے، جیسا کہ ابھی ایک حدیث سنائی گئی کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ایسی تاکید فرمائی، ایسی تاکید فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو مال میں وارث قرار دیا جائے گا۔

پڑوسی جس کی ایذا رسانی سے مامون نہ ہو، وہ مؤمن نہیں

بخاری شریف ہی کی روایت میں ہے، حضرت ابوشریح حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ: اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں۔ تین مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جملہ دہرایا۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین

کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی جو قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں تھی، اس کے پیشِ نظر ان کلمات کو سن کر ان کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی، یہ سن کر بے چین ہو کر فوراً انھوں نے پوچھ لیا: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے جس کے متعلق آپ بار بار یہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں تو جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ؟: جس کا پڑوسی اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے مامون نہ ہو۔

پڑوسی کے مامون و بے خوف ہونے کا مطلب

مامون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پڑوسی کو آپ کی طرف سے ذرہ برابر بھی تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، یہ نہیں فرمایا کہ اس کے پڑوسی کو اس کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، تکلیف پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے، وہ آپ کی طرف سے اطمینان محسوس کرے کہ اس کی طرف سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچ نہیں ہوسکتی۔ محفوظ ہونا اور چیز ہے، مامون ہونا اور چیز ہے، یہ بہت اونچا درجہ ہے۔

آپ نے اپنے پڑوسی کو کبھی مارا نہیں، کبھی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن آپ کا پڑوسی آپ کی طرف سے ہمہ وقت ڈرا سہما رہتا ہے کہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں، کب کیا تکلیف پہنچا دے۔ چاہے آپ نے کچھ نہیں کیا لیکن آپ کا نیچر (nuture)، آپ کا مزاج، آپ کی طبیعت دیکھ کر کے وہ بے چارا ڈرا سہما رہتا ہے، ہر وقت آپ کی طرف

خطرہ محسوس کرتا ہے کہ پتہ نہیں کب کیا کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں۔

بعض لوگ آکر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! دعا کرنا، پڑوسی سے بہت پریشان ہوں۔ جب پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں ایسا تو نہیں ہے، آج تک کوئی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔ یہ جو ''کہہ نہیں سکتے'' ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں ڈر گھسا ہوا ہے، حالاں کہ آج تک انگلی بھی نہیں لگائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پڑوسی کے دل میں ڈر بھی نہیں ہونا چاہیے، آپ کے پڑوسی کو آپ کی طرف سے بالکل اطمینان ہو کہ میرے پڑوسی سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، تب ہے مؤمن، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایمان کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔

کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یہ تو پڑوسی کی بات ہے اور یہاں تو آپ کے گھر کے لوگ، آپ کی بیوی، آپ کے بچے، آپ کے بھائی، آپ کی بہنیں، آپ کے ماں باپ تک آپ کے شر سے محفوظ نہیں ہے، کون ہے جو آپ سے خطرہ محسوس نہیں کرتا بلکہ بعض لوگوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ گھر میں آتے ہیں تو گھر کے چھوٹے بڑے سب پناہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی! یہ کب جائے گی!! دل ہی دل میں دعائیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کرے کہ جلدی چلے جائیں، ان کا وجود ان کے گھر کے لیے لعنت اور

زحمت بن گیا ہے، آج ہمارے بہت سے گھر ایسے بن چکے ہیں۔

ہمارے لیے لمحۂ فکریہ

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ وہ شخص مؤمن نہیں کہ جس سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے ماں باپ، ہمارے بیوی بچے، ہم سے خائف ہیں، ڈرر ہے ہیں، پھر بھی ہمارا تقویٰ، ہماری بزرگی، ہمارا حضرت ہونا جوں کا توں ہے، پھر بھی ہم حضرت کہلاتے ہیں، مفتی صاحب کہلاتے ہیں، حافظ صاحب کہلاتے ہیں، قاری صاحب کہلاتے ہیں، مبلغ صاحب کہلاتے ہیں، حاجی صاحب کہلاتے ہیں، حضرت صاحب کہلاتے ہیں، حضرت کی حضرتیت پر بھی کوئی آنچ نہیں اور گھر کے لوگ تو اس سے بے انتہا پریشان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یوں فرماتے ہیں کہ اگر اس سے پڑوسی مامون نہیں ہے تو وہ مؤمن نہیں ہے، ایمان کی نفی فرما رہے ہیں، ذرا اندازہ لگاؤ۔ اس لیے ہمیں اپنی زندگیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا

مسلم شریف کی روایت میں ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ کہ: جس کا پڑوسی اس کی ایذارسانیوں سے مامون نہ ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا[1]۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ بَيَانِ تَحْرِيمِ إِيذَاءِ الْجَارِ، رقم الحدیث: ۷۳.

ایک اور روایت میں ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ: جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

قیامت کے دن کا سب سے پہلا مقدمہ

پڑوسی کی ایذا رسانی بہت خطرناک چیز ہے، مسند احمد کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کل کو قیامت کے دن سب سے پہلے جو دو مدّعی اور مدّعا علیہ، ''وادی'' اور پرتی وادی'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا کیس لے کر حاضر ہوں گے، وہ دو پڑوسی ہوں گے، ایک پڑوسی دوسرے کے خلاف دعویٰ کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے فیصلے کی درخواست کرے گا[1]۔

ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں فریاد

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل کو غریب پڑوسی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور مال دار پڑوسی کے خلاف جا کر عرض کرے گا کہ باری تعالیٰ! اس سے پوچھو کہ اس نے کیوں اپنے گھر کا دروازہ میرے لیے بند رکھا اور کیوں

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث: ۱۷۳۷۲۔

مجھے اپنے احسانات سے محروم رکھا[1]؟ اس لیے پڑوسیوں کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے ساتھ احسانات کرتے رہنا چاہیے۔

(۱) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله تعالى عنهما، بَابُ مَنْ أَغْلَقَ الْبَابَ عَلَى الْجَارِ، رقم الحديث: ۱۱۱.

پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچانا یہ کم سے کم درجہ ہے، باقی تو آگے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا درجہ ہے جس کے بارے میں ان شاء اللہ! آگے کچھ عرض کیا جائے گا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو........

مسلم شریف کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ[1]: جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تم مؤمن بن جاؤ گے، مؤمن کہلاؤ گے۔

گویا ایمان اسی کا نام ہے، کیوں کہ اسی سے تو آپ کے ایمان کا پتہ چلتا ہے،

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ رضى الله تعالى عنه، بَابُ الْحَثِّ عَلَى إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّيْفِ، رقم الحديث: ۸۵.

آپ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں، اس سے پتہ نہیں چلتا۔

آدمی کے ایمانی اخلاق اس کے ساتھ معاملات کے بعد ظاہر ہوتے ہیں

حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ نے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کے متعلق پوچھا کہ کیسا آدمی ہے؟ تو جواب دیا کہ بہت اچھا آدمی ہے تو حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ کبھی تم نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کیا؟ کبھی اس کے ساتھ کوئی سفر کیا؟ تو فرمایا: لعلك رأيته يخفض ويرفع في المسجد [1]: شاید تم نے اس کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھ لیا ہوگا، اس لیے تم اس کے متعلق ایسا تبصرہ کر رہے ہو۔ ایسا نہیں ہے، اگر تم نے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے یا اس کے پڑوس میں رہتے ہو یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے اور اس کے اخلاق کو جانچا ہے اور اس کے بعد اگر تم اس کے متعلق یہ رپورٹ دیتے ہو تو قابل قبول ہے۔

پڑوسی کا مسلمان یا رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے

پھر پڑوسی کے اندر سب آجاتے ہیں، مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، نیک ہو یا فاسق و فاجر، اجنبی ہو یا آپ کے خاندان کا ہو، آپ کے شہر کا ہو یا دوسرے کسی شہر کا ہو

---

(۱) أدب النفس للحكيم الترمذي [الناشر: الدار المصرية اللبنانية، مصر]، ص: ۹۷، صفة الموقن.

یا کسی اور ملک کا ہو، کوئی بھی ہو، وہ آپ کا پڑوسی کہلائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ کا پڑوسی دشمن ہو تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک مت کرو، سب پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا شریعت حکم کرتی ہے۔

تین قسم کے پڑوسی

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسی کی تین قسمیں ارشاد فرمائی ہیں، چنانچہ ''الترغیب والترھیب'' کی روایت میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پڑوسی تو وہ ہے جس کا ایک حق ہے یعنی صرف پڑوس کا، جیسے کہ کافر، وہ آپ کے پڑوس میں ہے تو پڑوس کا اس کا حق ہے۔

یہودی پڑوسی کے ساتھ حضرت ابنِ عمرؓ کا سلوک

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا معمول تھا کہ اگر اپنے یہاں بکری ذبح کرتے تھے تو ان کا یہودی پڑوسی تھا، جب تک کہ اس کے یہاں گوشت نہ بھجواتے، وہاں تک خود نہیں کھاتے تھے تو پڑوسی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے [1]۔

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں کہ پڑوسی بھی ہے اور مسلمان بھی ہے تو اس کے دو حق ہیں: (۱) پڑوس کا حق اور

---

(۱) الکبائر للذھبی [الناشر: دار الندوة الجديدة - بيروت] ص:۲۰۷، الْكَبِيرَة الثَّانِيَة وَالْخَمْسُونَ أَذَى الْجَار.

(۲) اسلام کا حق۔

تیسرا پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں، مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی ہے، اس کے تین حق ہیں: (۱) پڑوسی کا حق (۲) اسلام کا حق (۳) رشتہ داری کا حق [1]۔ یعنی پڑوسی میں اوصاف جتنے بڑھتے جائیں گے، اتنی تاکید بڑھتی جائے گی۔

الغرض! پڑوسی کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، ہر ایک کے اوپر پڑوسی کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا لازم ہے۔

پڑوسی کے بعض حقوق

اب یہ حسنِ سلوک کیا ہے؟ تو علماء نے اور حدیث کی شرح کرنے والے شراحِ حدیث نے اس میں مختلف چیزیں لکھی ہیں اور تفصیلات بیان کی ہیں کہ جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس کے ساتھ طلاقتِ وجہ یعنی خندہ پیشانی سے پیش آؤ، جب بھی ملو تو ذرا ہنستے اور مسکراتے ہوئے ملو، یہ نہیں کہ ارنڈ کا تیل پیا ہوا منہ لے کر کے ملو۔ بعض لوگ تو زندگی بھر ایسے ہی رہتے ہیں، پڑوسی کے ساتھ ہنسنے کا سوال ہی نہیں بلکہ پڑوسی کو دیکھ کر منہ بگاڑ لیتے ہیں اور شریعت کی تاکید یہ ہے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔

مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے

اور ویسے بھی ہر مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تاکید ہے،

---

[1] الترغيب والترهيب لقوام السنة [الناشر: دار الحديث - القاهرة]: ۱/۴۸۲، باب في حق الجار والترغيب في حق الجوار، رقم الحديث: ۸۷۰.

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ[1] : تمھارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقے کا ثواب رکھتا ہے۔ بھائی! اس میں کون سے پیسے لگتے ہیں، بس ذرا سا ہونٹ کھول دیں، پھیلا دیں تو مفت میں بیٹھے بٹھائے صدقے کا ثواب مل رہا ہے لیکن نہیں، محروم ہے، قسمت میں نیکی حاصل کرنا نہیں ہے تو کوئی کیا کرے!، اس کو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔

پڑوسی کافر یا فاسق ہو تو کیا کریں؟

اور اگر پڑوسی کافر ہے تو اس کے لیے ہدایت کی دعا کیجیے، اسلام کی ترغیب دیجیے اور اگر فاسق و فاجر ہے تو اس کے لیے بھی نیکی اور راہِ راست پر آنے کی دعا کیجیے اور بھلائی کے ساتھ، حکمت و مصلحت کے ساتھ، خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ نیکی کی تاکید کیجیے اور اس کے اس فسق و فجور کی وجہ سے اس سے دوری مت اختیار کیجیے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شرابی پڑوسی کا واقعہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا جو نوجوان تھا، رات کو شراب پیتا تھا اور شور شرابہ کرتا تھا اور شعر بھی پڑھتا تھا: ؎

أَضَاعُونِي وأَيَّ فتىً أَضَاعُوا		ليومِ كَرِيهةٍ وسِدَادِ ثَغْرِ

کہ مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا، میری قدر نہیں کی اور ایسے نوجوان کی ناقدری

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ المَعْرُوفِ، رقم الحدیث: ۱۹۵۶.

کی جو مصیبتوں اور حوادث میں کام آسکتا تھا۔

یہ ایک شعر ہے جو وہ پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی آواز نہیں سنی، کوئی شور شرابہ نہیں تھا تو پوچھا کہ بھائی! کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ کسی نے پولیس کے یہاں اس کی فریاد کر دی تھی کہ رات کو پی کر کے شور مچاتا ہے اور حضرت کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے تو پولیس اس کو گرفتار کر کے لے گئی اور جیل میں ڈال دیا، جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا کہ وہ تو جیل میں ہے تو حضرتؒ بذاتِ خود تشریف لے گئے اور اس کو جیل سے چھڑا کر کے لائے اور فرمایا کہ ہم نے تو تم کو ضائع نہیں کیا نا؟ ہم نے تو تمھاری ناقدری نہیں کی؟ لکھا ہے کہ اس کے بعد اس نے کبھی شراب نہیں پی[1]۔

ہم اگر حسنِ سلوک سے پیش آئیں تو بہت سے بگڑے ہوئے بھی سُدھر سکتے ہیں، ہم نے اپنا مزاج ایسا بنا رکھا ہے کہ بگڑے ہوؤں کو تو کیا سُدھارتے، ہم سُدھرے ہوؤں کو بھی بگاڑ رہے ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق، پہلا حق: بیمار ہو تو عیادت کرنا

بہرحال! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق بتلائے ہیں، حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت طبرانی میں موجود ہے، اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حقوق ارشاد فرمائے ہیں،

---

[1] تاريخ بغداد [الناشر: دار الغرب الإسلامي - بيروت]: ۱۵/ ۴۸۷، ماذكر من وفور عقل أبي حنيفة وفطنته وتلطفه.

ان میں پڑوسی کا پہلا حق یہ بیان فرمایا: إِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ کہ اگر وہ بیمار ہو تو آپ اس کی عیادت کیجیے، بیمار ہوں تو آپ اس کا حال پوچھیں، اس کی خبر گیری کریں، مدد یا خدمت کی ضرورت ہو تو مدد اور خدمت کریں۔

عیادت کے بعض فضائل

ویسے بھی بیمار کی عیادت بڑا نیکی کا کام ہے، اس کے مستقل فضائل ہیں، کوئی آدمی بیمار کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو رہا ہے[۱]۔ صبح کو جائے گا تو صبح سے لے کر شام تک ۷۰ ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے اور شام کو جائے گا تو شام سے لے کر صبح تک ۷۰ ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے[۲]۔ کتنا بڑا ثواب ہے اور پڑوسی کی عیادت کا ثواب تو اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔

پڑوسی کا دوسرا حق: اس کے جنازے کے ساتھ چلنا

اور اس حدیث میں پڑوسی کا دوسرا حق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا: وَإِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ: اگر پڑوسی مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلے۔ یہ بھی پڑوسی کا حق ہے۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ فَضْلِ الْعِيَادَةِ، رقم: ۶۵۸۳۔

(۲) سنن أبی داود، عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي فَضْلِ الْعِيَادَةِ عَلَى وُضُوءٍ، رقم: ۳۰۹۸۔

پڑوسی کا تیسرا حق: قرض مانگے تو قرض دینا

تیسرا حق پڑوسی کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَإِنِ اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ: اگر وہ آپ سے قرض مانگے، اس کو کچھ پیسوں کی ضرورت پڑ گئی تو اس کو قرض دیجیے، مدد کا محتاج ہے تو مدد کیجیے، اس کی تکلیف دور کیجیے اور اگر وہ تکلیف ایسی ہے کہ بھوک سے مر رہا ہے تو فقہاء نے قرض دینے کو واجب لکھا ہے۔

پڑوسی کا چوتھا حق: اس کے عیوب کو چھپانا

چوتھا حق بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ أَعْوَزَ سَتَرْتَهُ: اگر اس کی طرف سے کوئی غفلت اور کوتاہی کا معاملہ ہو تو پردہ پوشی کیجیے، اس کا عیب چھپائیے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ ہمیشہ پڑوسی کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور کوئی عیب نہ ہو تو بھی غلط سلط الزامات لگا کر دنیا بھر میں اس کو نشر کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ بغیر آپ کے ٹوہ لگائے ہوئے از خود پڑوسی کا کوئی عیب آپ پر ظاہر ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی پردہ پوشی کیجیے۔

پڑوسی کا پانچواں حق: خوشی کے مواقع پر مبارک بادی دینا

پانچواں حق بیان کرتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ: اور اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارک باد دیجیے۔ بیٹا پیدا ہوا تو پہنچ جائیے اور مبارک بادی دیتے ہوئے کہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بیٹا دیا ہے، مبارک ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو صحت وعافیت دے، عمر میں، رزق

میں برکت دے۔ اس کو کوئی عہدہ ملا تو مبارک باد دیں، کوئی اور خوشی کا موقع آیا تو اس کو مبارک باد دیجیے۔

پڑوسی کا چھٹا حق: مصیبت میں تسلی دینا

چھٹا حق بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ عَزَّيْتَهُ: اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو تسلی دیں: کسی کا انتقال ہو گیا، تجارت میں گھاٹا ہو گیا، کہیں دکان میں نقصان ہو گیا، کھیتی میں آگ لگ گئی، بچہ یا گھر کا کوئی اور فرد بیمار ہو گیا، کوئی اور پریشانی لاحق ہو گئی تو جا کر تسلی دیں۔

اپنے گھر کی دیوار کو اونچی کر کے پڑوسی کے لیے ہوا نہ روکیں

یہ چھے حقوق تو طبرانی کی روایت میں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔ آگے اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَلَا تَرْفَعْ بِنَاءَكَ فَوْقَ بِنَائِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيحَ: اور آپ اپنے گھر کی دیوار اونچی کر کے اس کی ہوا مت روکنا۔

گھر میں پکنے والی عمدہ چیز کی خوشبو سے پڑوسی کو تکلیف مت پہنچاؤ

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَلَا تُؤْذِهِ بِرِيحِ قِدْرِكَ إِلَّا أَنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا: اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کو تکلیف مت پہنچانا، البتہ اگر تم اس کو اس میں سے دینے والے ہو تو حرج نہیں۔ تمھارے یہاں کو کر میں کچھ پک رہا ہے اور اس کی آواز اور اس میں پکنے والے پکوان کی خوشبو پڑوسی تک پہنچ رہی ہے تو آپ ایسی کوشش

کیجیے کہ وہاں تک خوشبو نہ جائے اور اگر جا رہی ہے تو اس پڑوسی کو بھی اس میں سے کچھ دے دو[1]۔

جب سالن پکاؤ تو پانی کچھ زیادہ ڈالو

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی: إِذَا صَنَعْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيرَانِكَ فَأَصِبْهُمْ مِنْهُ بِمَعْرُوفٍ[2] کہ ابوذر! جب سالن پکاؤ تو اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال دو، شوربا کچھ زیادہ ہی بناؤ؛ تاکہ پڑوسی کی خبر لے سکو، ان کا خیال رکھو، دستور کے مطابق ان کو بھی اس میں سے کچھ دو۔

پڑوسیوں کی راحت رسانی کے لیے اپنی لذتوں کو قربان کرنے کی ضرورت ہے

دیکھو! یہاں یہ نہیں کہا کہ کچھ زیادہ گوشت ڈال دیا کرو، بخیل کی بھی رعایت کی، یہ نہیں کہا کہ آدھا کیلو پکاتے ہو تو ایک کیلو پکاؤ کہ شاید کچھ لوگ اس بات کو برداشت نہ کر پاتے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالی پانی کے اضافے کا حکم دیا کہ

---

[1] المعجم الكبير [دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة]: ۴۱۹/۱۹، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضي الله تعالى عنهم، رقم الحديث: ۱۰۱۴.

[2] الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، بَابُ يُكْثِرُ مَاءَ الْمَرَقِ فَيَقْسِمُ فِي الْجِيرَانِ، رقم الحديث: ۱۱۳.

اس میں کسی کے اوپر کچھ بوجھ بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب زیادہ پانی ڈالیں گے تو سالن ایسا لذیذ اور عمدہ نہیں بنے گا، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کے لیے اپنی لذتوں کو بھی قربان کرنے کی ضرورت ہے۔ بھائی! پڑوسی کی راحت رسانی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی قربانی بھی دے دیا کرو۔

جب کوئی پھل لاؤ تو پڑوسی کو بھی دو

ایک اور حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **وَإِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهُ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَأَدْخِلْهَا سِرًّا، وَلَا يَخْرُجُ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيظَ بِهَا وَلَدَهُ** کہ جب تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو پڑوسی کو بھی دو اور اگر دینے کا ارادہ نہیں ہے تو چھپا کر کے لاؤ؛ تاکہ اس کی نظر نہ پڑے، پڑوسی کے بچے دیکھ رہے ہوں، اس انداز سے مت لاؤ، اور اپنے بچوں کو تاکید کرو کہ اس پھل کو لے کر باہر نہ نکلے؛ تاکہ اس پھل کو دیکھ کر پڑوسی کے بچوں کی دل آزاری نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ آپ کے بچے وہ پھل لے کر باہر نکلیں اور ان بچوں کا منہ چڑاویں [1]۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے اسلاف نے تو اس پر بھی عمل کر کے دکھادیا ہے، ہمارے بزرگوں میں

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ تعالی عنهم، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۹۱۱۳.

ایک بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جو حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور ہیں اور راندیر میں ان کا مزار ہے، دیوبند کے رہنے والے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور ان کے متعلق ان کے اساتذہ کہتے تھے کہ یہ مادر زاد ولی ہیں اور ان کے خاندان کا یہی وطیرہ تھا۔

ان کے حالات میں ان کے متعلق لکھا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے مولانا زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون لکھا، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت والد کے ساتھ حضرت میاں صاحب کے پاس بعد العصر میری حاضری ہوئی، آم کا موسم تھا۔ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ مفتی صاحب آم چوسو گے؟ یوپی میں چوسے جانے والے آم کا زیادہ رواج تھا، اب تو اس کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے، اب تو لوگوں کو کاٹ کر کھائے جانے والے آم ہی اچھے لگتے ہیں، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہوتے تھے تو حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت آم اور وہ بھی آپ کے دستِ مبارک سے، بھلا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ میاں صاحب دو ٹوکرے لائے۔ ایک ٹوکرے میں دُھلے ہوئے آم تھے اور دوسرا خالی ٹوکرا۔ جو آم چوستے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بعد میں گُٹھلی اور چھلکا ڈالنے کے لیے بھی ایک برتن چاہیے، وہ لا کے رکھا اور آم کھائے گئے۔ حتیٰ کہ وہ آم کا ٹوکرا خالی ہو گیا اور گُٹھلی اور چھلکے والا بھر گیا۔

پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

اس کے بعد مفتی صاحب اس ٹوکرے کو اُٹھانے لگے: گُٹھلی، چھلکے والا ٹوکرا۔

میاں صاحب نے کہا: کیا کر رہے ہو؟ مفتی صاحب نے کہا کہ حضرت باہر پھینک کر آتا ہوں۔ میاں صاحب نے کہا: آپ کو پھینکنا نہیں آئے گا۔ مفتی صاحب نے کہا کہ پھینکنا بھی کوئی فن ہے؟ کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ جو آپ یہ فرما رہے ہیں۔ فرمایا: ہاں لاؤ! مجھے ٹوکرا دو۔ ٹوکرا دیا پھر انھوں نے گٹھلیاں الگ کیں، چھلکے الگ کیے، پھر اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ لے کر باہر نکلے۔ باہر نکل کر محلے میں ایک جگہ جا کر کونے میں کچھ چھلکے ڈالے اور تھوڑے دوسری جگہ پر ڈالے اور گٹھلیاں ایک جگہ پر ڈالیں پھر یوں فرمایا: مفتی صاحب! یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے کے رہنے والے غریب ہیں، ان میں سے بعض لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی پورے طور پر میسر نہیں ہوتی اور نہ یہ اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ پیسے خرچ کر کے آم لا کر کھا سکیں یا اپنے بچوں کو کھلا سکیں، یہ جو چھلکے میں نے ڈالے، اس محلے کی بکریاں عام طور پر یہاں بیٹھتی ہیں تو یہ چھلکے ان بکریوں کے کام آجائیں گے اور جہاں گٹھلیاں ڈالی ہیں، محلے کے بچے وہاں کھیلتے ہیں۔

آپ نے دیہاتوں میں دیکھا ہوگا کہ وہ گٹھلیاں سینکتے ہیں اور سینک کر کے کھا لیتے ہیں تو کہا کہ وہ ان کے کام آجائیں گے، ایسے باہر ڈال دیں گے تو ان محلے والوں کی جب نظر اتنے زیادہ چھلکوں اور گٹھلیوں پر پڑے گی تو ان کے دل میں یہ حسرت ہوگی کہ ہائے ہمارے پاس پیسے نہ ہوئے، ورنہ ہم بھی اپنے بچوں کو خرید کر کھلاتے اور خود بھی کھاتے تو ان کی اس حسرت اور ان کی اس تکلیف کا باعث میں بنتا، میں اس کو گوارہ نہیں کرتا۔ اندازہ لگائیے!۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: حالاں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ حضرت کے یہاں جو آم آتے تھے تو اکثر محلے کے بچوں کو بُلا بُلا کر حضرت کھلاتے تھے، حضرت تو خود دن بھر میں ایک دو آم کھاتے تھے مگر بچوں کو بلا کر اور آنے والے مہمانوں کو کھلایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اس کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ نبیؐ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے ان حضرات نے بتلا دیا، ہم تو خالی سنتے ہیں، جن چیزوں کی تاکید کی گئی ہے، ہم سے تو ان پر بھی عمل نہیں ہو پاتا۔

اپنا مکان سب سے اخیر میں بنوایا

ایک اور قصہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا لکھا ہے، مولانا زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ ہی لکھتے ہیں: حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکان کچا تھا، کچی دیواریں اور اوپر کھپریل (جس کو ہماری زبان میں نلیے کہتے ہیں، پُرانے قسم کا چھپرا) تھا، جن لوگوں نے ایسے گھروں میں رہائش کی ہے، وہ جانتے ہیں کہ بارش آنے سے اگر اس کی دیواریں کچی ہیں تو ان دیواروں کے اوپر کراٹھیاں وغیرہ لگا دینی پڑتی ہیں؛ تا کہ بارش کا پانی ٹپک کر کے اس دیوار کو خراب نہ کرے اور اوپر کھپریل وغیرہ ہوتے ہیں، اُس کو اتار کر اس کو صاف کر کے دوبارہ درست کرنا پڑتا ہے، ہر سال یہ کام کرنا ہوتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر ہر سال تقریباً چار سو روپیے خرچ ہوتے تھے تو میں نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت ہر سال اس میں اتنا خرچ ہوتا ہے، پندرہ بیس سالوں میں تو پکا نیا گھر بن جائے، آپ کیوں پکا مکان

نہیں بنا لیتے تو یہ سُن کر حضرت میاں صاحب فرمانے لگے کہ ہاں بھائی! آپ نے تو ایسی بات کہی کہ اس بڑے میاں کی عقل وہاں تک نہیں پہنچی، ہم کو یہ نہیں سوجھی اور پھر یوں کہا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے کے تمام رہنے والے غریب ہیں، ان کے مکان کچے ہیں، اگرچہ مجھ میں استطاعت ہے کہ میں اپنا مکان پکا بنا سکتا ہوں لیکن اگر میں اپنا مکان پکا بنالوں گا تو جن کے پاس پیسے نہیں ہیں، یہ تو نیا نہیں بنا سکیں گے تو ان کے دل میں حسرت رہے گی کہ ہائے! اگر ہمارے پاس پیسہ ہوتا ہم بھی اپنا مکان پکا بناتے اور اس حسرت کا ذریعہ میں بنوں گا، میں اس کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے تمام محلے والوں کی مالی حالت اچھی کردی اور سب کے مکان جب پکے بن گئے تو اخیر میں میاں صاحب نے اپنا مکان پکا بنوایا۔ یہ ہے پڑوسیوں کے حق کی رعایت۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا۔

پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے سے بچنے کا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت انگیز اہتمام

ایک اور واقعہ لکھا ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محلے کے قریب ایک مسجد تھی، وہاں مغرب کی نماز کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہیں نماز ادا فرماتے تھے، شام کو مغرب کی نماز کے

لیے جب تشریف لے جاتے تھے اور واپس تشریف لاتے تھے تو میں نے دیکھا کہ محلے کے اندر اس مسجد کے پاس ایک مکان آتا تھا بڑے دروازے والا تو اس مکان کے آنے سے پہلے حضرتؒ اپنے جوتے اتار دیا کرتے تھے اور وہاں سے ننگے پاؤں گذرا کرتے تھے، واپسی میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کس کا مکان ہے، اس لیے ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہے کہ اس مکان کے پاس آ کر آپ اپنے جوتے اتار دیا کرتے ہیں؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! چھوڑو!۔ میں نے جب بہت اصرار کیا تو جواب دیا کہ یہ ایک رنڈی کا مکان ہے، اس کی جوانی کے زمانے میں لوگ اس کے پاس کثرت سے آتے تھے اور ان کے آنے کا یہی وقت تھا۔ اب تو اس کی عمر ڈھل چکی، جوانی ختم ہو چکی مگر اس کے باوجود وہ بن سنور کر گاہکوں کے انتظار میں بیٹھتی ہے۔ اب کوئی جوتے پہن کر چل کر آئے گا تو اس کے جوتوں کی چاپ دور سے سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہوگی کہ کوئی آ رہا ہے اور جب وہ آگے بڑھ جائے گا تو اس کی وہ امید منقطع ہو جائے گی تو ہم کیوں اس کی غلط امید بندھنے کا ذریعہ بنیں، ایک تو یہ بات ہے اور دوسرا یہ کہ وہ امید منقطع ہو جائے گی تو اس کے دل کو تکلیف ہوگی۔ جو بھی ہے، ہماری پڑوسن ہے، ہم اس کی تکلیف کا باعث کیوں بنے!، ذرا اندازہ تو لگاؤ۔

یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو باقاعدہ عملی جامہ پہنا کر کے ہمیں دکھلا دیا، ہمارے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔ یہ ہے ''وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا''، یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

پڑوسی کی تحقیق

ایک بات یہ بھی یہاں یاد رکھئے کہ پڑوسی کس کو کہتے ہیں؟ خالی اسی کو پڑوسی نہیں کہتے کہ آپ کے مکان کی دیوار اور اس کے مکان کی دیوار ایک ہو، ہم تو اسی کو پڑوسی سمجھتے ہیں بلکہ پڑوس چالیس مکانوں تک ہے، کئی روایتیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنها کی بھی روایت ہے [۱]، حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنه سے منقول ہے: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَهُوَ جَارٌ: جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک پڑوس ہے [۲]، بعضوں نے کہا کہ چاروں طرف دس دس مکانات [۳] اور بعضوں نے کہا کہ چاروں طرف چالیس چالیس مکانات پڑوس

---

①وَرُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَدُّ الْجِوَارِ قَالَ أَرْبَعُونَ دَارًا.
(التلخيص الحبير [الناشر: دار الكتب العلمية]: ۳/۲۰۱، كِتَابُ الْوَصَايَا، رقم الحديث: ۱۴۲۷.

②فتح الباري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۰/۴۴۷، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ)

③عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَوْصَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْجَارِ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا، عَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا " قَالَ إِسْمَاعِيلُ: عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، وَقُبَالَهُ وَخَلْفَهُ. (السنن الكبرى للبيهقي [الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنات]: ۶/۴۵۱، بَابُ الرَّجُلِ يَقُولُ: ثُلُثُ مَالِي إِلَى فُلَانٍ يَضَعُهُ حَيْثُ أَرَاهُ اللهُ، رقم الحديث: ۱۲۶۱۲)

ہے، آپ کا مکان جہاں ہے، وہاں سے مشرق میں چالیس مکانات، مغرب میں چالیس مکانات، جنوب میں چالیس مکانات، شمال میں چالیس مکانات۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے[1] بلکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ چالیس مکانات تک پڑوس ہے[2]۔ اسی لیے قرآن میں ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ کہا گیا کہ ایک پڑوسی وہ ہے جو آپ سے بالکل لگا ہوا ہے اور ایک پڑوسی وہ ہے جو لگا ہوا نہیں ہے، دور ہے لیکن ہے وہ بھی پڑوسی، آپ کے محلے میں رہتا ہے، وہ آپ کا پڑوسی کہلائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوں، وہ پڑوسی ہیں[3]، کیوں کہ دن میں تو عام طور پر لوگ کاروبار میں ہوتے ہیں، الگ الگ جگہ نماز پڑھتے ہیں، فجر کی نماز آدمی عام طور پر اپنے محلے کی مسجد میں پڑھتا ہے، اس لیے جو فجر کی نماز میں آپ کے ساتھ ہے، وہ آپ کا پڑوسی ہے۔

---

(۱) عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَارِ، فَقَالَ: أَرْبَعِينَ دَارًا أَمَامَهُ، وَأَرْبَعِينَ خَلْفَهُ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَمِينِهِ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَسَارِهِ. (الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۱، بَابُ الْأَدْنَى فَالْأَدْنَى مِنَ الْجِيرَانِ، رقم الحديث: ۱۰۹)

(۲) المعجم الكبير [دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة]: ۱۹/۷۳، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، رقم الحديث: ۱۴۳.

(۳) وَقِيلَ مَنْ صَلَّى مَعَكَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْمَسْجِدِ فَهُوَ جَارٌ. (فتح الباري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۰/۴۴۷، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ)

تو پڑوسی صرف وہ نہیں ہے جس کے گھر کی دیوار آپ کے گھر کے ساتھ لگی ہوئی ہے بلکہ پڑوسی کی حقیقت یہ ہے جو ابھی بیان کی گئی اور ہم تو اتنے قریبی پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کے ساتھ نہیں رہتے تھے، کبھی تو سالہا سال گذر جاتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ پڑوس میں کون رہتا ہے۔

ایک اجنبی پڑوسی کی شکایت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اعلانِ عام

ایک مرتبہ باہر کا رہنے والا ایک آدمی مدینہ منورہ میں ایک جگہ آکر قیام پذیر ہوا، کچھ دنوں کے بعد اس نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول! میں تو اجنبی آدمی ہوں، پردیسی آدمی ہوں، یہاں آکر کے ٹھیرا ہوں، میرے ساتھ جو آدمی بالکل میرے قریب میں رہتا ہے، وہ مجھے بڑی تکلیف پہنچاتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، ان حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو کہا کہ اعلان کردو: أَلَا إِنَّ أَرْبَعِينَ دَارًا جَارٌ کہ چالیس گھروں تک پڑوس ہے [1]۔

یعنی ان کے حقوق کی رعایت کرو، ان کو تمھاری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔

دو پڑوسی میں سے کون سا پڑوسی حسنِ سلوک کا زیادہ حق دار ہے؟

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضى الله تعالى عنهم، رقم الحديث: ۱۴۳۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے پڑوسی ایک سے زیادہ ہیں تو سبھی حسنِ سلوک کے حق دار ہیں لیکن زیادہ حق دار ان میں کون سا پڑوسی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ کہ اے اللہ کے رسول! کہ میرے دو پڑوسی ہیں، اگر میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے کہ میں کسی ایک ہی گھر میں بھیج سکتی ہوں تو کون سے پڑوسی کو دوں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا کہ: جس کا دروازہ قریب ہو[۱]۔

ہم تو یوں سمجھتے ہیں کہ جس کا مکان ہمارے مکان کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ پڑوسی کہلاتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ شریعت کی نگاہوں میں پورا محلہ آپ کا پڑوسی ہے۔

وہ پڑوسی مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کر کھائے اور....

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ کہ وہ پڑوسی مؤمن نہیں کہ جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو[۲]۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالى عَنْهَا، كِتَابُ الشُّفْعَةِ، بَابٌ: أَيُّ الجِوَارِ أَقْرَبُ؟، رقم الحديث: ۲۲۵۹.

(۲) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالى عنهما، بَابٌ لَا يَشْبَعُ دُونَ جَارِهِ، رقم الحديث: ۱۱۲.

جس نے پڑوسی کو ستایا، اس نے مجھے ستایا اور جس نے......

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور ان کی ایذارسانی اور ان کو تکلیف پہنچانے پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ آذَى جَارَهُ فَقَدْ آذَانِي، وَمَن آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ حَارَبَ جَارَهُ فَقَدْ حَارَبَنِي، ومن حاربني فَقَدْ حَارَب الله[1]: جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور اس کے بعد فرمایا کہ جو پڑوسی سے لڑا، وہ مجھ سے لڑا اور جو مجھ سے لڑا، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے لڑا۔ جو اللہ تعالیٰ سے لڑے گا، بھلا اس کا کیا بنے گا، کیسے وہ پنپ سکتا ہے، کیسے وہ کامیاب ہو سکتا ہے؟۔

پڑوسیوں سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر کا عظیم اجر

اور اگر آپ کو پڑوسی کی طرف سے ایذائیں پہنچ رہی ہیں تو صبر کرو، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رَجُلٌ لَهُ جَارُ سَوْءٍ يُؤْذِيهِ فَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُ حَتَّى يَكْفِيَهُ اللهُ، إِمَّا بِحَيَاةٍ وَإِمَّا بِمَوْتٍ کہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو بہت

---

[1] جمع الجوامع المعروف بـ »الجامع الكبير« [الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية]: ۸/۳۳۵، عن أنس رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۲۰۰۷۵.

محبوب رکھتے ہیں جو پڑوسی کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کو برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے، اس لیے کہ موت ہر تکلیف کا خاتمہ کرنے والی ہے[1]۔ کب تک تکلیف پہنچائے گا، ہم مریں گے، ختم ہو جائیں گے، وہ مرے گا تو بھی تکلیفیں ختم ہو جائیں گی، اس لیے صبر کرو۔

ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی کو تکلیف پہنچانے کا زمانۂ نبوی کا دلچسپ واقعہ

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایک آدمی نے آ کر اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کی شکایت کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ صبر کرو اور اپنی طرف سے اس کو تکلیف مت پہنچاؤ، دوبارہ آیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی تاکید کی اور صبر کی تلقین فرمائی، تیسری مرتبہ آیا کہ اے اللہ کے رسول! بہت تکلیف پہنچاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر صبر کی تلقین فرمائی پھر آیا تو فرمایا کہ اچھا! اپنے گھر کا سارا سامان گھر سے باہر نکال کر رکھ دو۔ چنانچہ اس نے اپنے گھر کا سارا سامان باہر سڑک پر لا کر رکھ دیا، اب لوگ گذر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا پڑوسی مجھے بہت تکلیف پہنچاتا تھا تو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی فریاد کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا سامان لا کر کے باہر رکھ دو تو میں نے اس پر عمل کیا، یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۹۱۰۲.

بڑا ہی نالائق آدمی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے نمٹے۔ اب جو بھی آتا ہے، اس کو اسی طرح لعنت ملامت کرتا ہے اور لوگوں کی یہ لعنتیں سن کر کے یہ پڑوسی خوب پیچ وتاب کھا رہا ہے، حیران و پریشان ہے، اس نے آ کر کے نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے لوگ بہت ہی زیادہ لعنت وملامت کرر ہے ہیں، اس پر نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی لعنت تو بعد میں پڑی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت تجھ پر اس سے پہلے پڑی ہے، اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں تو حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ بھائی! اپنا سامان گھر کے اندر رکھ دو اور اس پڑوسی نے کہا کہ آئندہ میں تجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا[1]۔ یہ بھی ایک تدبیر ہے پڑوسی کی تکلیف سے نجات پانے کی۔

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری اکبرالکبائر ہے

نیز پڑوسی کی عزت اور آبرو کا بھی خیال رکھنا اور حفاظت کرنا ضروری ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ». قُلْتُ: إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيمٌ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ». کہ: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحدیث: ۹۱۰۰، مختصرا من المطول۔

کو پیدا کیا۔ سائل نے پوچھا کہ پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو فرمایا کہ پھر یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مارو کہ وہ تمھارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے بچوں کو اس لیے مار دیتے تھے کہ کون ان کو کھلائے گا۔ آج بھی یہ نظریہ پایا جاتا ہے، اتنا ہے کہ آج باہر آنے ہی نہیں دیتے، وہ لوگ باہر آنے کے بعد مارتے تھے اور یہاں آنے ہی نہیں دیتے تو فرق کچھ زیادہ نہیں ہے۔

سائل نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو فرمایا: أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا معاملہ کرو۔ یہ اکبر الکبائر ہے۔

''تُزَانِيَ'' فرمایا، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی میں بابِ مفاعلہ سے ہے جس میں دونوں طرف سے معاملہ پایا جاتا ہے، گویا اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ معاشقہ کیا، پریم کیا اور اس کے بعد یہ نوبت پہنچی، ایک تو یہ کہ خالی زنا کیا ہوتا اور یہاں پہلے پریم کیا تو گویا اس نے اس عورت کا دل اپنے شوہر کی طرف سے ہٹا دیا، اس طرح تم نے اس کی گھریلو زندگی ہمیشہ کے لیے برباد کردی۔

اور زنا ویسے بھی حرام ہے اور پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کی قباحت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ تو پڑوسی ہونے کی وجہ سے آپ سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس کی عزت پر غلط نگاہ ڈال رہا ہے تو آپ اس کی حفاظت کے لیے آگے آئیں گے، اس کے بہ جائے آپ خود اس کی عزت کو لوٹ رہے ہیں، یہ تو بہت خطرناک معاملہ ہے۔

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا اور اس کے گھر سے چوری کا وبال عام زنا اور چوری سے دس گنا زیادہ ہے

اسی لیے ایک دوسری روایت میں ہے: لَأَنْ يَزْنِي الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَزْنِي بِامْرَأَةِ جَارِهِ کہ جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے تو یہ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے، پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کا وبال دس عورتوں کے ساتھ زنا سے بھی زیادہ ہے اور پڑوسی کے گھر چوری کرنے کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَلَأَنْ يَسْرِقَ مِنْ عَشْرَةِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَسْرِقَ مِنْ بَيْتِ جَارِهِ: پڑوسی کے گھر سے کوئی چیز چرانا دس گھروں سے چرانے سے زیادہ خطرناک ہے[1]۔

یہ آدمی آپ کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے اس بات کا حق دار تھا کہ آپ اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے، چہ جائے کہ آپ اس کے ساتھ ایذا رسانی والا سلوک کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ عالیہ پر عمل کی اور پڑوسیوں کے حقوق کو ادا کرنے اور ان کی ایذا رسانیوں سے بچنے کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

(۱) المعجم الأوسط للطبرانی، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم: ۶۳۳۳۔

أفشوا السلام بينكم (الحديث)

سلام کیجیے عام

اقتباس

مسلم شریف کی روایت جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایمان لاؤ، اور تم ایمان نہیں لا سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت کرنے لگو۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جو آپس میں محبت پیدا کرتی ہے؟ آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ۔

جب آپس میں سلام کا رواج ہوگا تو دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو بھوسا بھرا ہوا ہے، بات بات پر جو لڑائیاں ہوتی ہیں، یہ سارا کھیل بھی إن شاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی آبادی محبت کا نمونہ بن جائے گی۔ سب طے کرلو، وعدہ کرلو کہ سلام کا اہتمام کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد: فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمٰن الرحيم.

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا﴾[النساء:۸۶]

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ①. وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»②.

---

① صحيح البخاری، بَابٌ: إِفْشَاءُ السَّلاَمِ مِنَ الإِسْلاَمِ، رقم الحديث: ۲۸.

② صحيح مسلم، بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ، وَأَنَّ مَحَبَّةَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْإِيمَانِ، وَأَنَّ إِفْشَاءَ السَّلَامِ سَبَبًا لِحُصُولِهَا، رقم الحديث: ۹۳/۵۴)

دنیا کے تمام مذاہب وملل میں آپسی ملاقات کے وقت ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جو محبت پر دلالت کرنے والے ہوں، جیسے: ہندوستان میں غیر مسلم آپس میں نمستے، نمسکار، رام رام بولتے ہیں، سکھ لوگ ست سری اکال بولتے ہیں۔ مغربی قوموں میں مختلف اوقات میں مختلف الفاظ کہے جاتے ہیں۔ جیسے:

Good Morning، Good Afternoon، Good Evening، Good Night.

سلام کی ابتدا روزِ اول سے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم اہلِ اسلام کو آپسی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو کہنے کے لیے جو کلمہ عطا فرمایا ہے، وہ ایسالا جواب ہے کہ اس میں محبت بھی ہے اور محبت کے حق کی ادائیگی بھی ہے، اور وہ کئی دعاؤں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ وہ کلمہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" ہے۔

بخاری شریف میں ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا، ان کا جسم ساٹھ گز کا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح ڈالی اور وہ کھڑے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: فرشتوں کی جماعت وہاں بیٹھی ہوئی ہے، ان کو سلام کرو، اور وہ کیا جواب دیتے ہیں، وہ سنو! یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔ چناں چہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ان سے جا کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فرشتوں نے جواب دیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ۔[1] گویا روزِ اول

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ بَدْءِ السَّلَامِ، رقم الحدیث: ۶۲۲۷.

سے سلام کی شروعات ہو چکی ہے۔ اور وَبَرَکَاتُہٗ کے اضافے کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں سلام کا ذکر

اسی طرح باری تعالیٰ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اوران کے مہمانوں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝﴾ [الذاریات] (اے پیغمبر! کیا ابراہیم (علیہ الصلوۃ والسلام) کے معزز مہمانوں کا واقعہ تمھیں پہنچا ہے؟ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آئے تو انھوں نے سلام کہا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی سلام کہا)۔

اس آیت میں باری تعالیٰ بتلانا چاہتے ہیں کہ سلام کا یہ طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے درمیان بھی جاری فرمایا تھا۔

سلام کی مشروعیت کا پس منظر

زمانۂ جاہلیت میں ہوتا یہ تھا کہ ایک آدمی اِدھر سے آرہا ہے اور دوسرا آدمی اُدھر سے آرہا ہے تو ہر ایک دوسرے سے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ پتہ نہیں یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا: کہیں میری جان پر حملہ نہ کردے، کہیں میری عزت آبرو نہ لوٹ لے، مجھ سے میرا مال نہ چھین لے۔ ہر ایک اس طرح دوسرے سے ڈر رہا ہے، خطرہ اور اندیشہ محسوس کر رہا ہے۔ اسلام نے آکر کے سلام کا رواج دیا اور اس کے ذریعہ سامنے

والے کو اطمینان دلادیا کہ میں خود تو کیا تجھ پر حملہ کرتا، خود تو کیا تیرے مال کو چھین لیتا، خود تو کیا تیری عزت اور آبرو پر ہاتھ ڈالتا، میں تو تیری سلامتی کے لیے اللہ سے دعا کرتا ہوں، میں تو تیرے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر اپنی رحمتیں اور اپنی برکتیں نازل فرمائے۔ اس جملے کو سن کر سامنے والے کو جو اطمینان اور سکون حاصل ہوسکتا ہے، اس کا آپ اندازہ نہیں لگاسکتے۔

باہمی سلام کی اہمیت

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سلام کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآنِ پاک میں بھی آیاتِ استیذان میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور حضراتِ محدثین اپنی کتابوں میں مستقل ''کتاب الاستیذان'' کا عنوان قائم کرکے اس کی تفصیلات لاتے ہیں کہ سلام کس طرح شروع ہوا؟ سلام کون کرے گا؟ کن الفاظ میں کرے گا؟ کون پہل کرے؟ کس طرح جواب دیا جائے؟ اس میں کتنے کلمات ہوں؟ ایک کلمے سے کرے گا تو کتنی نیکیاں ملیں گی؟ دو کلموں سے کرے گا تو کتنی نیکیاں ملیں گی؟ یہ ساری تفصیلات موجود ہیں۔

الفاظِ سلام کی تشریح

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ '' کا مطلب ہے: ''تم پر سلامتی ہو''۔ یعنی سلام کرنے والا سامنے والے کو دعا دیتا ہے، یہ دعا کسی وقت کے ساتھ محدود نہیں ہے صَبَاحَ الْخَیْر، مَسَاءَ الْخَیْر، Good Morning، Good Night جیسے الفاظ میں تو تھوڑے سے

وقت (صبح، دوپہر، شام، رات) کے لیے دعا دی جاتی ہے، یہاں تو مطلقاً سلامتی کی دعا ہے۔ اور پھر آگے وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ (اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تمھیں حاصل ہوں) تین تین دعائیں دی جاتی ہیں۔

نیز سلامتی کی دعا دینے والا دعا دینے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے سامنے والے کو مطمئن کررہا ہے، کہ میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف، اذیت یا نقصان تمہاری جان، مال، عزت و آبرو کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو آدمی تمھیں سلامتی کی دعا دے رہا ہو، بھلا وہ کیا ایسی حرکت کرسکتا ہے جس سے آپ کی جان، مال، عزت و آبرو پر کوئی آنچ آئے؟ پھر آگے اللہ کی رحمت کی بھی دعا کررہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت بھی کسی کو حاصل ہوگئی تو وہ بیڑا پار کردیتی ہے، پوری زندگی کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔

جمع کا صیغہ کیوں؟

جو آدمی سلام کی ابتداء کرے، وہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" کہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے، چاہے وہ ایک ہو، یا زیادہ؛ "عَلَيْكُمْ" جمع کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ حالاں کہ "عَلَيْكُمْ" عربی زبان کے اندر جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے باوجود اگر سامنے ایک آدمی ہے، تب بھی "عَلَيْكُمْ" ہی کہیں گے، "عَلَيْكَ" نہیں کہیں گے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک ہونے کی صورت میں بھی جمع کا صیغہ تعظیم و تکریم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ہماری بول چال میں ایک آدمی ہو، تب بھی ''تم'' بولتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ فرشتے بھی موجود ہیں جو اس کے اعمال لکھتے ہیں، جن کے متعلق روایتوں میں صراحتاً موجود ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے اعمال لکھنے کے واسطے مقرر کیے گئے ہیں، ایک نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا گناہ لکھتا ہے[۱]۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے فرشتے ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ اس لیے آدمی جب بھی سلام کرے اور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہے تو اس صورت میں صرف اس انسان ہی کی نیت نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان فرشتوں کی بھی نیت کرلے جو اس کے ساتھ نامۂ اعمال لکھنے اور اس کی حفاظت کے لیے لگے ہوئے ہیں[۲] اور ظاہر ہے کہ جیسے وہ جواب دیتا ہے، ایسے ہی فرشتے بھی جواب دیں گے اور فرشتوں کی دعا مل جائے گی اور ان کی دعائیں تو مقبول ہوتی ہیں۔ اس لیے سلام میں ان کی بھی نیت کا خیال رکھے۔

جیسے: آدمی جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو پہلے دائیں طرف "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

---

(۱) الفتح الكبير في ضم الزيادة إلى الجامع الصغير [الناشر: دار الفكر - بيروت/لبنان]: ۲/۱۷۷، عَن أبي أُمَامَة رضى الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۷۱۹۳.

(۲) وَفِي الدُّرِّ الْمُخْتار: وَيُسَلِّمُ عَلَى الْوَاحِدِ بِلَفْظِ الْجَمَاعَةِ. قال الشامى: لِأَنَّ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ فَكُلُّ وَاحِدٍ كَأَنَّهُ ثَلَاثَةٌ. (رد المحتار على الدر المختار [الناشر: دار الفكر - بيروت]: ۶/۴۱۴، فَصْلٌ فِي الْبَيْعِ)

وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ" کہہ کر سلام پھیرتا ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ اس وقت اس کو یہ نیت ضرور کرنی چاہیے کہ میری داہنی طرف جتنے بھی لوگ صفوں میں ہیں (اگر امام بھی دائیں طرف ہو تو اس کی مستقل نیت کرے) اور ساتھ ہی ساتھ جتنے بھی فرشتے دائیں طرف ہیں، ان سب کو سلام کرتا ہوں، اس صورت میں جتنے بھی آدمیوں اور فرشتوں کی اس نے نیت کی ہوگی، ان تمام کو سلام کرنے کا اجر وثواب ملے گا۔ اسی طرح جب بائیں طرف سلام پھیرے، تو جتنے لوگ بائیں طرف اگلی اور پچھلی صفوں میں ہیں، (اور اگر امام بائیں طرف ہے تو امام کے لیے مستقل نیت کرے) اور ساتھ ہی ساتھ جتنے بھی فرشتے اس طرف ہیں، ان تمام کے لیے بھی سلام کی نیت کرے [۱]۔ تو جمع کا جو صیغہ لایا گیا ہے، اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی بھی نیت کر لی جائے۔

اور جواب دینے والا جواب میں "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ" کہے، یعنی "واوٗ" بڑھائے۔ اور "عَلَيْكُمْ" کو لفظ "السَّلَامَ" پر مقدم کرے۔ شریعت نے سلام کرنے اور جواب دینے کے لیے یہی طریقہ سکھایا ہے اور جواب دینے والا بھی وہی نیت کرے کہ میں اس کو سلام کر رہا ہوں اور جو فرشتے اس کے ساتھ لگے ہوئے

---

(۱) والالتفات يمينا ثم يسارا بالتسليمتين ونية الإمام الرجال والحفظة وصالح الجن بالتسلمتين في الأصح ونية المأموم إمامه في جهته وإن حاذاه نواه في التسليمتين مع القوم والحفظة وصالح الجن ونية المنفرد الملائكة فقط.(نور الایضاح، ص: ۲۱)

ہیں، ان کو بھی سلام کر رہا ہوں۔

سلام، دعا بھی نیکی بھی

ابوداود شریف کی روایت ہے: نبیٔ کریم ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، ایک آدمی نے آ کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، نبیٔ کریم ﷺ نے جواب دیا، وہ بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: عَشْرٌ (دس)۔ پھر دوسرا آدمی آیا، اس نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کا بھی جواب دیا، وہ بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: عِشْرُوْنَ (بیس)۔ پھر تیسرا آدمی آیا، اس نے آ کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کا بھی جواب دیا، وہ بیٹھ گیا، آپؐ نے فرمایا: ثَلَاثُوْنَ (تیس)[1]۔

جس نے صرف السلام علیکم کہا، اس کو دس نیکیاں ملیں، جس نے "ورحمة الله" کا اضافہ کیا، اس کو بیس نیکیاں ملیں اور جس نے "وبرکاته" کا بھی اضافہ کیا تو اس کو تیس نیکیاں ملیں۔ یہ ایک سلام کے ساتھ دعا بھی ہے، نیز ثواب، نیکی اور اجر بھی ہے۔ یہی حال جواب دینے والے کا بھی ہے۔

بہتر الفاظ میں جواب دو......!!!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ﴾[النساء: ۸۶] (جب تمھیں کوئی سلام کرے تو تم اس

---

① سنن أبی داود، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی الله تعالی عنهما، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ كَيْفَ السَّلَامُ؟، رقم الحديث: ۵۱۹۵.

سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو، یا کم از کم انہیں الفاظ کو لوٹا لو) بہتر الفاظ میں جواب دینے کا طریقہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلا دیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صحابی آئے اور کہا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ”وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ“ اس نے تو صرف السلام علیکم کہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔

دوسرے صحابی آئے اور انہوں نے کہا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ”وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اس نے دو لفظوں میں سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین میں جواب دیا۔ جب کوئی سلام کرے تو اس نے جن الفاظ میں سلام کیا ہے، اس سے بہتر الفاظ میں جواب دینے کا مطلب یہی ہے اور اگر بہتر الفاظ میں ممکن نہ ہو تو اسی کو لوٹا دو۔

تیسرے صحابی آئے اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ یا وَعَلَيْكُمْ۔ انھوں نے فریاد کی کہ اے اللہ کے رسول! پہلے شخص نے ایک لفظ میں سلام کیا تو آپ نے دو لفظوں میں جواب دیا، دوسرے نے دو لفظوں میں سلام کیا تو آپ نے تین لفظوں میں جواب دیا۔ اور میں نے جب تین لفظوں میں سلام کیا تو آپ نے صرف وعلیکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے ہمارے لیے رہنے ہی کیا دیا؟ سلام میں تین ہی دعائیں ہیں اور وہ تینوں دعائیں تم نے دے دیں، اب میں بڑھا کر دوں گا تو کیا دوں گا؟ اس لیے میں نے صرف

وَعَلَيْكُمْ کہا۔ اس حدیث کو نقل کر کے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سلام کے کلمات میں تین سے زائد کی گنجائش نہیں ہے، اگر ہوتی تو آپ ﷺ جواب دیتے [۱]۔

ومغفرته، ورضوانه کا اضافہ:

بعض لوگ وَمَغْفِرَتُهُ، وَرِضْوَانُهُ کا بھی اضافہ کرتے ہیں، یہ درست نہیں؛ سنت سے ثابت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ سلام ''وبرکاتہ'' پر ختم ہوجاتا ہے [۲]۔ اس سے زیادہ کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو درست کرلیں۔ لفظ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نام زمین پر اسی لیے اتارا؛ تاکہ لوگ آپس میں سلام کریں [۳]۔

کون کس کو سلام کرے......؟

آپ ﷺ نے صرف سلام کا طریقہ ہی نہیں بلکہ سلام سے متعلق جزئیات کو بھی ذکر فرمایا۔ چناں چہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے: آپ

---

(۱) تفسير ابن كثير [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۲/۳۲۵، في تفسير قوله تعالى: "وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا".

(۲) الموطا للإمام مالك [الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان]، رقم الحديث: ۳۵۲۵.

(۳) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۳۴۳، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنه، رقم الحديث: ۹۸۹.

ﷺ فرماتے ہیں کہ سوار شخص پیدل چلنے والے کو سلام کرے، پیدل شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے، چھوٹا بڑے کو سلام کرے [۱]۔

جب راستہ میں دو آدمی ملاقات کر رہے ہیں اور ان کا آمنا سامنا ہو رہا ہے، ان میں ایک پیدل ہے اور دوسرا گھوڑے، یا اسکوٹر یا اور کسی سواری پر سوار ہے؛ تو ادب یہ ہے کہ سوار آدمی پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ چوں کہ سواری کی وجہ سے اس کی حالت پیدل چلنے والے کے مقابلہ میں ذرا اونچی ہے تو اس خیال سے کہ شاید سواری پر بیٹھنے کی وجہ سے اس کا دماغ آسمان پر نہ پہنچ گیا ہو، اس کو نیچے اتارنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کو سلام کرو۔ یوں نہ سمجھو کہ میں قیمتی موٹر میں سوار ہوں اور وہ فٹ پاتھ (Footpath) پر چل رہا ہے تو وہ مجھے سلام کرے؛ میں اسے کیوں سلام کروں؟ شریعت اس کو تواضع سکھا رہی ہے، اس لیے اس کو مکلف کیا گیا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اگر وہ سلام نہ کرے تو پیدل چلنے والا یوں کہے کہ اس نے سلام نہیں کیا تو میں بھی سلام نہیں کرتا۔ نہیں بھائی! اگر اس نے نہیں کیا؛ تو اب آپ اس کو سلام کر لیجیے۔ جو سلام میں پہل کرے گا، اس کو فضیلت حاصل ہوگی۔

اور ایک ادب یہ بتایا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا وہاں سے گذر رہا ہے تو چوں کہ گذرنے والا آنے والے کے حکم میں ہے، جیسے: کوئی آدمی مکان میں داخل ہو تو داخل ہونے والے کو چاہیے کہ جو لوگ مکان میں پہلے سے موجود ہیں، ان کو سلام کرے،

---

(۱) صحیح البخاری، كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ تَسْلِيمِ الرَّاكِبِ عَلَى المَاشِي، رقم: ۶۲۳۲.

اسی طرح چلنے والا بھی بیٹھنے والے کے حق میں ایسا ہی ہے کہ وہ آ رہا ہے اور یہ پہلے سے موجود ہے؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اِدھر سے آنے والوں کی تعداد زیادہ ہے، اور اُدھر سے آنے والے دو تین آدمی ہیں تو دو تین آدمیوں کو چاہیے کہ بڑی جماعت کو سلام کرے، اس لیے کہ بڑی جماعت کا زیادہ حق ہے۔

اور جو عمر یا مقام و مرتبہ کے اعتبار سے چھوٹا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا فرض ہے کہ بڑے کی تعظیم اور ادب بجا لائے اور تعظیم و ادب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو سلام کرے، لیکن اگر چھوٹے نے سلام نہیں کیا تو بڑے کو چاہیے کہ اس کو سلام کرے؛ تاکہ سنت پر بھی عمل ہو جائے اور بچوں کی تربیت بھی ہو جائے۔

بچوں کو سلام……

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو ان کو بھی سلام کرتے[1]۔ بچوں کو سلام کرنے سے ایک تو آدمی میں تواضع آتی ہے، دوسرا یہ کہ ان بچوں کی تربیت بھی ہو جاتی ہے، وہ سیکھتے ہیں کہ سلام کس طرح کیا جانا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بڑے مقام، عظیم مرتبہ اور عظمت کے باوجود اس بات کا اہتمام کرتے تھے؛ تو ہمیں تو اور زیادہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دیکھو! بچوں کی ایک عادت ہے کہ اگر آپ دو دن تک ان کو سلام کریں گے

---

[1] صحیح البخاری، کِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ، رقم: ۶۲۴۷.

اور وہ جواب دیں گے تو تیسرے دن وہ آپ کو سلام کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ سے پہلے ہی وہ آپ کو سلام کر دیں گے۔ بچوں کی تربیت کا تقاضا ہے کہ ان کو سلام کیا جائے۔

رات کے وقت سلام کا ادب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ دن یا رات کے کسی بھی وقت جب گھر میں تشریف لاتے تو ایسی آواز میں سلام کرتے کہ اگر کوئی سو رہا ہو، تو اس کی نیند میں کوئی خلل نہ آئے اور اگر بیدار ہو تو وہ سن لے [1]۔

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت موجود ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ رات کو تشریف لاتے (اور ہم لوگ سو گئے ہوتے) تو آپ ﷺ ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ اگر کوئی سویا ہوا ہوتا تو اس کی نیند میں خلل نہ آتا اور جو بیدار ہوتا، وہ سن لیتا۔

ان روایات میں معاشرت کا ایک ادب سکھایا ہے کہ آدمی جب کہیں باہر سے رات کے وقت اپنے گھر میں آئے اور گھر کے لوگ یا کمرے کے ساتھی سو چکے ہوں؛ تو اس کو چاہیے کہ گھر کا دروازہ اس انداز سے کھول کر گھر میں داخل ہو، سلام کرے، اپنا بستر ٹھیک کرے اور دوسری اپنی ضرورتیں پوری کرے کہ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

---

(۱) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الِاسْتِئْذَانِ وَالْآدَابِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ كَيْفَ السَّلَامُ، رقم الحدیث: ۲۸۱۹.

نیند خراب کرنا حرام ہے

بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ شور مچاتے ہوئے آتے ہیں اور صرف اپنے گھر اور کمرے والوں ہی کی نہیں بلکہ پڑوسیوں تک کی نیند خراب کر ڈالتے ہیں؛ یہ بالکل غلط طریقہ ہے جو جائز نہیں۔ یہ تو لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہوا اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہمیں یہ طریقہ بتلایا کہ آپ جب ایسے وقت آئیں تو آپ کو ایسا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ جو بیدار ہوں، ان کو سلام کی آواز پہنچ جائے؛ تاکہ ان کا حق ادا ہو جائے اور جو سو رہے ہوں، ان کی نیند میں کوئی خلل نہ ہو، اس طرح ان کی بھی رعایت ہو جائے گی۔ یہ آدابِ معاشرت میں سے ہے اور اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ سلام؛ جس کی شریعت میں بہت زیادہ تاکید ہے اور جو سامنے والے کے لیے دعا کا لفظ ہے، اس کے اندر بھی اتنا اہتمام کیا گیا تو دیگر چیزوں میں تو کتنا زیادہ لحاظ کیا جانا چاہیے۔

بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے وقت زور زور سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ بجاتے ہیں، اگر چھٹی کا دن ہوا تو رات بھر کھیلتے ہیں اور ایسا شور مچاتے ہیں کہ پورے محلے والوں کی نیند خراب کر ڈالتے ہیں۔ حالاں کہ سونے کے اوقات میں ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنے کی شریعت کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتی جس سے کسی کی نیند خراب ہو، اس لیے کہ کسی کی نیند خراب کرنا حرام ہے۔

آج ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو بھلا چکے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے

معاشرے میں دورِاول کی خوبیاں، کمالات، اوصاف اور برکات باقی نہیں رہیں۔

سلام کا درجہ ومرتبہ

بعض طاعتیں اور عبادتیں ایسی ہیں جو اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ جن کو کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو دوسری عبادت اور طاعت کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ان ہی اصولی عبادتوں میں سلام بھی ہے، جس کا اہتمام کرنے سے دوسری عبادتیں اور طاعتیں من جانب اللہ آسان ہو جاتی ہے۔

باہمی محبتیں کیسے پیدا ہوں؟

ابھی میں نے آپ کے سامنے مسلم شریف کی ایک روایت نقل کی۔ حضرت ابوہریرہؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: **لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ**: تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان والے نہیں بن سکتے، یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہ کرو؟ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم وہ کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

أَفْشُوا السَّلَام پر عمل کیسے؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سلام کو پھیلانے'' کا حکم دیا۔ مطلب یہ ہے کہ **۱** سلام کرو، **۲** زور سے کرو، **۳** اور ہر ایک کو کرو؛ تب ہی أفشوا السلام والے حکم پر عمل

ہوگا۔

اب کیا کہنا؟

ایمان والوں کی شان یہی ہے:﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰]: ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، ہر ایک، ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتا ہے، آج تو سگے بھائی میں بھی آپس میں محبت نہیں رہی، اب کیا کہیں!۔

کھانا کھلاؤ اور سلام کرو

بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ذکر کی ہے اور اس پر باب قائم کیا ہے بَابٌ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلاَمِ (کھانا کھلانا اسلام کے اعمال میں ہے) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں: ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اسلام کے اعمال میں کون سا عمل بہترین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کو پھیلاؤ (ان لوگوں کو بھی) جن کو پہچانتے ہو اور (ان لوگوں کو بھی) جن کو نہیں پہچانتے[①]۔

مِلّی شناخت ضروری ہے

آج کل تو سلام کا رواج ہی ختم ہوتا چلا جا رہا ہے، اگر کرتے بھی ہیں تو جن کو پہچانتے ہیں، ان ہی کو سلام کرتے ہیں، سلام ہر مسلمان کا حق ہے۔ اگر سامنے والے کی شکل وصورت اور لباس سے ہمیں یہ اندازہ ہوجائے کہ یہ مسلمان ہے تو اس کو سلام کرنا

---

①صحيح البخاري، بَابٌ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلاَمِ، رقم الحديث: ۱۲.

ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی شخصیت میں کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے ہم اس کو مسلمان گردانیں تو سلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

علماء نے لکھا ہے کہ سلام کے لیے ملی شناخت کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو ہے شخصی شناخت (Personal Identification) جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ مولانا اسعد مرزا ہیں، اسے شخصی شناخت کہتے ہیں۔ اور ایک ملی شناخت (Religious Identification) ہوتی ہے یعنی میں جانتا ہوں کہ یہ مسلمان ہے، بس! سلام کرنے کے لیے اتنا کافی ہے؛ لہٰذا مجھے سلام کرنا چاہیے۔ البتہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کو سلام کرنے میں ہماری طرف سے ابتداء نہیں ہونی چاہیے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **لَا تَبْتَدِئُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ**[1]۔ ہاں! اگر وہ سلام میں پہل کرے؛ مثلاً کسی یہودی نے ''السلام علیکم'' کہا، تو آپ جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے[2]۔

سلام تو اسلام کا حق ہے!

---

(۱) سنن الترمذی، عن أبي هريرة رضی اللّٰہ تعالى عنه، أبواب السير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في التسليم على أهل الكتاب، رقم الحديث: ۱۶۰۲.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ تعالى عنه، بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُصَرِّحْ، نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ، رقم الحديث: ۶۹۲۶.

آج کل تو سلام شخصی شناخت پر موقوف اور وابستہ ہو گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث شریف میں پیشین گوئی ارشاد فرمائی ہے کہ قیامت کے قریب لوگ صرف پہچان والے کو سلام کریں گے ①۔ یعنی جن کو شخصیت کے اعتبار سے پہچانتے ہیں ان کو سلام کریں گے لیکن دوسرے وہ لوگ جن کے چہرے پر ڈاڑھی ہے، لباس ہے بلکہ ویسے بھی ان کو جانتے ہیں لیکن ان کے ساتھ تعلق نہیں ہے تو ان کو سلام نہیں کریں گے۔ نہیں بھائی! یہ سلام تو اسلام کا حق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے، آپؐ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے پوری ملت اور پوری قوم ''قوم مسلمان'' قائم کی۔ زمانۂ جاہلیت میں قبائل، نسب کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے کہ یہ میرے قبیلے اور خاندان کا ہے، اس لیے میں اس کی مدد کروں گا اور کوئی بنیاد نہیں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر قبائل اور نسب کی بنیاد کو ختم کر کے اسلام اور ایمان کی بنیاد رکھی۔

ایک لطیفہ

ہمارے ایک دوست نے ایک لطیفہ سنایا: ایک صاحب کی دوسرے صاحب سے راستے میں ملاقات ہوئی، بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پہچاننے میں ہم سے غلطی ہو جاتی ہے؛ یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ وہ فلاں ہے جسے ہم جانتے ہیں لیکن وہ کوئی اور ہوتا ہے، چنانچہ ان صاحب نے دوسرے کو سلام کیا۔ پھر جب قریب پہنچے تو کہنے لگے کہ

---

① مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث: ۳۸۴۸.

میں نے آپ کو فلاں شخص سمجھ کر سلام کیا تھا؛ معاف کیجیے گا۔ اب آپ دیکھیے! کیا اس نے سلام کر کے کوئی گستاخی کر دی تھی جس کی معافی مانگی جارہی ہے؟ یہ بات اُسی ذہنیت کی بنیاد پر وجود میں آئی کہ جسے ہم جانتے ہیں، اسی کو سلام کرنا چاہیے۔ یہ بات غلط ہے، اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

مسلمان بھائی بھائی

قرآن نے یہ صاف اعلان کر دیا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر جو حق ہے، وہی ایک مسلمان کا بھی دوسرے مسلمان پر ہے۔ حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھے حق ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے ملاقات کرے تو سلام کرے۔

سلام کا جواب دینا واجب ہے

اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی ایک حق ہے۔ سلام کرنا تو سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر کسی آدمی نے سلام کیا اور آپ نے اس کا جواب نہیں دیا تو آپ واجب کو چھوڑنے والے اور گنہگار رہوں گے [۲]۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابٌ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ لِلْمُسْلِمِ رَدُّ السَّلَامِ، رقم الحدیث: ۲۱۶۲۔

(۲) وَرَدُّ السَّلَامِ وَاجِبٌ.(البحر الرائق شرح کنز الدقائق[الناشر: دار الکتاب الإسلامي]:۸/ ۲۳۶، وَاللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ)

کون سی سنت واجب سے بڑھ کر ہے؟

فقہاء نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ ''کون سی سنت واجب سے بڑھ کر ہے؟'' یعنی جس کا ثواب واجب سے زیادہ ہے۔ ویسے شریعت کا قانون یہ ہے کہ واجب اور فرض کا درجہ اور ثواب سنت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ سلام کرنے والے (سنت ادا کرنے والے) کو جو ثواب ملے گا، وہ جواب دینے والے (واجب ادا کرنے والے) سے زیادہ بڑھا ہوا ہوگا[1]۔ یہ مسئلہ فقہاء نے امتحان اور چیستاں کے طور پر لکھا ہے۔

جب کوئی سلام کہلائے

کوئی آدمی اگر کسی پر سلام کہلوائے تو اس کو چاہیے کہ جس نے سلام کہلوایا ہے، اس کو بھی جواب دے اور سلام لے کر آنے والے کو بھی شریک کرے۔ جیسے کسی نے آپ کو کہا کہ: فلاں آدمی نے آپ کو سلام کہا ہے، تو آپ یوں کہئے: **"وعلیکم وعلیه السلام ورحمة الله وبركاته"**[2]۔

اب پہلے کس کو ذکر کرے؟ تو دونوں طرح کی باتیں آئی ہیں، بعض حضرات نے

---

① وثواب المُسلم أكثر. (تحفة الملوك لأبي بكر الرازي، [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت] ص: ۲۴۱)

② وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرُدَّ عَلَى الْمُبَلِّغِ أَيْضًا فَيَقُولَ: وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ اهـ. (رد المحتار على الدر المختار [الناشر: دار الفكر - بيروت]: ۶/۴۱۵)

کہا کہ یہ سامنے موجود ہے، اس لیے پہلے اس کو "وعلیکم" کہو، اس کے بعد "وعلیه السلام ورحمة الله وبر کاته" کہو لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سلام بھجوانے والا اصل ہے، یہ تو صرف قاصد ہے، اس لیے پہلے "علیه" کہو، پھر "وعلیکم" کہو۔

بہر حال! کسی نے سلام کہلوایا ہو تو اس کے جواب دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جس نے سلام کہلوایا ہے، اس کو بھی جواب دے اور جو سلام لے کر آیا ہے، اس کو بھی ساتھ میں شریک کرے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں نے سلام کہلوایا ہے، تو صرف "و علیکم السلام ورحمة الله وبر کاته" کہتے ہیں۔ جب "و علیکم السلام" بولیں گے تو جو سلام لانے والا ہے، صرف اسی کو جواب ملا، بھیجنے والے کو کہاں جواب ملا؟ اس لیے کہ "علیکم" عربی زبان میں سامنے والے (مخاطب) کے لیے بولا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ''تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں''۔ اب جس نے کہلوایا ہے، اس کو تو جواب ہی نہیں ملا۔ اس لیے "علیه" ' بھی بولنا چاہیے، جس کا مطلب ہوگا کہ ان پر اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اگر "علیه" نہیں کہا تو جس نے سلام کہلوایا ہے، اس کا جواب نہیں ہوگا، یہ طریقہ سیکھ لینا چاہیے۔

بہت سے ہمارے بھائی اس سلسلے میں جانتے نہیں اور جواب میں صرف "وعلیکم السلام" بولنے پر اکتفاء کرتے ہیں تو ان پر سلام کے جواب کی ذمہ داری

باقی رہ جاتی ہے، اس لیے کہ سلام کرنا سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے؛ لہٰذا جو جاننے والے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ جب کبھی ایسی نوبت آئے اور پتہ چلے کہ سلام پہنچانے والے کو جواب دینے کا طریقہ ان کو معلوم نہیں ہے تو محبت سے ان کو طریقہ سکھادیں کہ اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے۔

سلام کی تاکید

اسلام میں تحیہ کی بڑی اہمیت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کی بڑی تاکید فرمائی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ نے کسی کو سلام کیا، پھر درمیان میں کوئی درخت آگیا تو دوبارہ اس کو سلام کرو[۱]۔

امام بخاریؒ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللّٰہ تعالی عنہ کا مقولہ نقل کیا ہے: بَذْلُ السَّلاَمِ لِلْعَالَمِ[۲] (ساری دنیا کو سلام کرو)۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا مختصر تعارف

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللّٰہ تعالی عنہ مدینہ کے رہنے والے اور یہودی تھے، یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ اسلام کے پہنچنے سے پہلے مدینہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے آباد تھے: بنوقریظہ اور بنونضیر۔ قبیلۂ بنونضیر کی ایک شاخ سے ان کا

---

① سنن أبی داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُفَارِقُ الرَّجُلَ ثُمَّ يَلْقَاهُ أَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ؟، رقم الحديث: ۵۲۰۰۔

② صحیح البخاری، بَابٌ: إِفْشَاءُ السَّلاَمِ مِنَ الإِسْلاَمِ.

تعلق تھا۔ عالم ہونے کی وجہ سے تورات، انجیل اور اگلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں مذکور نبیٔ آخر الزماں ﷺ کی علامات سے پوری طرح واقف تھے لیکن ہجرت سے پہلے کبھی انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے عربوں کو نبیٔ کریم ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق بخشی، وہ ہر سال اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے حج پر جانے کا اہتمام کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے نبیٔ کریم ﷺ حج کے زمانے میں عرب کے مختلف قبائل کے سامنے ایمان و اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے۔ لہٰذا مدینہ منورہ سے بھی قبیلۂ خزرج کے چند آدمی وہاں گئے تھے اور نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انھوں نے قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور مدینہ آکر ایمان کی دعوت دی۔ اس طرح مدینہ منورہ میں اسلام آیا۔ اس کے بعد دوسرے سال اور لوگ گئے اور وہ ایمان لائے۔ ان کی وجہ سے مدینہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا بڑا چرچا تھا۔

آپ ﷺ کی مدینہ آمد پر خوشی

جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، اس سے قبل ۱۴؍ روز تک آپ قبا میں قیام پذیر رہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ قبا پہنچے اور مدینہ میں بات پھیلی، تب میں اپنے باغ میں درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا اور مجھے اطلاع ملی کہ آپ ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔ چوں کہ انھوں نے قبیلۂ اوس اور خزرج کے لوگوں کی زبانی آپ ﷺ کے حالات

سن رکھے تھے، جس کی وجہ سے ان کو تقریباً یقین ہو چکا تھا کہ یہ وہی نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر سنی تو مارے خوشی کے بہ آوازِ بلند **اللهُ أَكْبَرُ** کہا، ان کی یہودن پھوپھی (خالدہ بنت حارث) بھی وہاں تھی، وہ کہنے لگی کہ اے عبداللہ! **خَيَّبَكَ اللهُ** (اللہ تجھے نامراد کرے) تم نے تو ان کی آمد کی خبر پر ایسی خوشی کا اظہار کیا، جیسا کہ حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے ہوں- حضرت موسیٰ کو یہودی نبی مانتے تھے- اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: پھوپھی! یہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن سے حضرت موسیٰ رکھتے تھے، یعنی جیسے وہ نبی تھے، یہ بھی نبی ہیں۔ ان کی پھوپھی نے پوچھا کیا یہ نبی ہیں؟ میں نے کہا: بالکل۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تو اپنی پھوپھی کو یہ جواب دے کر قبا کی طرف نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور ملاقات کرنے کے لیے چلا[1]۔

مدینہ میں پہلی تقریر

جب کوئی آدمی دور سے آتا ہے تو پہلے اس کی نظر سامنے والے کے چہرے پر پڑتی ہے، پہلے بات نہیں سن پاتا۔ بات تو تب سن سکے گا، جب وہ قریب آئے گا۔

---

① سيرة ابن هشام (۱/ ۵۱۶-۵۱۷) [ت: السقا] ودلائل النبوة للبيهقي (المقدمة، ص: ۳۵، ۲/ ۵۳۰).

زیارت پہلے ہوتی ہے، بات بعد میں کان میں پڑتی ہے۔تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: **فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ** (میں نے جب نبیٔ کریم ﷺ کے مبارک چہرے کو دیکھا تو میرے دل کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے) پھر جب میں قریب آیا تو سب سے پہلی جو باتیں نبیٔ کریم ﷺ سے میں نے سنیں، وہ یہ تھیں: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ** (اے لوگو! آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رشتے داروں کے حقوق کو ادا کرو اور راتوں کو نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے[1])

تہجد کی نماز اللہ کو بہت پسند ہے کہ کیسا پیارا بندہ ہے، سب سوئے ہوئے ہیں، خراٹے لے رہے ہیں اور یہ میری محبت میں میرے سامنے کھڑا ہے۔ گویا سب سے پہلی تقریر آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں یہی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلانا مؤمن کامل کی صفت ہے

دیکھیے! حضور ﷺ نے **أَفْشُوا السَّلَامَ** فرمایا، **قُولُوا** نہیں کہا، خوب پھیلانے کا حکم دیا اور کھانا کھلاؤ تو کس کو کھلاؤ؟ اس کی کوئی تعیین نہیں کی، انسان کو کھلاؤ، جانور کو

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۲۴۸۵.

کھلاؤ۔ پھر انسانوں میں بھی مسلمان کو کھلاؤ، غیر مسلم کو کھلاؤ، سب کو کھلاؤ۔ خالص اہل ایمان کی قرآن کریم میں صفت بیان کی گئی ہے: ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا، اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ [الدھر ۸، ۹] (وہ محض اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور پھر کہا کرتے ہیں: ہم تم سے شکریے کے بھی خواہش مند نہیں ہیں) آج کل تو کھانا کھلانے کے بعد یہ تمنا کرتے ہیں کہ ہمارا شکریہ ادا کیا جائے کہ ماشاء اللہ! آپ تو بڑی خدمت کر رہے ہیں! اسی میں ہمارا سارا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔

سلام کرو...... جنت میں جاؤ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دن میں ۲۰ر آدمیوں کو سلام کرے اور اسی دن اس کا انتقال ہو جائے، تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ اور رات میں اگر ۲۰ر آدمی کو سلام کرے اور اسی رات اس کا انتقال ہو جائے تو اس پر بھی واجب ہو جائے گی۔ چاہے وہ ۲۰ر آدمی اکٹھے ہوں یا الگ الگ ہوں [1]۔ جیسے: اس مجمع میں ۲۰ر سے بھی زائد لوگ بیٹھے ہیں، اگر کوئی آدمی آ کر سلام کرے گا تو اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

ابن عمرؓ کا عمل

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما تو اتباع سنت میں مشہور تھے، ان

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۴۱۱۷.

کے متعلق موطا امام مالک میں لکھا ہے کہ حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالی عنه کے صاحب زادے طفیل بن ابی رضی اللہ تعالی عنه کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما کی خدمت میں جاتا تھا تو مجھے وہ اپنے ساتھ بازار لے جاتے تھے اور لوگوں کو سلام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ روزانہ بازار جاتے ہیں، نہ تو کوئی چیز خریدتے ہیں، نہ کسی چیز کا دام پوچھتے ہیں، نہ کسی چیز کو دیکھتے ہیں، نہ وہاں کی کسی مجلس میں شرکت کرتے ہیں تو یہیں بیٹھ کر ہم باتیں کیوں نہ کریں؟ تو اس کے جواب میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ يَا أَبَا بَطْنٍ، وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ، إِنَّمَا نَغْدُو مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ، نُسَلِّمُ عَلَى مَنْ لَقِيْنَا: اے بڑے پیٹ والے! (حضرت طفیلؓ کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو بازار اس لیے جاتے ہیں؛ تاکہ جو بھی ہمیں ملے اس کو سلام کریں)[1]۔

طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنه اتنے بڑے صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ روزانہ بازار فقط اس لیے جاتے تھے کہ جو ملے، چاہے دکان دار ہو، یا ٹھیلے والا ہو یا پتھارا لگانے والا ہو، یا کوئی مسکین غریب ہو، سب کو سلام کریں اور وہ اس کا جواب دے۔ اور سلام کرنا یہ بھی ثواب کا کام ہے اور جب سامنے والا جواب دے گا تو اس میں دعائیں بھی ملیں گی۔ اس لیے سلام

---

(۱) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية-بيروت]، ص: ۳۴۸، رقم الحديث: ۱۰۰۶.

بڑی فضیلت کی چیز ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

رحمتوں اور برکتوں کا نزول وحصول

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ اے انس! جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو! اس میں تمہارے لیے بھی برکت ہے اور گھر والوں کے لیے بھی برکت ہے [①]۔

ایک مرتبہ ایک دیہات میں بیان میں یہ حدیث سنائی تو ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب! ان عورتوں کو کیا سلام کرنے کا؟ یعنی یہ عورتیں اس قابل کہاں کہ ان کو سلام کیا جائے؟ ایسے مزاج کے لوگ بھی آج اس دنیا میں ہیں، عورتیں سنیں گی تو پتھر مارے گی، ہم جب گھر میں سلام کریں گے تو گھر میں بھی برکت ہوگی اور ہمیں بھی برکت حاصل ہوگی۔ دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کے اسباب بتلائے ہیں لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہم ایک سلام سے جیسے سامنے والے کو ۳/دعائیں دیتے ہیں، ویسے ہی جواب میں وہ بھی ہمیں ۳/دعائیں دیتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ایک دن میں ہم بیسیوں آدمی کے سامنے آتے ہیں تو جب ہم ہر ایک کو سلام کریں گے اور ہر ایک آپ کو سلام کا جواب دے گا تو ایسی فضا میں اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں کیسی نازل ہوں گی!!!

---

① سنن الترمذی، أَبْوَابُ الِاسْتِئْذَانِ وَالْآدَابِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ، رقم الحدیث: ۲۶۹۸۔

اس مجلس میں ۴۰۰/ یا ۵۰۰/ آدمی ہیں، سب آج سے یہ عزم کرلیں کہ جب بھی ہم گھر سے نکلیں گے اور جو بھی ہمارے سامنے آئے گا، ہم اس کو سلام کریں گے۔ جب وہ بھی جواب دے گا تو ہماری پوری فضا سلام کے الفاظ سے گونج اٹھے گی اور اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں کیسی نازل ہوں گی!!! جس معاشرے پر سینکڑوں مرتبہ سلامتی، رحمت اور برکت اترے گی، اس معاشرے کا کیا حال ہوگا؟۔

خالی مکان میں داخل ہوتے وقت سلام

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾[النور: ۶۱] جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو سلام کرو۔ "فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ" ان کو سلام کررہے ہو، گویا خود اپنی ہی ذات کو سلام کررہے ہو۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے گھر میں داخل ہو، جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو یعنی گھر خالی ہے اور خود ہی تالا کھول کر اندر داخل ہوا ہے، تب بھی اس کو "السَّلامُ علَيْنا وعَلیٰ عِبادِ اللهِ الصّالِحِيْن" کہنا چاہیے؛ تاکہ وہاں اللہ کے جو نیک بندے؛ جن اور فرشتے وغیرہ ہیں، ان پر سلام ہوجائے[۱]۔

ایک درہم میں جنت خرید لی......

---

(۱) وَقَالَ نَافِعٌ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتًا لَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ وَإِذَا كَانَ فِيهِ أَحَدٌ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. (أحكام القرآن للجصاص [الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]: ۵/۲۰۰، فی تفسیر الآیة النور المذکورة)

ہمارے اسلاف کے یہاں کسی کی دعا حاصل کرنے کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔

ایک بہت بڑے محدث گذرے ہیں؛ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کی حدیث کی ترتیب دی ہوئی کتاب ''سنن ابو داود'' ہمارے یہاں مدارس میں، طالب علم کو آخری سال میں پڑھائی جاتی ہے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک بڑی کشتی میں سوار ہو کر جا رہے تھے اور کنارے پر ایک آدمی کھڑا تھا، اس کو چھینک آئی، اس نے کہا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**۔ شریعت نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کسی شخص کو چھینک آئے، اور **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** کہے تو سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جواب میں **یَرْحَمُكَ اللہُ** کہے۔ اس کے لیے الحمد اللہ کہنا سنت ہے اور سننے والے کے لیے جواب میں **یَرْحَمُكَ اللہُ** کہنا واجب ہے اور جب وہ **یَرْحَمُكَ اللہُ** کہے گا، تو چھینکنے والے کے لیے **یَھْدِیْكُمُ اللہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ** کہنا ضروری ہے[1]۔

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس آدمی کا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** سنا، تو آپ اس کو جواب دینا چاہتے تھے، اتنی دیر میں کشتی آگے نکل گئی۔ دیکھو! یہ سلام اور چھینک کا جواب اس طرح دینا ضروری ہے کہ جس کو جواب دیا جا رہا ہے وہ سن لے، چناں چہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا کہ بڑی کشتی میں جو چھوٹی کشتی ہوتی ہے، اسے ایک درہم پر اجرت سے لے کر دوبارہ کنارے پر آئے اور اس آدمی کو **یَرْحَمُكَ اللہُ** کہا۔ کسی نے

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ، رقم الحدیث: ۶۲۲۴۔

کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی مستجاب الدعوات ہو، اور مجھ سے یَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے، اور اس کی دعا اللہ کے یہاں قبول ہو جائے، تو میرا تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ اتنے بڑے امام، ان کے پاس اعمال کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے، وہ بھی نیکی کے اتنے بڑے حریص ہیں۔ رات کو خواب میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: يَا أَهْلَ السَّفِيْنَةِ، إِنَّ أَبَا دَاودَ اشْتَرىٰ الْجَنَّةَ مِنَ اللهِ بِدِرْهَمٍ: اے کشتی والو! امام ابوداود نے اللہ تعالیٰ سے ایک درہم میں جنت خرید لی[1]۔

......میں اپنا کام نہ کروں؟

اللہ کے نیک بندے تو ایسے حریص ہوا کرتے تھے کہ مؤمن کی ایک ایک دعا لینے کو ترستے تھے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کا نام حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ہے، جو ان کے پیر بھی ہیں اور ماموں بھی ہیں اور ان کے پیر کا نام ہے حضرت معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ، کرخ بغداد کا ایک محلہ ہے، اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے انھیں معروف کرخی کہا جاتا ہے، آج بھی ان کی قبر کے متعلق لوگوں کا تجربہ ہے کہ وہاں جو دعا کی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے۔ ان کی کرامت آج بھی دیکھی جاسکتی ہے، ہر وقت اللہ کا ذکر ان کی زبان پر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حجام حجامت بنا رہا تھا، جب مونچھ کاٹنے کا وقت آیا تو چوں کہ وہ ہر وقت ذکر کرتے رہتے تھے تو ان

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حافظ بن عبد البرؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ فتح الباری (۱۰/ ٦١٠)۔

کا منہ اور ہونٹ ہلتے رہتے تھے۔ اس حجام نے کہا کہ حضرت! ذرا ہونٹ بند کرلو؛ تاکہ میں مونچھ کاٹ لوں۔ تو فرماتے ہیں: واہ بھائی! تو تو اپنا کام کرے اور میں اپنا کام نہ کروں[۱]؟۔

یہ دعا کہاں ملے گی......؟؟؟

ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جارہے تھے اور ان کے ساتھ ان کے مریدین بھی تھے۔ ایک سقہ (پانی پلانے والا) یہ آواز لگارہا تھا: اللہ تعالیٰ رحم کرے اس آدمی پر جو میرے ہاتھ سے پانی پیے۔ انھوں نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ مریدین نے کہا: حضرت! آپ کا تو روزہ تھا! جواب دیا کہ بھائی! یہ جو دعا دے رہا تھا، وہ تم نے نہیں سنی؟ اس روزے کی تو میں قضا کرلوں گا، یہ دعا کہاں ملے گی[۲]؟ یہ ہمارے اسلاف تھے۔

آج نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکھلائی ہوئی ان دعاؤں کو نہ تو اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے استعمال کرتے ہیں، نہ اپنے گھر کے لوگوں پر، نہ اپنی بیوی بچوں پر۔ سب آج سے طے کرلو کہ گھر میں داخل ہوں گے، تب بھی سلام کریں گے اور راستے میں جو مسلمان بھائی ملے گا، اس کو بھی سلام کریں گے۔ دیکھو پھر اس کی برکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) حلیۃ الأولیاء [دار الکتب العلمیۃ-بیروت]: ۳۶۲/۸، فی ترجمۃ مَعْرُوفِ الْکَرْخِیِّ رحمہ اللہ۔

(۲) حلیۃ الأولیاء [دار الکتب العلمیۃ-بیروت]: ۳۶۲/۸، فی ترجمۃ مَعْرُوفِ الْکَرْخِیِّ رحمہ اللہ۔

ہم خرما ہم ثواب

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات فرمایا کرتے تھے: جو آدمی سلام کی عادت ڈال لے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دوسرے نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ بعض نیکیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جب آدمی اسے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوسرے نیک کام کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اس کے لیے دوسرے نیک کاموں کا کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ یہ تو ہم خرما ہم ثواب والی بات ہے۔ دعائیں ہیں، ثواب ہیں اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور طریقوں کو چھوڑ کر درحقیقت اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

سب سے بڑا بخیل

جو آدمی سلام میں بخل کرے، اس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی عجیب تشبیہ دی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے باغ میں فلاں آدمی کا ایک درخت ہے، اس کی وجہ سے مجھے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ وہ اپنے ایک درخت کی وجہ سے وقت بے وقت آتا جاتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے بے پردگی بھی ہوتی ہے اور بڑی زحمت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بلایا اور فرمایا: مجھے وہ درخت بیچ دو، اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ہبہ کردو، اس نے کہا: نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت کے درخت کے بدلے میں مجھے دے دو، اس نے کہا: نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تیرے جیسا بخیل میں نے آج تک نہیں دیکھا، سوائے اس آدمی کہ جو لوگوں کو سلام نہ کرے۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام نہ کرنے والے کو اس سے بھی زیادہ بخیل قرار دیا ہے[۱]۔

ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سلام کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں سر بلندی عطا فرمائے[۲]۔

سلام کو پھیلاؤ...... لڑائیاں ختم

مسلم شریف کی روایت جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ ایمان نہ لاؤ، اور تم ایمان نہیں لا سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جو آپس میں محبت پیدا کرتی ہے؟ آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ۔

جب آپس میں سلام کا رواج ہوگا تو دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو

---

(۱) المستدرك على الصحيحين [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۲/۴۲، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ تعالی عنهما، كِتَابُ الْبُيُوعِ، رقم الحديث: ۲۱۹۵.

(۲) الترغيب والترهيب للمنذری [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۳/۲۸۶، عَن أَبي الدَّرْدَاء رضی اللہ تعالی عنه، التَّرْغِيب فِي إفشاء السَّلَام وَمَا جَاءَ فِي فَضله وترهيب الْمَرْء من حب الْقيام لَهُ، رقم الحديث: ۴۰۹۲.

بھوسا بھرا ہوا ہے، بات بات پر جولڑائیاں ہوتی ہیں، یہ سارا کھیل بھی إن شاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی آبادی محبت کا نمونہ بن جائے گی۔ سب طے کرلو، وعدہ کرلو کہ سلام کا اہتمام کریں گے۔

اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی پابندی سے سلام کرو، آپ گھر میں ۱۰ ؍مرتبہ داخل ہوں گے اور دس مرتبہ پورا سلام کریں گے تو دس مرتبہ سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہوگی۔ کوئی ایک مرتبہ بھی قبول ہو جائے تو آپ کا بھی بیڑا پار ہو جائے گا اور گھر والوں کا بھی بیڑا پار ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ جب آپ کسی کو سلام کریں گے تو آپ کی محبت اس کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے گی، یہ قدرتی چیز ہے۔ آپ لوگوں کو جتنا زیادہ سلام کریں گے، ان شاء اللہ! ان کے دلوں میں آپ کے واسطے اور وہ سلام کریں گے تو آپ کے دل میں ان کے واسطے محبت پیدا ہوگی۔ اس لیے سلام کو عام کیجیے۔

آج کل جو دشمنیاں، عداوتیں، بدگمانیاں، لڑائیاں، گھروں میں، خاندانوں میں، سوسائٹیوں میں، معاشرے میں ہیں، اگر اس کا سلسلہ شروع ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایک دن میں سیکڑوں دعائیں اللہ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکت کی جس فضا میں بلند ہوتی ہوں، وہ معاشرہ کیا کچھ اللہ کی طرف سے پائے گا۔ اس لیے اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو

اللہ کا سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوگا؛ وہ سلام میں ابتداء کرے گا[①]۔

ایک اور روایت میں ہے: نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! دو آدمی ملاقات کریں تو کون سلام میں ابتداء کرے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں میں جو اللہ کا مقرب ہوگا؛ وہ سلام میں ابتداء کرے گا[②]۔

گویا سلام میں ابتداء کرنے کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی علامت بتلایا گیا ہے؛ یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس میں سبقت کرنے سے کام لیں۔

سلام پھیلاؤ...... کبر سے حفاظت

حدیث میں ہے کہ اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ[③] (جو آدمی سلام کرنے میں پہل کرتا ہے، وہ تکبر سے بری ہے) ہمارے اندر اگر تکبر کا مرض ہو جو کہ ام الامراض ہے، تو اس کا بھی بڑا اچھا علاج ہے۔

سلام اور شیخ الادبؒ

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے مدرس تھے، اپنے

---

① سنن أبی داود، بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ بَدَأَ السَّلَامَ، رقم الحدیث: ۵۱۹۷۔

② سنن الترمذی، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ الِاسْتِئْذَانِ وَالْآدَابِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ، رقم الحدیث: ۲۶۹۴۔

③ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی [الناشر: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ بومبای بالھند]: ۱۱/۲۰۱، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث: ۸۴۰۷۔

اساتذہ سے ان کے متعلق سنا کہ کوئی بھی ان سے سلام میں سبقت نہیں کر سکتا تھا، چھوٹے سے چھوٹا طالب علم ہو، یا بڑے سے بڑا، ہمیشہ وہی سلام کرتے تھے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں چھپ گیا اور جب مولانا آئے تو اچانک نکل کر مولانا کو پہلے سلام کر دیا۔ گویا اپنے اس عمل کو فخر کے طور پر بیان کرتے تھے کہ میں نے سلام میں ان سے سبقت کی۔ تو بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ لہٰذا ہم عادت ڈالیں کہ ہر چھوٹے بڑے کو سلام کریں گے، خاص کر کے اپنے گھر والوں کو سلام کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خود بھی عمل کریں اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی طرف توجہ دلائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

ضمیمہ

مندرجۂ ذیل مواقع میں سلام نہ کریں:

(۱) نماز پڑھنے والے کو (۲) تلاوت کرنے والے کو (۳) دینی باتوں کے بیان کرنے والے کو، حدیث وفقہ وغیرہ دینی علوم پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے والے کو (۴) ذکر کرنے والے کو (۵) اذان دینے والے کو (۶) اقامت کہنے والے کو (۷) جمعہ اور عیدین وغیرہ کے خطبات دینے والوں کو دینی امور میں مصروف ہونے کی وجہ سے سلام کرنا مکروہ ہے (۸) اذان، اقامت اور خطبات کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی ان مواقع میں سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں۔ (شامی ۲ / ۳۷۵)

(۹) کھانے والے کو۔

(۱۰) قضائے حاجت میں مشغول آدمی کو۔

(۱۱) جماع میں مشغول آدمی کو۔

(۱۲) جس آدمی کا ستر کھلا ہوا ہو، اس کو؛ اس لیے کہ موجودہ صورت حال میں جواب دینے کی حالت میں نہیں ہیں۔ (شامی ۲ / ۳۷۵)

مذکورہ بالا صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں؛ البتہ بعض صورتوں میں عمل موقوف کر کے جواب دے سکتا ہے، بعض صورتوں میں جواب کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

برکت گجرات شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وفات پر
حضرت دامت برکاتہم کا

تعزیتی بیان

اقتباس

حضرتؒ کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، معلوم نہیں، وہ کب پورا ہوتا ہے اور ہم جو تعزیت کر رہے ہیں، وہ اپنی جدائی اور نقصان پُر کر رہے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بار بار یہ جملہ سننے کو ملتا تھا کہ مرنے والے کی موت پر جو لوگ روتے ہیں، وہ مرنے والے پر نہیں روتے بلکہ وہ اپنے ان منافع سے جو ان سے متعلق تھے، اس کے ختم ہو جانے سے اپنے نقصان پر روتے ہیں تو آج حضرتؒ کی تشریف بری سے ہر شخص جو نوحہ کناں ہے، وہ اسی لیے ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرتؒ کا وجود ہی ہمارے لیے سرمایہ کا سا ہے، حضرتؒ کی وفات سے جو نقصان ہوا ہے، وہ تنہا کسی شخصیت یا تنہا کسی خاندان یا کسی ادارہ یا کسی علاقہ کا نہیں بلکہ پورے عالم کو نقصان ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلی کافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی آله وأصحابه وبارك وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

اصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِينَ فَإِنَّمَا   صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّاسِ

خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ أَجْرُكَ بَعْدَهُ   وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ

یعنی ”آپ بڑے ہیں، صبر کیجیے کہ ہم چھوٹے بھی صبر کریں گے، حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنه کے انتقال سے تم کو ایسی چیز مل گئی جو تمھارے لیے عباس ؓ کی ذات سے زیادہ نفع رساں ہے یعنی ثواب اور عباس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات تم سے کہیں بہتر ہے“۔

تعزیت و تسلی کے بہترین کلمات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنهما کے علمی مقام سے مجلس کے تمام حضرات واقف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ والد محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنه کے انتقال پر لوگوں نے مختلف تعزیتیں پیش کیں لیکن ایک اعرابی نے تعزیت میں جو دو شعر

کہے تھے اور اس سے مجھے جو تسلی حاصل ہوئی، کسی اور چیز سے نہیں ہوئی۔ اس وقت میں نے آپ کے سامنے ان ہی دو شعروں کو پیش کیا ہے[۱]۔

مصائب وآلام میں حضرت شیخؒ کی ذات تسلی کا سامان تھی

یہ واقعہ وحادثہ جو پیش آیا، وہ جناب محترم قاری رشید احمد زید مجدہم ہی نہیں بلکہ ہم سب اپنے اوپر سے گویا پدری محبت اور بزرگانہ شفقت کے ایک عظیم سایہ سے محروم ہو گئے۔ جب کوئی مصیبت یا حادثہ پیش آتا تھا تو ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرتے تھے جس سے جمع خاطر اور تسلی ہو جاتی، بڑی سے بڑی مشکل حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل ہو جاتی، کوئی کیسا ہی معاملہ ہوتا، حضرتؒ کی خدمت میں پہنچنے سے ایک نئی ہمت وجرأت اور نیا حوصلہ حاصل ہوتا تھا۔ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ کون سی ایسی شخصیت ہے جن سے وہ چیز حاصل کریں؟ البتہ اب صرف حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت برکاتہم کا سایہ باقی رہ گیا ہے (۲۰۰۱ء میں حضرت مفتی صاحبؒ بھی سوئے عقبیٰ چل دیے) حضرتؒ کا سایہ ہم پر سے ایسے وقت میں اٹھ گیا، جب کہ ہم آپؒ کے علوم وفیوض اور شفقت کے زیادہ محتاج تھے۔

حجاج بن یوسف کی تنزلی کی ابتدا

---

(۱) الفروق = أنوار البروق في أنواء الفروق لأبی العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس المالكي الشهير بالقرافي: ۲/ ۱۷۴، الفرق بين قاعدة الشك في طريان الإحداث بعد الطهارة وبين قاعدة الشك في طريان غيره من الأسباب.

روایتوں میں آتا ہے کہ حجاج بن یوسف (مبیر هذه الأمة) نے اپنے ہاتھوں سے بڑے بڑے بزرگوں، عالموں اور نیک لوگوں کو قتل کیا ہے لیکن جس زمانے میں حجاج نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ پر اپنا ہاتھ صاف کیا، جب کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مرجعِ خلائق تھی تو ان کے جانے سے امت اور ملت کو جو نقصان پہنچا، اس کی تلافی ناممکن تھی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ آخری شکار تھا جو حجاج کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی پر قدرت نہیں دی کہ اپنا جذبۂ انتقام سرد کر سکے تو اس وقت حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے جو خلاء پیدا ہوا تھا، وہ ناقابلِ تلافی تھا۔

تو حضرتؒ بھی ہمارے درمیان سے ایسے وقت میں اٹھے کہ ہم مایوسی کے شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و ہمت عطا فرمائیں، حضرتؒ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ جن برکتوں، رحمتوں اور انوار سے ہمیں نوازتا تھا، اس سلسلے کو جاری رکھے۔

اولیاء اللہ فتنوں کے لیے سدِ باب ہوا کرتے ہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ میری امت کے لیے ذریعۂ امن ہیں، جب وہ دنیا سے جدا ہو جاویں گے تو امت پر وہ فتنے آئیں گے جو ان کے وجود کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جنھیں اللہ کے یہاں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے، ان کے وجود سے بھی دنیا کے اندر بہت سے فتنے رکے رہتے ہیں اور ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ اندیشہ غالب رہتا ہے کہ وہ رکے ہوئے فتنے نہ ٹوٹ پڑیں۔

ہمیں اس وقت جو غم لاحق ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ جنھیں آج ''نور اللہ مرقدہٗ'' کہتے ہوئے بھی زبان لرزنے لگتی ہے اور دل ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے کہ کل تک ہم انھیں ''دامت برکاتہم وعمّت فیوضہم'' جیسے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے اور آج اپنی زبان سے یہ جملہ (نور اللہ مرقدہٗ) کہنا پڑتا ہے۔

حضرت شیخؒ کی ذات اسم بامسمّٰی تھی

بہر حال! موت برحق ہے، آنی ہے، اس وقت ہمیں یہ سوچنا ہے کہ حضرتؒ کی تعلیمات کیا تھیں؟ حضرتؒ کا تقویٰ وتقدّس، تواضع وقناعت، خلوص وللّٰہیت اور حضرتؒ کی نسبت تسلیم ورضا، جیسے کہ حضرت والاؒ کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد رضا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ نحو کے اندر جب کسی صفت کو موصوف کے لیے ثابت کرنے میں مبالغہ مقصود ہو تو مصدر اختیار کرتے ہیں۔ آپ نے مثال میں ''زَیْدٌ عَدْلٌ'' پڑھا ہوگا تو حضرتؒ کا نامِ نامی بھی رضاؔ ہے۔ گویا آپؒ رضا بر قضا کی مجسم تصویر تھے، حضرتؒ کی شخصیت اپنے نام کا پورا نمونہ تھی۔ ویسے تو کہا ہی جاتا ہے کہ ''ہر مسمّٰی کو اپنے نام کا کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہی کرتا ہے'' تو گویا حضرتؒ کو اپنے نام کا مکمل حصہ ملا ہے اور آپؒ اپنے نام کے پورے آئیڈیل تھے، کیا کہنا کہ آپؒ نے ایسے حالات میں زندگی گذاری اور لوگوں کو بھی ایسے ناگزیر حالات میں اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے تو گویا رضا وتسلیم کے پیکر اور نمونہ تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؒ کے لیے وضع ہوا ہے۔

بہر کیف! حضرتؒ کی تشریف بری اور دنیا سے اٹھ جانے سے ہمارے قلوب میں جو خصوصی کیفیات اس وقت موج زن ہیں، اسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس

الفاظ نہیں کہ میں ان کیفیات کو آپ حضرات کے سامنے بیان کرسکوں۔

رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ

اسی رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ پڑھنے کے زمانے میں میرے دورہ کا سال تھا تو حضرت والاؒ کی آنکھ کے موتیوں کے آپریشن کی ضرورت پیش آئی۔ حضرتؒ نے اس آپریشن کو منظور فرما لیا۔ ایک ڈاکٹر کے یہاں ایڈمیٹ کیا گیا۔ حق تعالیٰ نے مجھے خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا۔ میں حضرتؒ کی خدمت تو کیا کرتا! میں آپ کو کیا بتلاؤں؟ کھانا وغیرہ آتا تھا تو میں کھلاؤں، اس سے زیادہ حضرتؒ میرا خیال رکھتے تھے اور میری ضرورتوں کو زیادہ مدنظر رکھتے تھے، حالاں کہ میں حضرتؒ کی خدمت کے لیے دواخانہ میں تھا۔

جب حضرتؒ کا آپریشن ہوا تو ایک مدت تک مجھے بھی یہ خیال نہ رہا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا نکلا؟ بعد میں کچھ ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی وہ آنکھ جس میں آپریشن کیا گیا تھا، اس میں بینائی نہیں ہے۔ حضرتؒ پہلے ہی سے یہ خدشہ ظاہر فرما رہے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے قریب ایک مریضہ تھی جس کی آنکھ سے موتیا کو نکالا گیا تھا پھر جب اس مریضہ کی آنکھ کا پٹہ کھولا گیا تو اس وقت وہ چلا رہی تھی کہ مجھے نظر نہیں آتا ہے۔ اس کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی تھی کہ کچھ دنوں بعد آہستہ آہستہ تجھے نظر آئے گا۔ بہرحال! اس عورت کی بینائی جاتی رہی۔ تو حضرتؒ بھی ختمِ بینائی کا ہی خدشہ ظاہر فرما رہے تھے۔ بعد میں مجھے بہت مدت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی اس آنکھ میں بینائی باقی نہیں رہی ہے۔

آپ حضرات کو بھی شاید معلوم ہو، بہت سے ایسے لوگ ہوں گے حضرتؒ سے ملنے والے بلکہ میں نے خود ہی آپریشن کے کئی سال بعد دریافت کیا کہ حضرتؒ آپ کی آنکھ میں شاید بینائی نہیں ہے تو حضرتؒ نے بات کو ٹال دیا اور اپنی عادت کے مطابق جواب دے دیا تو جواب سے میں نے یہ سمجھا کہ حضرتؒ کی آنکھ میں ضرور بینائی موجود ہے تو آپ اندازہ لگائیے کہ رضا بر قضا کا کوئی ایسا نمونہ کہیں موجود ہے کہ پیش کیا جا سکے؟۔

توحضرتؒ کے جو واقعات ہیں، وہ ایسے عجیب وغریب ہیں کہ ہم ان کو بیان نہیں کر سکتے اور اس پر چلنے کے لیے ہم میں وہ حوصلہ کہاں ہے کہ ہم ان چیزوں میں حضرتؒ کا سا اہتمام کریں؟۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کا ایک حکیمانہ جملہ

توحضرتؒ کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، معلوم نہیں، وہ کب پورا ہوتا ہے اور ہم جو تعزیت کر رہے ہیں، وہ اپنی جدائی اور نقصان پُر کر رہے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بار بار یہ جملہ سننے کو ملتا تھا کہ مرنے والے کی موت پر جو لوگ روتے ہیں، وہ مرنے والے پر نہیں روتے بلکہ وہ اپنے ان منافع سے جو ان سے متعلق تھے، اس کے ختم ہو جانے سے اپنے نقصان پر روتے ہیں تو آج حضرتؒ کی تشریف بری سے ہر شخص جو نوحہ کناں ہے، وہ اسی لیے ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرتؒ کا وجود ہی ہمارے لیے سرمایہ کا سا ہے، حضرتؒ کی وفات سے جو نقصان ہوا ہے، وہ تنہا کسی شخصیت یا تنہا کسی خاندان یا کسی ادارہ یا کسی علاقہ کا نہیں بلکہ پورے عالم کو نقصان ہوا ہے۔

تعزیتی جملے

تو اس وقت یہ جو جلسہ ہو رہا ہے، اس میں تعزیت تو میں کیا پیش کر سکتا ہوں بلکہ میں خود آپ حضرات سے اس بات کا متمنی ہوں کہ آپ مجھے تعزیت پیش کریں مگر اس کے باوجود چوں کہ دنیا کا دستور ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو حقوق متعین کیے ہیں، ان کے پیشِ نظر میں حضرتؒ کے صاحب زادۂ محترم قاری رشید احمد صاحب مدظلہ العالی اور ان کی والدہ محترمہ اور حضرت مہتمم صاحب اور ادارہ کے تمام طلبہ کو تعزیت پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس موقع پر ہمیں صبر عطا فرمائیں اور اس میری مادرِ علمی اور دیگر تمام اداروں کی مصائب اور دشواریوں سے حفاظت فرمائیں۔

(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔